ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ ملتان۔ فون: ۴۰۵۰۱

عرضِ ناشر

آپ کے مبارک ہاتھوں میں موجود کتاب "شریعت و تصوف" مسیح الامۃ حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ صاحب رحمۃ اللہ خلیفۂ ارشد حکیم الامت حضرت تھانوی رح کی تالیف لطیف ہے جو اپنے موضوع کے لحاظ سے نہایت جامع اور منفرد کتاب ہے

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ ملتان نے باوجود اپنے محدود وسائل کے پوری طرح کوشش کی ہے کہ کتاب کے باطنی حسن کی طرح اس کا ظاہری حسن بھی قائم رہ سکے۔ چنانچہ نئی کتابت اور تصحیح نیز نئے اضافوں کے بعد پورے اہتمام سے اسے شائع کیا گیا ہے۔

کتاب کی افادیت کے پیشِ نظر جنوبی افریقہ میں بھی حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ کے متوسلین نے اسے عربی میں منتقل کرکے طبع کرایا ہے۔ اور اسی طرح حضرت مولانا مسیح اللہ صاحب رحمۃ اللہ کے مریدین بھی اسے انگریزی میں شائع کرا رہے ہیں۔

پاکستان میں چونکہ حضرت والا کے متوسلین کی ایک کثیر تعداد موجود ہے بلکہ سلسلۂ اشرفیہ کے تمام ہی متوسلین اپنے ذوقِ سلوک کی وجہ سے اس کے طالب تھے اس طلب کے پیشِ نظر اسے شائع کرنے کی سعادت الحمد للہ ہمارے حصہ میں آئی ہے۔

اس پر حق تعالیٰ کا جتنا شکر کیا جائے کم ہے۔

حق تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے اس کو قبول فرما کر اس کے منافع کو عام و تام فرمادیں اور عامۃ المسلمین کے لئے بالعموم اور صاحبِ تصنیف کیلئے بالخصوص ذریعۂ نجات بنائیں۔

محمد اسحاق عفی عنہ

نوٹ:۔ کتاب ہذا کی اس طباعت میں کچھ کمی بیشی حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کے خلیفہ حضرت الحاج محمد فاروق صاحب مدظلہ العالی کے حکم کے مطابق کی گئی ہے۔ ان کے گرامی نامہ کا عکس درج ذیل ہے۔

محمد فاروق

بیت الاشرف باغ حیات سکھر

Muhammad Farooq
BAITUL - ASHRAF
BAGH HAYAT, SUKKUR
ISLAMIC REPUBLIC OF PAKISTAN

حضرت مولانا محمد اسحٰق صاحب
خلیفۂ ارشد
مرشدنا حضرت مولانا محمد شریف صاحب ہوشیارپوری ادام اللہ ...

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گذارش آنکہ آخری ملاقات میں مرشدی حضرت مسیح اللہ نور اللہ مرقدہ نے ارشاد فرمایا کہ آئندہ کتاب شریعت و تصوف کی جب طباعت ہو تو اس میں ان کی سوانح، مکتوبات ثلاثہ، فہرست خلفاء مجازین اور شجرات کا ذکر ہو۔ پہلے اخلاق رذیلہ پر اخلاق حمیدہ نیز حضرت مرشدی کا ایجاد کردہ ہے غیبت و تواضع پر حضرت والا کے الفاظ میں مختصر مضمون حرف بحرف نقل کر دیا ہے لہٰذا غیبت کا بیان تو اخلاق رذیلہ میں اور تواضع کا بیان کو اخلاق حمیدہ میں شامل فرمادیں۔ جزاک اللہ خیرا
اللہ تعالیٰ آپ کی خدمات کو مزید شرف قبولیت سے نوازیں آمین

والسلام
احقر محمد فاروق عفی عنہ

فہرست مضامین

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تعارف

حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی جانب سے بشارتِ منامی

یہ کتاب جو مسائل تصوف کا خلاصہ اور نچوڑ ہے پہلے الوانِ طریقت کے نام سے شائع ہوتی رہی ہے۔ اب مزید توضیح و تفصیل کے ساتھ لکھی گئی ہے۔ جن ایام میں کتاب میں حضرت والا دامت برکاتہم اضافات فرما رہے تھے، مولوی سید غلام محمد صاحب افریقی نے مؤرخہ ۸ رشعبان ۱۳۸۸ھ جمعہ کی شب میں ڈھائی بجے کے قریب یہ خواب دیکھا تھا کہ

حضرت حکیم الامت قدس سرہ خانقاہ میں سہ دری میں اپنی نشست گاہ میں تشریف فرما ہیں، مجلس ہو رہی ہے۔ سفید رنگ کے گدے پر آپ تشریف فرما ہیں اور آپ کا بید سامنے رکھا ہوا ہے، مجلس میں کافی حضرات موجود ہیں حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا کہ مولانا (مسیح اللہ) کی کوئی کتاب آئی ہے، اہلِ مجلس میں سے ایک صاحب نے جو جسم میں ذرا لمبے تھے اور گول ٹوپی پہن رکھی تھی عرض کیا، جی بڑے ابا جی آئی ہے اور انہوں نے سہ دری سے متصل کتب خانہ سے لاکر حضرت والا کی کتاب الوانِ طریقت حضرت حکیم الامت کی خدمت میں پیش کر دی۔ حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے کتاب لے کر پہلے

اسے بوسہ دیا پھر پیشانی سے لگایا اور سر پہ رکھا اور اس کے بعد کتاب کو کھولا تو صفحہ ۲۵ کھلا اور بھی چند مقامات سے آپ نے کتاب کو ملاحظہ فرمایا اور پھر فرمایا کہ مولانا (حضرت مسیح الامت) کہاں ہیں، اس کتاب کا نام تو شریعت وتصوف ہونا چاہیے۔

جس وقت حضرت حکیم الامت نے یہ ارشاد فرمایا، حضرت والا بھی میرے سامنے ہی تشریف فرما تھے۔ حضرت حکیم الامت کے اس ارشاد پر سب نے سکوت کیا۔ مولوی غلام محمد صاحب موصوف کو کتاب کی اشاعت کا بہت اشتیاق اور فکر تھا انہوں نے اپنا یہ خواب حضرت والا دامت برکاتہم کی خدمت میں عرض کیا تو حضرت والا نے یہی نام شریعت وتصوف کتاب کا بدل دیا۔ ضخامت اور تفصیل کے اعتبار سے پہلے کی نسبت اتنے اضافات فرما دیئے ہیں کہ اس کے اعتبار سے بھی اب یہ ایک مستقل کتاب بن گئی ہے۔

غرض نقشیست کز ما یاد ماند
کہ ہستی را نمی بینم بقائے

بندہ رشید احمد میواتی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ مؤلّف

کتاب ہٰذا کے بیشتر مضامین حضرت حکیم الامت، مجدد الملّۃ جامع الشریعت والطریقت مرشدی و مولائی حضرت مولانا تھانوی قدس سرّہٗ کی مختلف کتابوں مثلاً التکشف بوادر النوادر، تعلیم الدین، قصد السبیل، حیات المسلمین، نیز دیگر کتب آداب الشیخ والمرید، تبلیغ دین، شریعت وطریقت وغیرہ سے لئے گئے ہیں۔ یا وہ باتیں لکھی گئی ہیں جو حضرت حکیم الامت کی مجلسوں میں میں نے سُنی ہیں۔

یہ سب کچھ فی الحقیقت حضرت اقدس ہی کا فیض و برکت ہے بقولِ حضرت مولانا سید سلیمان صاحب ندویؒ جن کی تعلیم و تربیت تصنیف و تالیف وعظ و تبلیغ کی بدولت عقائد حقہ کی تبلیغ ہوئی مسائل صحیحہ کی اشاعت ہوئی، دینی تعلیم کا بندوبست ہوا۔ رسوم و بدعات کا قلع قمع ہوا، سننِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا احیاء ہوا۔ غافل چونکے، سوتے جاگے، بھولوں کو یاد آئی، بے تعلقوں کو اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا

ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے سینے گرمائے اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے دل روشن ہوئے اور وہ فن جو جوہر سے خالی ہو چکا تھا پھر سے حضرت شبلیؒ وجنیدؒ وبسطامیؒ وجیلانیؒ سہروردیؒ وسرہندیؒ بزرگوں کے خزانوں سے معمور ہوگیا۔ رَحِمَہُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی رَحْمَۃً وَّاسِعَۃً۔ اور یہ شان تجدید تھی جو اسی صدی میں مجدد وقت کیلئے اللہ تعالیٰ نے مخصوص فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مستفیضین کی جانب سے تا ابد اپنے لازوال ولا متناہی خزانوں سے ان کی روح پر فتوح پر اپنی رحمتوں کی بارش فرماتا رہے اور اپنے مراتب قرب سے ہمیشہ نوازتا رہے۔ آمین ثم آمین۔

احقر محمد مسیح اللہ عفی عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تصوّف

حقیقتِ تصوّف

شریعت کا وہ جز جو اعمالِ باطنی سے متعلق ہے تصوّف وسلوک اور وہ جز جو اعمالِ ظاہری سے متعلق ہے فقہ کہلاتا ہے۔ اس کا موضوع تہذیب اخلاق اور غرض رضائے الٰہی ہے اور اس کے حصول کا ذریعہ شریعت کے حکموں پر پورے طور سے چلنا ہے۔

گویا کہ تصوّف دین کی رُوح و معنیٰ یا کیف و کمال کا نام ہے جس کا کام باطن کو رزائلِ اخلاقِ ذمیمہ شہوت، آفاتِ لسانی غضب، حقد، حسد، حبِ دنیا، حُبِّ جاہ، بخل، حرص، ریا، عجب، غرور سے پاک کرنا اور فضائل یعنی اخلاقِ حمیدہ، توبہ، صبر، شکر، خوف، رجا، زہد، توحید و توکل محبت، شوق، اخلاص، صدق، مراقبہ، محاسبہ و تفکر سے آراستہ کرنا ہے۔ تاکہ توجہ الی اللہ پیدا ہو جائے۔ جو مقصودِ حیات ہے۔ اسلئے تصوّف و طریقت، دین و شریعت کے قطعاً منافی نہیں بلکہ ہر مسلمان کیلئے لازم ہے کہ وہ صوفی بنے کہ اس کے بغیر فی الواقع ہر مسلمان پورا

مسلمان کہلانے کا مستحق ہی نہیں رہتا۔

ضرورتِ تصوف

جب یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی کہ تصوف وطریقت، دین وشریعت کے منافی نہیں ہے بلکہ شریعت ہی کے ایک جز کا نام ہے تو اسی سے تصوف کی ضرورت بھی ثابت ہو گئی۔ چنانچہ حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ حقیقۃ الطریقہ کے شروع میں تحریر فرماتے ہیں۔

"بعد حمد وصلوٰۃ مدعائے ضروری یہ ہے کہ ہر مسلمان پر بعد تصحیح عقائد واصلاحِ ظاہری فرض ہے کہ اپنے اعمالِ باطنی کی اصلاح کرے قرآن مجید میں بے شمار آیات واحادیث میں بے انتہا روایات اس کی فرضیت پر صراحۃً دال ہیں۔ گو اکثر اہلِ ظاہر بسبب پابندی ہوا وہوس اس دلالت سے غافل ہیں، کون نہیں جانتا کہ قرآن وحدیث میں زہد وقناعت وتواضع واخلاص وصبر وشکر وحبِ الٰہی ورضا بالقضا وتوکل وتسلیم وغیر ذالک کی فضیلت اور ان کی تحصیل کی تاکید اور اُن کے اضداد حُبِ دنیا وحرص وتکبر وریا وشہوت وغضب وحسد ونحو ہا کی مذمت اور وعید وارد ومذکور ہے، پھر اُن کے مامور بہ اور ان کے منہی عنہ ہونے میں کیا شبہ رہا۔ اور یہی معنیٰ ہیں۔ اصلاح اعمالِ باطنی کے اور یہی مقصود اصلی ہے طریقت میں، جس کا فرض ہونا بلا اشتباہ ثابت ہے۔"

نیز طریق القلندر میں فرماتے ہیں:

"تصوف کے اصول بحمد قرآن اور حدیث میں سب موجود ہیں اور یہ جو لوگ سمجھتے ہیں کہ تصوف قرآن اور حدیث میں نہیں ہے بالکل غلط ہے یعنی غالی صوفیہ کا بھی یہی خیال ہے اور خشک علماء کا بھی کہ تصوف سے قرآن وحدیث خالی ہیں، مگر دونوں غلط سمجھے۔ خشک علماء تو یہ کہتے ہیں کہ تصوف کوئی چیز نہیں، یہ سب واہیات ہے۔ بس نماز، روزہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے، اسی کو کرنا چاہیے، یہ صوفیوں نے کہاں کا جھگڑا نکالا ہے، تو گویا ان کے نزدیک قرآن وحدیث تصوف سے خالی ہیں۔ اور غالی صوفی یہ کہتے ہیں کہ قرآن وحدیث میں تو ظاہری احکام ہیں، تصوف علم باطن ہے۔ ان کے نزدیک نعوذ باللہ قرآن وحدیث ہی کی ضرورت نہیں غرض دونوں فرقے قرآن وحدیث کو تصوف سے خالی سمجھتے ہیں، پھر اپنے اپنے خیال کے مطابق ایک نے تو تصوف کو چھوڑ دیا اور ایک نے قرآن وحدیث کو"۔

تصوف اور قرآن

جس طرح قرآن میں وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ موجود ہے اسی طرح یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا یعنی اے ایمان والو صبر کرو اور وَاشْکُرُوْا لِلّٰہِ، اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاؤ موجود ہے۔ اگر ایک مقام پر کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ اور لِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ پاؤ گے تو دوسرے مقام پر یُحِبُّہُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ اور وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ بھی دیکھو گے۔

جہاں اِذَا قَامُوْٓا اِلَی الصَّلٰوۃِ قَامُوْا کُسَالٰی ہے۔ اس کے

ساتھ ہی بِبِرّاَعُوذُنِ النَّاسَ بھی موجود ہے۔ اگر ایک مقام میں تارک نماز وتارکِ زکوٰۃ کی مذمت ہے تو دوسرے مقام میں تکبر وعجب کی برائی موجود ہے۔

اسی طرح احادیث کو دیکھو جسطرح ابواب نماز وروزہ بیع وشرا نکاح وطلاق پاؤ گے، ابواب ریا وکبر وغیرہ بھی دیکھو گے، اس بات سے کون مسلمان انکار کر سکتا ہے کہ جسطرح اعمالِ ظاہرہ حکمِ خداوندی ہیں، اسی طرح اعمال باطنہ بھی حکم الٰہی ہیں۔ کیا اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ امر کا صیغہ ہے اور اصبروا واشکروا امر کا صیغہ نہیں کیا۔ کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ سے روزہ کی مشروعیت اور مامور بہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ سے محبت کا امر اور یہ ہونا ثابت نہیں بلکہ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ظاہری اعمال سب ہی باطن کی اصلاح کیلئے ہیں اور باطن کی صفائی مقصود وموجب نجات ہے اور اس کی کدورت موجب ہلاکت ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰھَا یعنی بے شک جس نے نفس کو صاف کیا کامیاب رہا اور جس نے اس کو میلا کیا ناکام رہا۔ یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ یعنی اس دن مال اور اولاد کام نہ آویں گے مگر جو شخص اللہ تعالیٰ کے پاس سلامت قلب لے کر آیا۔

دیکھو پہلی آیت میں تزکیہ باطن کو موجب فلاح اور دوسری میں

سلامتی قلب کے بغیر مال و اولاد سب کو غیر نافع فرمایا ہے۔ ایمان وخلوص جن پر سارے اعمال کی مقبولیت متفرع ہے۔ قلب ہی کا فعل ہے اور ظاہر ہے کہ جتنے اعمال ہیں سب ایمان کی تکمیل کیلئے ہیں، پس معلوم ہوا کہ اصل مقصود دل کی اصلاح ہے جس سے انسان مقبولِ بارگاہ اور صاحب مدارج ومقام ہوتا ہے، اور اسی کا نام اصطلاح وعرف میں تصوف ہے۔

اقوالِ صوفیاء اسی سلسلہ میں حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، "اگر تم کسی کو کرامات والا دیکھو کر ہوا میں اڑتا ہو تو دھوکے میں نہ آجانا، جب تک یہ نہ دیکھو کہ امر ونہی حفظِ حدود اور پابندی شریعت میں کیسا ہے"؟

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے۔

"مخلوق پر سب راہیں بند ہیں، سوا اس کے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم بقدم چلے"

حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"جس کو دیکھو کہ اللہ تعالےٰ کے ساتھ کسی ایسی حالت کا دعویٰ کرتا ہے جو اس کو حدِ شرعی سے باہر کر دیتی ہے تو اس کے پاس بھی نہ پھٹکو"

حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی نے فرمایا"

کہ متابعت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ضروری ہے۔ قولاً و فعلاً و ارادۃً اس لئے کہ محبتِ خدا تعالیٰ بے متابعت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نصیب نہیں ہوتی"

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

"جو آدمی شریعت پر قائم ہوا اور جو کچھ احکام شرع کے ہیں ان کو بجالایا اور سرِمُو تجاوز نہ کیا تو اس کا مرتبہ آگے بڑھتا ہے۔ یعنی تمام ترقیاں اس پر موقوف ہیں کہ شریعت پر ثابت قدم رہے۔"

حضرت حکیم الامت تعلیم الدین میں فرماتے ہیں۔

"جس کو دولتِ وصول میسّر ہوتی ہے۔ علمِ شریعت اور اتباعِ سنت سے ہوتی ہے۔"

شریعت وطریقت کی اصطلاحات الگ الگ بعد میں بضرورت مقرر کی گئیں

اسلام کی تمام تعلیمات کا سرچشمہ کتاب وسنت ہے، جس کی ابتدائی تعلیم مجلسِ نبوی میں دی جاتی تھی

اور چونکہ ابتدائی دَور تھا حلقہ بگوشانِ اسلام اپنے اصلی مرکز میں موجود تھے جن کی تعداد بھی اس وقت اتنی زیادہ نہ تھی جتنی بعد میں ہوگئی اس لیئے نبوی درس گاہ میں تمام علومِ اسلام یعنی علم تفسیر علم حدیث علم فقہ اور علم تصوّف کی تعلیم یکجا دی جاتی تھی، کوئی الگ الگ شعبے قائم نہ تھے۔ البتہ اسی نبوی درس گاہ میں ایک اقامتی شعبہ ایسا بھی موجود تھا جس میں محبانِ خدا وعاشقانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تزکیۂ نفس واصلاحِ باطن کی عملی تعلیم وتربیت کے لیئے ہر وقت موجود رہتے تھے اور وہ اصحابِ صُفّہ کہلاتے تھے۔

بعد ازاں جب اسلام عالمگیر حیثیت اختیار کرگیا تو اس کی تعلیمات

کو علمائے دین نے الگ شعبوں میں منضبط کر دیا، جنہوں نے علم حدیث کی خدمت کی وہ محدث کہلائے اور جنہوں نے علم تفسیر کا کام سنبھالا وہ مفسر کہلائے۔

جو فقہ کا کام کرنے میں منہمک ہو گئے وہ فقیہ بن گئے اور جنہوں نے تزکیہ نفس و اصلاح باطن کا شعبہ سنبھالا وہ مشائخ صوفیا مشہور ہوئے اسی لیئے اکابر سلف میں سے کسی نے شریعت کو طریقت سے الگ نہیں کیا بلکہ ہمیشہ طریقت کو شریعت کے تابع رکھا۔

شریعت، طریقت، حقیقت و معرفت

شریعت احکام تکلیفیہ کے مجموعہ کا نام ہے

اس میں اعمال ظاہری اور باطنی سب آ گئے اور متقدمین کی اصطلاح میں لفظ فقہ کو شریعت کا مرادف (ہم معنیٰ) سمجھا جاتا ہے جیسے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے فقہ کی تعریف۔ معرفۃ النفس مالہا وما علیہا منقول ہے یعنی نفس کے نفع اور نقصان کی چیزوں کو پہچاننا پھر متاخرین کی اصطلاح میں شریعت کے اس جز کا نام جو اعمال ظاہرہ سے متعلق ہے فقہ ہو گیا اور وہ جز جو اعمال باطنہ سے متعلق ہے اس کا نام تصوف ہو گیا، اور ان اعمال باطنی کے طریقوں کو طریقت کہتے ہیں۔ پھر ان اعمال کی درستی سے قلب میں جو جلا اور صفا پیدا ہوتا ہے اس سے قلب پر بعض حقائق کونیہ متعلقہ اعیان و اعراض (حقائق و لوازمات) بالخصوص اعمال حسنہ و سیئہ و حقائق الٰہیہ صفاتیہ و فعلیہ یا بالخصوص معاملات بین اللہ و بین العبد

یعنی جو معاملات اللہ اور اس کے بندے کے درمیان ہیں۔ وہ منکشف ہوتے رہیں، ان مکشوفات کو حقیقت کہتے ہیں اور اس انکشاف کو معرفت کہتے ہیں۔ اور اس صاحب انکشاف کو محقق اور عارف کہتے ہیں۔

پس یہ سب امور متعلق شریعت کے ہی ہیں اور عوام میں جو یہ شائع ہوگیا ہے کہ طریقت اور چیز ہے اور شریعت اور چیز ہے۔ محض غلط اور بے بنیاد ہے۔ جب حقیقتِ سلوک معلوم ہوگئی تو اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اس میں نہ کشف وکرامات ضروری ہیں نہ قیامت میں بخشوانے کی ذمہ داری ہے نہ دنیا میں کاربر آری کا وعدہ ہے کہ تعویذ، گنڈوں سے کام بن جاویں یا مقدمات دُعا سے فتح ہوجائیں یا روزگار میں ترقی ہویا جھاڑ پھونک تعویذات سے بیماری جاتی رہے یا ہونیوالی بات بتلا دی جایا کرے، نہ تصرفات لازم ہیں کہ پیر کی توجہ سے مرید کی ازخود اصلاح ہوجائے۔ اس کو گناہ کا خیال بھی نہ آوے، خود بخود عبادت کے کام ہوتے رہیں۔ مرید کو ارادہ کرنا نہ پڑے یا ذہن وحافظہ بڑھ جائے۔ نہ ایسی باطنی کیفیات پیدا ہونے کی میعاد کو ہر وقت یا عبادت کے وقت لذت سے سرشار رہے، عبادت میں کوئی خطرہ ہی نہ آوے یا یہ کہ خوب رونا آوے ایسی محویت ہوجائے کہ اپنی پرائی خبر نہ رہے اور نہ ذکر وشغل میں انوار وغیرہ کا نظر آنا نہ کسی آواز کا سنائی دینا ضروری ہے، نہ اچھے خوابوں کا نظر آنا، یا الہامات کا ہونا لازمی ہے، بس اصل مقصود حق تعالیٰ کی رضا ہے اسی کو پیشِ نظر رکھے۔

بیعت

بیعت جس کا حاصل معاہدہ ہے، اعمالِ ظاہری و باطنی کے اہتمام اور التزام احکام کا اس کو بیعتِ طریقت کہا جاتا ہے جو از سلف تا خلف بتواتر رائج ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو مخاطب فرما کر علاوہ بیعتِ جہاد و بیعتِ اسلام التزام احکام و اہتمام اعمال کیلئے بیعت فرمایا ہے متعدد احادیث سے ثابت ہے جیسا کہ عوف بن مالکؓ کی یہ حدیث ہے۔

عن عوف ابن مالك الاشجعیؓ قال کنا عند النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تسعۃ او ثمانیۃ او سبعۃ فقال الا تبایعون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فبسطنا ایدینا وقلنا علی ما نبایعك یارسول اللہ قال ان تعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئا وتصلوا صلوات الخمس وتسمعوا وتطیعوا۔

(الحدیث اخرجہ مسلم وابوداؤد ونسائی)

یعنی حضرت عوف ابن مالک اشجعیؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے۔ نو آدمی تھے یا آٹھ یا سات ارشاد فرمایا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت نہیں کرتے؟ ہم نے اپنے ہاتھ پھیلا دیے اور عرض کیا کہ کس امر پر آپ کی بیعت کریں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ نے فرمایا ان امور پر کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو اور پانچوں نمازیں

پڑھو اور احکام سنو اور مانو، اس کو مسلم، ابوداؤد و نسائی نے روایت کیا اس بیعت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کو خطاب کیا جو کہ یہ نہ بیعت اسلامی تھی نہ بیعت جہادی، لہٰذا اس حدیث میں بیعت مروجہ فی المشائخ کا صریح ثبوت ہے، جس طرح فقہ میں چار سلسلہ ہیں، حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، اسی طرح فن تصوف میں بھی چار سلسلہ ہیں۔ چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ، سہروردیہ۔ اور جس طرح اس طرف سلسلہ حنفی غالب ہے، اسی طرح سلسلہ چشتیہ غالب ہے ہمارے یہاں اکابرین چاروں سلسلوں میں بیعت فرماتے ہیں تاکہ ہر سلسلہ کا ادب ملحوظ رہے، مگر غلبہ چشتیت کا ہے۔

اسمائے گرامی حضرات سلاسل اربعہ

سلسلۂ چشتیہ میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رح

سلسلۂ قادریہ میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رح

سلسلۂ نقشبندیہ میں حضرت شیخ بہاؤ الدین نقشبندی رح۔

سلسلۂ سہروردیہ میں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رح

طریق بیعت شیخ مرید کے داہنے ہاتھ کو اپنے داہنے ہاتھ میں لے کر بیعت کرتا ہے اور کثیر مجمع کو بذریعہ رومال وغیرہ بیعت کیا جاتا ہے اور مستورات کو پردہ کے پیچھے کہ وہاں ان کا کوئی محرم بھی ہو رومال وغیرہ سے بیعت کیا جاتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

عن عائشۃ رضی اللہ عنہا ما مست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ید امراۃ قط الا ان یاخذ علیہا فاذا اخذ علیہا فاعطتہ قال اذھبی فقد بایعتک رواہ الشیخان وابوداؤد۔

اس سے معلوم ہوا کہ بدون عورت کا ہاتھ میں ہاتھ لئے آپ معاہدہ فرماتے تھے پھر فرماتے میں نے تم کو بیعت کر لیا ہے۔ اس لئے مشائخ میں عورتوں کو بغیر ہاتھ میں ہاتھ لئے زبانی طور پر یا کسی کپڑے وغیرہ سے بیعت کرنا معمول ہے۔

یہ بیان تو شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت ہونے کا ہے اور جو شخص شیخ کی خدمت میں نہ پہنچ سکے وہ وہیں سے بذریعہ خط و کتابت یا بواسطہ شخص معتبر بیعت ہو سکتا ہے اور اس کو بیعتِ عثمانی کہا جاتا ہے، جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بموقع بیعتِ رضوان بعدم موجودگی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے بائیں ہاتھ پر داہنے دستِ مبارک کو رکھ کر فرمایا کہ میں نے عثمان کو بیعت کر لیا۔

تعلیم بر وقت بیعت اول نماز اور روزوں کی قضا اسطرح کہ ہر نمازِ وقتی کے ساتھ جماعت سے قبل یا

بعد جماعت اس وقتی قضا کے صرف فرض ادا کرنا اور عشاء میں وتر بھی اور فرصت اور ہمت کے ساتھ ایک وقت میں یا ایک دن میں کئی کئی وقت یا کئی کئی دن کی نمازوں کو ادا کرلینا۔

نمبر۲ کسی کا مالی حق اپنے ذمے ہو اس کو ادا کرنا یا معافی مانگنا۔

نمبر۳ آنکھ کان یا زبان کی پوری نگرانی اور حرام اور مشتبہ مال سے پوری احتیاط کرنا۔ وضع قطع، لباس، شکل وصورت سنت کے مطابق رکھنا، شادی، غمی کے موقع پر جملہ رسومات و بدعات وخلافِ شرع باتوں، گانا بجانا، ڈھول، باجا، گیت، نیوتہ اور دکھاوا وغیرہ سے پرہیز کرنا۔ ہر معاملہ میں ناجائز اور محرماتِ طریق سے بچنا اور اس کا پورا خیال رکھنا کسی کو اپنے ہاتھ اور زبان سے مالی قلبی اور جسمانی تکلیف اور رنج نہ پہنچے۔ کسی کی دل شکنی نہ ہو۔ اختلاط سے گریز، بقدرِ ضرورت ملنا، اور کلام سے بھی بدون ضرورتِ شدیدہ پوری احتیاط کرنا۔

نمبر۴ چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے، لیٹے بیٹھے، کلمۂ طیبہ کا ورد رکھنا اس طرح پر کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھتے رہیں۔ دس یا پانچ مرتبہ کہنے کے بعد یا سانس ٹوٹنے پر مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ تعالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمْ ملا لیا کریں۔

نمبر۵ ہر نماز کے بعد اگر آیۃ الکرسی یاد ہو تو اس کو پڑھ کر تسبیح فاطمہ کی ایک تسبیح پڑھا کریں۔ یعنی تینتیس مرتبہ سبحان اللہ تینتیس مرتبہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، چونتیس مرتبہ اَللّٰہُ اَکْبَر پڑھ لیا کریں۔

یا بشرطِ فرصت ظہر، مغرب، عشاء میں آیۃ الکرسی کے بعد تیسرا کلمہ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اَکْبَرُ کی ایک تسبیح پڑھا کریں۔

نمبر۲ بعد نمازِ عشاء سوتے وقت محاسبہ و مراقبہ موت کیا کریں۔

مُحاسبہ

یہ ہے کہ صبح اٹھنے کے وقت سے شب کو سونے کے وقت تک اپنے اعمال کا سوچنا عبادات و طاعات پر شکر اور طلبِ توفیق اور اپنی کوتاہی اور نامناسب باتوں پر ندامت۔

مُراقبۂ موت

نزع کی حالت اور قبر میں سوال و جواب، میدانِ حشر، حساب و کتاب حق تعالیٰ کے سامنے پیشی اور جواب دہ ہونا اور پلصراط پر سے گذرنا ان سب چیزوں کو سوچنا اور عہد کرنا کہ آئندہ کسی معصیت کے پاس نہ جاؤں گا۔ پھر ایک تسبیح استغفار کی پڑھنا، استغفار یہ ہے:

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الْعَظِیْمَ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَ اَتُوْبُ اِلَیْہِ

نمبر۳ اپنے آپ کو سب سے کمتر سمجھنا حتیٰ کہ اپنی آنکھوں سے بھی

کسی کو کیسا ہی بُرے سے بُرا کام کرتے ہوئے دیکھا جائے تب بھی اس کو حقیر نہ جاننا چاہیئے اپنے کو اس سے اچھا نہ سمجھنا بلکہ یہ ڈر رکھنا اور خیال کرنا کہ کیا عجب ہے کہ یہ شخص پختہ توبہ کرکے نہایت درجہ متقی اور پرہیزگار ہو جائے اور میں خدانہ کرے شیطان و نفس کے بہکانے اور اغوا سے پھسل جاؤں اور یہ طاعات اور عبادات قائم نہ رہیں۔ نہ خاتمہ کا علم ہے، اس لیئے کیا منہ ہے کہ اپنے کو کسی سے اچھا جانا جائے اور دوسرے کو حقیر سمجھا جائے۔

تنبیہ

یہ ساتواں جز اپنے کو کم سمجھنا سلوک میں اوّل قدم ہے۔ بدون اس کے راستہ نہیں کھلتا۔

حقیقتِ بیعت بیعت، جو کہ اپنے اندر بیع کے معنٰی لئے ہوئے ہے شیخ کے ہاتھ بک جانا ہے، جیسیں اپنے کو شیخ کے ہاتھ احکامِ ظاہرہ و باطنہ کے التزام کے واسطے گویا بیع کر دیا جس کی حقیقت یہ ہے کہ طالب کو اپنے شیخ پر پورا اعتقاد اور کلی اعتماد ہو کہ یہ میرا خیر خواہ ہے جو مشورہ دے گا وہ میرے لئے نہایت نافع ہوگا اس پر پورا اطمینان ہو۔ اس کی تجویز و تشخیص میں دخل نہ دیوے۔ یوں یقین رکھے کہ دنیا بھر میں میری جستجو اور میری تلاش میں میرے نفع کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی نہیں اس کو اصطلاحِ تصوّف میں وحدتِ مطلب کہا جاتا ہے۔ بدون اس

کے بیعت ہونا نافع نہیں کیوں کہ اصلاحِ نفس کیلئے شیخ سے مناسبت شرط ہے اور مناسبت کی پہچان یہی ہے کہ اس کی تنظیم اور قول و فعل اور حال پر قلب میں اعتراض نہ ہو بالفرض اگر قلب میں اعتراض آوے تو رنجیدہ ہو، گھٹن ہو۔ عوام کیلئے بیعت کی صورت البتہ نافع ہوتی ہے۔ بیعت سے ان کے قلب پر ایک عظمت اور شانِ شیخ کی طاری ہوجاتی ہے، جس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ وہ اس کے قول کو باوقعت سمجھ کر اس پر عمل کرنے کیلئے مجبور ہوجاتا ہے، خواص کیلئے کچھ مدت کے بعد بیعت نافع ہوتی ہے بیعت سے جانبین میں ایک تعلق و خلوص پیدا ہوجاتا ہے۔ شیخ سمجھنے لگتا ہے کہ یہ ہمارا ہے اور مرید سمجھنے لگتا ہے کہ یہ ہمارے ہیں۔ ڈانواں ڈول حالت نہیں رہتی۔

ضرورتِ شیخ عادت اللہ یوں ہی جاری ہے کہ کوئی کمال بدوں استاد کے حاصل نہیں ہوتا تو جب اس راہِ طریقت میں آنے کی توفیق ہو۔ استادِ طریق کو ضرور تلاش کرنا چاہیے جس کے فیض تعلیم و برکتِ صحبت سے مقصودِ حقیقی تک پہنچے۔

گر ہوائے ایں سفر داری دلا ٭ دامنِ رہبر بگیر و پس بیا
بے رفیقے ہر کہ شد در راہِ عشق ٭ عمر بگذشت و نشد آگاہِ عشق

یعنی اے دل اگر اس سفر کی خواہش ہو تو رہبر کا دامن پکڑ کر چلو، اس لیے جو بھی عشق کی راہ میں بغیر رفیق کے چلا اس کی عمر گذر گئی اور وہ عشق سے آگاہ نہ ہوا۔

چنانچہ حضرت حکیم الامت فرماتے ہیں،

بھلا نری کتابوں سے بھی کوئی کامل مکمل ہوا ہے۔ موٹی بات ہے کہ بڑھئی کے پاس بیٹھے بغیر کوئی بڑھئی نہیں بن سکتا۔ حتیٰ کہ بسولہ بھی بطور خود ہاتھ میں لے کر اٹھائے گا تو وہ بھی قاعدہ سے نہ اٹھایا جا سکے گا۔ بلا درزی کے پاس بیٹھے سوئی پکڑنے کا انداز بھی نہیں آتا بلا خوشنویس کے پاس بیٹھے اور بلا قلم کی گرفت اور کشش دیکھے ہرگز کوئی خوشنویس نہیں ہو سکتا، غرض بدوں کسی کامل کی صحبت کے کوئی کامل نہیں بن سکتا اسی کو کہا ہے

صحبتِ صالح ترا صالح کند ☆ صحبتِ طالح ترا طالح کند

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا ☆ گو نشیند در حضورِ اولیاء

یک زمانہ صحبت با اولیاء ☆ بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

صحبتِ نیکاں اگر یک ساعت است ☆ بہتر از صد سالہ زہد و طاعت است

مطلب یہ ہے کہ نیک آدمی کی صحبت تم کو نیک بنا دے گی، اسی طرح بدبخت کی صحبت تم کو بدبخت بنا دے گی۔ جو شخص خدا تعالیٰ کی ہم نشینی کا طالب ہو تو اس کو اولیاء کرام کی صحبت میں بیٹھنا چاہیے۔ اللہ والوں کی تھوڑی دیر کی صحبت سو سالہ بے ریا طاعت سے بہتر ہے نیکوں کی صحبت اگر ایک گھڑی بھی نصیب ہو جائے تو وہ سو سالہ زہد و طاعت سے بہتر ہے۔ نیز صحبتِ نیکاں کے متعلق یہ قطعہ بہت عجیب اور مناسب ہے۔

گلے خوشبوئے در حمام روزے ☆ رسید از دستِ محبوبے بدستم

بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری ☆ کہ از بوئے دل آویز تو مستم

بگفتا من گلِ ناچیز بودم ☆ ولیکن مدتے با گل نشستم

جمال ہمنشیں در من اثر کرد ۔ وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

یعنی حمام میں ایک دن محبوب کے ہاتھ سے ایک خوشبودار مٹی مجھ کو ملی، میں نے اس سے کہا تو مشک ہے یا عنبر ہے کہ تیری دلآویز خوشبو سے میں مست ہوگیا ہوں۔ اس نے جواب دیا کہ میں ناچیز اور معمولی مٹی ہی تھی مگر ایک مدت تک پھول کے ساتھ میری صحبت رہی، میرے ہم صحبت کی خوبی نے مجھ میں اثر کیا ورنہ میں تو وہی خاک ہوں۔ جیسی کہ پہلے تھی۔

ایک خط اور اس کا جواب

خط احقر اس سال دورۂ حدیث میں شریک ہے، ایک عرصے سے خط لکھنے کا خیال کر رہا تھا، لیکن ایک عارض مانع بنا رہا وہ یہ کہ احقر کو آپ کے مصنفات وملفوظات دیکھنے کا بے حد شوق ہے، چنانچہ بچپن سے اب تک برابر دیکھتا رہا، بحمداللہ بہت مستفید ہوا، ان سے ایک خاص بات معلوم ہوئی وہ یہ کہ مامورات شرعیہ سب کے سب اختیاریہ ہیں۔ چونکہ مامورات اختیاریہ ہیں۔ اس لئے جہاں رُکنے کا امر ہے وہ بھی اختیاری ہوئے۔ اس لئے سارے امراض کا علاج یہی ہے کہ اپنے اختیار سے رُکے، اب اپنے متعلق بھی ہمیشہ یہی تعزیہ جاری کرتا رہا۔ اب سوال یہ ہے کہ مشائخ طریقت سے اس قاعدہ کے معلوم ہونے کے بعد کیا سوال اور علاج کرانا چاہیے میری سمجھ میں نہیں آتا۔

بہت عرصہ سے اس امر پر غور کر رہا ہوں، امید کہ جناب والا مطلع فرمادیں گے۔ تاکہ احقر اسی پر عمل کرے۔ آخر اس قاعدہ کلیہ کے علم کے

بعد معالج و مشائخ کی ازالہ مرض میں کیا حاجت باقی رہتی ہے۔ امید کہ اگر کوئی غلطی ہو گئی ہو تو مطلع فرما دیں گے۔

جواب از حکیم الامت نور اللہ مرقدہٗ

ماموراتِ و منہیات سب اختیاری ہیں، لیکن اس میں کچھ غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ کبھی تو یہ کہ حاصل کو غیر حاصل سمجھ لیا جاتا ہے کبھی اس کا عکس مثلاً ایک شخص نے نماز میں خشوع کا قصد کیا اور وُہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے حاصل ہو گیا مگر ساتھ ہی ساتھ وساوس و خطرات کا ہجوم بھی ہوتا رہا یہ شخص اس کو خشوع کا مضاد در خلاف، سمجھ کر خشوع کو غیر حاصل سمجھا یا، ابتدائے عبادت میں وساوس غیر اختیاری تھے، مگر اسی سلسلہ میں وہ وساوس اختیاریہ کی طرف منجر ہو گئے اور یہ ابتدا کے دھوکے میں رہ کر خشوع کو باقی سمجھا حالانکہ وُہ زائل ہو چکا اور کبھی غیر راسخ کو راسخ سمجھ لیا جاتا ہے۔ مثلاً دو چار خفیف حادثوں میں رضا بالقضا کا احساس ہوا یہ سمجھ گیا کہ ملکہ راسخ ہو گیا پھر کوئی بڑا حادثہ واقع ہوا اور اس میں رضا نہیں ہوئی، یا درجہ مقصود تک نہیں ہوئی، مگر یہ اسی دھوکہ میں رہا کہ اس میں رسوخ ہو چکا ہے۔ اب بھی رضا معدوم یا ضعیف نہیں ہے اور حاصل کو غیر حاصل سمجھنے میں یہ خرابی ہوتی ہے کہ شکستہ دل ہو کر اس کا اہتمام چھوڑ دیتا ہے پھر وہ سچ مچ زائل ہو جاتا ہے اور اس کے عکس میں یہ خرابی ہوتی ہے کہ اس کا اہتمام ہی نہیں کرتا اور محروم رہتا ہے اور غیر راسخ کو راسخ سمجھنے میں وہی خرابی عدم اہتمام تکمیل کی ہوتی ہے کبھی یہ غلطی ہوتی ہے کہ حاصل راسخ کو زائل سمجھ لیتا ہے۔ مثلاً شہوت حرام کے

متعاومت کی اور وہ زمانہ غلبہ آثار ذکر کا تھا اس لئے داعیہ شہوت حرام کا ایسا مضمحل ہوگیا کہ اس کی طرف التفات بھی نہیں ہوتا۔ پھر ان آثار کا جوش وخروش کم ہونے سے طبعی التفات گو درجہ ضعیفہ میں سہی ہونے لگا، یہ شخص سمجھ گیا کہ مجاہدہ بے کار گیا اور شہوتِ حرام کا رذیلہ پھر عود کر آیا پھر اصلاح سے مایوس ہوکر پیچ پیچ بطالت وخلاعت میں مبتلا ہوگیا یہ چند مثالیں ہیں غلطیوں کی اور ان کے مفاسد کی اگر کسی شیخ سے تعلق ہو اور اس پر اعتماد ہو تو اس کو اطلاع کرنے سے وہ اپنی بصیرت و تجارب کے سبب حقیقت سمجھ لیتا ہے اور ان اغلاط پر مطلع کرتا ہے اور یہ ان مضرتوں سے محفوظ رہتا ہے اور فرضاً سالک اگر ذکاوت وسلامت فہم کے سبب خود بھی مطلع ہوسکے، مگر ناتجربہ کاری کے سبب مطمئن نہیں ہوتا اور مشوش ہونا مقصود میں مخل ہوتا ہے۔ یہ تو شیخ کا اصلی منصبی فرض ہے اور اس سے زیادہ اس کے ذمہ نہیں، لیکن تبرعاً وہ ایک اور بھی خدمت کرتا ہے وہ یہ کہ مقصود یا مقدمہ مقصود کے تحصیل میں اور اسی طرح کسی ذمیمہ یا مقدمہ ذمیمہ کے ازالہ میں طالب کو مشقت شدید پیش آتی ہے گو تکرارِ مباشرت، اور تکرار مجانبت سے وہ مشقت اخیر میں مبدل بہ یُسر ہو جاتی ہے لیکن شیخ تبرعاً کبھی ایسی تدابیر بتلا دیتا ہے کہ اول امر ہی سے مشقت نہیں رہتی۔

یہ ایک اجمالی تحقیق تقریب فہم کیلئے ہے باقی ضرورتِ شیخ کا مشاہدہ اس وقت ہوتا ہے جب کام شروع کرکے اپنے احوال جزئیہ کی اس کو بالالتزام اطلاع کرتا ہے اور اس کے مشورہ کا اتباع کرتا رہے اور یہ اتباع کامل اس وقت ہوسکتا ہے، جب اس پر اعتماد ہو اور اس کے ساتھ تعلق انقیاد ہو اس وقت

حساً معلوم ہوگا کہ بدون شیخ کے مقصد کا حاصل ہونا عادۃً متعذر ہے، اِلّا نادراً والنادر کالمعدوم پھر اس ضرورت میں تفاوتِ فہم واستعداد کے اعتبار سے تفاوت فہم بھی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ متقدمین کو کم ضرورت تھی۔

شیخ کامل کی پہچان

شیخ وہ ہے جو امراض باطنہ اخلاقِ رذیلہ وحمیدہ سے پوری واقفیت رکھے اور ان میں آپس کے التباس اور اُن کے خواص وتاثرات کو پہچانے اور اُن کے حصول وازالہ کی تدبیر پر مہارت تامہ رکھتا ہو۔ ان اخلاق کے عروج و نزول سے واقف ہو، نیز خواطرِ نفسانی وشیطانی و ملکوتی وربانی سے پوری واقفیت رکھتا ہو کہ ان خطرات کے درمیان تمیز کر سکے۔ اس لیئے شیخ کا صاحب فن اور صاحبِ ذوق اور مجتہد ہونا ضروری ہے۔ اگر طریق کو محض کتب تصوف دیکھ کر یا لوگوں سے سُن کر حاصل کیا ہو اور تربیت کرنے کیلئے بیٹھ گیا تو وہ مرید کیلئے مہلک ہے اس لیئے کہ وہ طالبِ سالک کے حالات واردات وتغیر حالات کو نہیں سمجھتا جس کو ابن عربیؒ نے شیخ کی علامات میں اجمالاً واختصاراً بیان فرمایا ہے کہ شیخ کامل کی پہچان اجمالاً تین چیزیں ہیں۔

(۱) دین انبیاء کا سا (۲) تدبیر اطباء کی سی (۳) سیاست بادشاہوں کی سی۔

جس کی تفصیل یہ ہے (۱) بقدرِ ضرورت دین کا علم ہو خواہ تحصیلِ علم سے یا صحبت علمائے محققین سے (۲) کسی شیخ کامل صحیح السلسلہ سے مجاز ہو (۳) خود متقی پرہیزگار ہو یعنی ارتکاب کبائر سے اور صغائر پر اصرار سے بچتا ہو (۴) کافی مدت تک شیخ کی خدمت میں مستفیض ہوا ہو خواہ بصحبت خواہ بمکاتبت

(۵) اہل علم و فہم اس کو اچھا سمجھتے ہوں اور اس کی طرف رجوع کرتے ہوں (۶) اس کی صحبت سے آخرت کی رغبت محبتِ الٰہی کی زیادت اور محبت دنیا سے نفرت محسوس ہوتی ہو۔ (۷) اس کے مریدین میں سے اکثر کی حالت شریعت کے مطابق ہو (۸) اس میں حرص و طمع نہ ہو (۹) خود بھی ذاکر و شاغل ہو (۱۰) مریدین کو آزاد نہ چھوڑے۔ بلکہ جب کوئی ان کی نامناسب بات دیکھے یا معتبر ذریعے سے معلوم ہو تو روک ٹوک کرے اور ہر ایک کو اس کی استعداد اور حال کے مطابق سیاست کرے، ہر ایک کو ایک لکڑی نہ ہانکے جس میں یہ علامات پائی جائیں وہ شخص اس قابل ہے کہ اس کو شیخ بنائے اور اس کو اکسیرِ اعظم سمجھے اور اس کی زیارت و خدمت کو کبریتِ احمر جانے ان کمالات و علامات کے بعد پھر شیخ کامل میں کشف و کرامات تصرف و خوارق تارکِ کسب ہونے کو ہرگز نہ دیکھے کہ ان کا ہونا شیخ کامل کیلئے ضروری نہیں۔

مناسبتِ شیخ یہ امر تجربے سے ثابت ہو چکا ہے کہ فیوض باطنی کے لیے پیر و مُرید کی باہمی مناسبت فطری شرط ہے کیوں کہ نفع عادتاً الفت پر موقوف ہے جو مناسبتِ فطری کی حقیقت ہے اور یہی مناسبت ہے جس کے نہ ہونے پر مشائخ طالب کو اپنے پاس سے بعض دفعہ دوسرے شیخ کے پاس جس کے ساتھ مناسبت ظن یا کشف سے معلوم ہو بھیج دیتے ہیں کیوں کہ اس طریق میں مصلح کے ساتھ مناسبت ہونا بڑی ضروری چیز ہے بدون مناسبت کے طالب کو نفع نہیں ہو سکتا اور مناسبت شیخ جو افاضہ و استفادہ کا مدار ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ شیخ سے مرید کو اس قدر

انسیت ہو جائے کہ شیخ کے کسی قول و فعل سے مرید کے دل میں طبعی نکیر نہ پیدا
ہو گو عقلی پیدا ہو یعنی شیخ کی سب باتیں مرید کو پسند ہوں اور مرید کی سب باتیں
شیخ کو پسند ہوں اور یہی مناسبت بیعت کی شرط ہے۔ لہٰذا پہلے مناسبت
پیدا کرنے کا اہتمام کرنا چاہیے اس کی سخت ضرورت ہے۔ جب تک یہ نہ ہو
مجاہدات، ریاضت، مراقبات و مکاشفات سب بے کار ہیں، کوئی نفع نہ ہوگا
اگر طبعی مناسبت نہ ہو تو عقلی پیدا کر لی جائے، اس پر نفع موقوف ہے، اس
لئے جب تک پوری مناسبت نہ ہو بیعت نہ کرنی چاہیئے۔

شیخ کامل کی صحبت کے فوائد

(۱) شیخ کے اندر جو چیزیں ہیں وہ شدہ شدہ آپ کے اندر بھی آ جائے
گی (۲) اگر اصلاحِ کامل نہ بھی ہو تو کم از کم اپنے عیوب پر ہی نظر ہونے لگتی ہے یہ بھی
کافی اور مفتاحِ طریق ہے (۳) اخلاق و عادات میں اس کا اتباع کرے گا۔ اذکار و
عبادات میں نشاط اور ہمت کو قوت ہوگی (۴) جو حال عجیب پیش آوے گا، اس کے
بارے میں اس سے تشفی ہو جائے گی (۵) جو افادات زبانی سننے میں آتے ہیں
وہ تحقیقات و مسائل کا خلاصہ ہوتے ہیں، جس سے اپنی حالت بھی وضاحت
کے ساتھ منکشف ہوتی ہے (۶) ان اہلِ صحبت میں جو بابرکت ہوتے ہیں
وہاں ایک نفع صحبت کی برکت اور ان کے طرزِ عمل سے سبق لینا ہوتا ہے۔
(۷) عمل کا شوق بڑھتا ہے (۸) اپنی استعداد معلوم ہو جاتی ہے (۹) اہلِ محبت
کی صحبت سے محبت پیدا ہوتی ہے (۱۰) مشائخ اعمالِ صالحہ کی وجہ سے بابرکت
ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کی تعلیم میں بھی برکت ہوتی ہے جس کی وجہ سے جلد شفا

ہو جاتی ہے، خود کتابیں دیکھ کر علاج کرنا کافی نہیں (۱۱) اہل اللہ کی صحبت کے مؤثر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بار بار اچھی باتیں جب کان میں پڑیں گی تو کہاں تک اثر نہ ہوگا ایک وقت چوکو گے، دو وقت چوکو گے، تیسری دفعہ تو اصلاح ہو ہی جائے گی اور ایک سبب باطنی بھی ہے وہ یہ ہے کہ جب تم ان کے پاس رہو گے اور تعلق بڑھاؤ گے تو اس سے دو طرح اصلاح ہوگی۔ ایک تو یہ کہ وہ دعا کریں گے اور ان کی دعا مقبول ہوتی ہے تو حق تعالیٰ تم پر فضل فرمائیں گے اور اکثر یہ ہے کہ ان کی دعا باذنِ حق ہوتی ہے تو ان کے منہ سے دعا نکلنا اس بات کی علامت سمجھنا چاہیے کہ حق تعالیٰ کے فضل ہونے کا وقت آگیا۔ دوسری وجہ بڑی خفی ہے اور یہ کہ تمہارے اعمال میں ان کی محبت سے برکت ہوگی اور جلد جلد ترقی ہوگی اور جلد اصلاح ہو جائے گی۔

(۱۲) ان حضرات کے دل خدا کے نور سے روشن ہیں۔ ان کے پاس رہنے سے نور آتا ہے اور جب نور آتا ہے تو ظلمت جاتی ہے پس اس نور سے ہر چیز کی حقیقت کھل جاتی ہے اور شبہ جاتا رہتا ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اگر طبیعت میں سلامتی ہو تو بدون پاس رہے ان حضرات کا دیکھ لینا ہی کافی ہو جاتا ہے اور اگر اس درجہ کی سلامتی نہ ہو تو البتہ پھر چند دن کی صحبت کی بھی ضرورت ہے۔

مرشد کے حقوق

(۱) یہ اعتقاد رکھے کہ میرا مطلب اسی شیخ سے حاصل ہوگا اور

دوسری طرف توجہ کرے گا تو مرشد کے فیض و برکات سے محروم رہے گا
(۲) ہر طرح سے مرشد کا مطیع ہو جائے اور جان و مال سے اس کی خدمت
کرے، کیوں کہ بغیر پیر کی محبت کے کچھ بھی فائدہ نہیں ہوتا اور محبت کی پہچان
یہی ہے کہ مُرشد جو کہے فوراً بجالائے اور بغیر اس کی اجازت کے اس کے کسی
بھی فعل کی اقتداء نہ کرے، کیوں کہ بعض اوقات وہ اپنے حال اور مقام کے
مناسب کسی کام کو کرتا ہے کہ مرید اس کو کرے تو اس کے حق میں زہر قاتل ہے
(۳) جو ورد اور وظیفہ مرشد تعلیم کرے اس کو پڑھے اور تمام وظیفے چھوڑ دے،
خواہ اس نے وہ اپنی طبیعت سے پڑھنے شروع کئے ہوں یا کسی نے بتائے ہوں
(۴) مُرشد کی موجودگی میں ہمہ تن اس کی طرف متوجہ رہنا چاہیے، یہاں تک کہ
سوائے فرض و سنت کے کوئی نفل وغیرہ بھی بغیر اس کی اجازت کے نہ پڑھے
(۵) اس کے روبرو کسی سے بات نہ کرے بلکہ کسی کی طرف متوجہ بھی نہ ہو (۶) جس
جگہ مرشد بیٹھا ہو، اس طرف پیر نہ پھیلائے اگرچہ سامنے نہ ہو (۷) اس کی
طرف تھوکے نہیں (۸) جو کچھ مرشد کہے یا کرے اس پر اعتراض نہ کرے، اگر
کوئی بات سمجھ میں نہ آوے تو حضرت موسیٰ اور خضر علیہ السلام کا واقعہ یاد کرے کہ
نہ معلوم کیا مصلحت ہوگی۔ قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید (۹) اپنے مُرشد سے
کرامات کی خواہش نہ کرے (۱۰) اگر کوئی شبہ ہو تو فوراً عرض کر دے اور اگر
وہ شبہ حل نہ ہو تو اپنی فہم کا نقص سمجھے، اور اگر مرشد اس کا کچھ جواب نہ دے
تو جان لے کہ میں اس کے جواب کے لائق نہ تھا اور کسی دوسرے موقع کا منتظر
رہے (۱۱) خواب میں جو کچھ دیکھے، وہ مُرشد سے عرض کر دے اور اگر اس کی

تجیر ذہن میں آدے تو اس کو بھی عرض کر دے (۱۲) بلا ضرورت اور بلا اجازت
مرشد سے علیحدہ نہ ہو (۱۳) مرشد کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کرے اور با آواز بلند
اس سے بات بھی نہ کرے اور اتنی آہستہ بھی نہ ہو کہ سننے میں تکلیف ہو بلکہ
بقدر ضرورت مختصر کلام کرے اور نہایت توجہ سے جواب کا منتظر رہے (۱۴)
مرشد کا کلام دوسروں سے اسقدر بیان کرے جس قدر لوگ سمجھ سکیں اور جس بات
کے متعلق جانے کہ لوگ نہیں سمجھیں گے اسے نہ بیان کرے (۱۵) مرشد کے
کلام کو رد نہ کرے اگرچہ حق بظاہر مرید ہی کی طرف معلوم ہو بلکہ یہ اعتقاد کرے
کہ شیخ کی خطا میرے صواب سے بہتر ہے (۱۶) جو کچھ طالب کا حال ہو، بھلا یا
بُرا وہ مرشد سے عرض کر دے۔ اس لیئے کہ مرشد طبیب روحانی ہے اطلاع کے
بعد اس کی اصلاح کرے گا۔ مرشد کے کشف پر اعتماد کر کے سکوت نہ کرے بلکہ
اپنے حالات کی اطلاع کا التزام رکھے (۱۷) اس کے پاس بیٹھ کر وظیفہ میں مشغول
نہ ہو اگر کچھ پڑھنا ضروری ہو تو علیحدہ بیٹھ کر پڑھے (۱۸) جو کچھ فیض باطنی پہنچے
اس کو مرشد کا طفیل سمجھے اگرچہ خواب یا مراقبہ میں دیکھے کہ کسی دوسرے سے
فیض پہنچا ہے۔ تب بھی یہ سمجھے کہ مرشد کا کوئی لطیفہ اس بزرگ کی صورت میں
ظاہر ہوا ہے۔

مجاھدہ

وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا یعنی جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کو قرب وثواب یعنی جنت کے راستے ضرور دکھائیں گے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

عن فضالۃ الکامل قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المجاھد من جاھد نفسہ فی طاعۃ اللہ۔ (رواہ البیہقی) یعنی فضالہ کامل رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجاہد وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اپنے نفس سے جہاد کرے۔ روایت کیا اس کو بیہقی نے۔ (مشکوٰۃ شریف)

مجاہدہ کی حقیقت مجاہدہ کی حقیقت نفس کی مخالفت کی مشق وعادت ہے کہ حق تعالیٰ کی رضا وطاعت کے مقابلے میں نفس کی جانی ومالی وجاہی خواہشات ومرغوبات کو مغلوب رکھا جائے۔

تشریح منافع نفس دو قسم کے ہیں، ایک حقوق جس سے قوام بدن

اور بقائے حیات ہے۔ دوسرے حظوظ جو اس سے زائد ہیں سو مجاہدہ و ریاضت میں حظوظ کی تقلیل یا ترک کرایا جاتا ہے حقوق کو ضائع نہیں کیا جاتا کہ یہ خلاف سنت ہے، حدیث شریف میں ہے۔ اِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا یعنی بے شک تمہارے نفس کا تم پر حق ہے۔ کیونکہ اس سے ضعف بڑھ جاتا ہے اور صحت میں خلل پڑتا ہے۔ پھر ضروری اشغال و عبادات سے بھی عاجز ہو جاتا ہے۔

مجاہدہ کی ضرورت

اعمال صالحہ میں مشقت ہمیشہ رہتی ہے، کیونکہ اعمال نفس کی خواہش کے خلاف ہیں۔ نفس ان کے بارے میں قلیل یا کثیر منازعت ضرور کرتا ہے اسی لیئے مخالفتِ نفس کی عمر بھر ضرورت ہے۔

مبتدی کو بھی اور منتہی کو بھی دونوں ہی کو کبھی نہ کبھی اعمال میں منازعت کی وجہ سے کسل بھی پیش آتا ہے۔ مبتدی کو زیادہ اور منتہی کو کم اس کسل ہی کو دفع کرنے کیلئے مجاہدہ کی ضرورت ہے نیز کسی وقت دونوں کا نفس اپنے اپنے مرتبہ کے اعتبار سے معاصی کا بھی تقاضا کرتا ہے، اس کے مقابلے کیلئے بھی مجاہدہ کی دونوں کو ضرورت ہے۔

لہذا مبتدی کیلئے تو یہ غلط ہے کہ وہ اپنے نفس کو مشقت سے بچانا چاہے اور مجاہدہ ہی نہ کرے اور اس انتظار میں رہے کہ سارا کام بدون مشقت کے ہو جائے اور منتہی کی غلطی یہ ہے کہ وہ ابتداء میں مجاہدہ کر کے آئندہ کیلئے اپنے آپ کو مجاہدہ سے مستغنی سمجھ لے چونکہ بسا اوقات طبائع لبشریہ پھر عود

کرتے ہیں اور اس وقت منتہی کو معاصی کا تقاضا ہوتا ہے اس طرح اس کا نفس بھی بعض دفعہ طاعات میں کسل کرنے لگتا ہے اس وقت اس کو بھی مجاہدہ کی ضرورت ہوتی ہے مگر مبتدی اور منتہی کے مجاہدہ میں بڑا فرق ہے، جیسے ایک تو وہ سوار ہے جس کے نیچے ایسا گھوڑا ہے جس پر ابھی ابھی سواری شروع کی گئی ہے ایسے سوار کو تو زیادہ ہوشیاری کی بھی ضرورت ہے اور زیادہ مشقت کا بھی سامنا ہے۔ کیوں کہ نیا گھوڑا بہت شرارت کرتا ہے اور قابو سے باہر ہو جاتا ہے، دوسرا وہ شخص ہے جو ایسے گھوڑے پر سوار ہے جو سواری میں شائستہ ہو چکا ہے۔ اس کو زیادہ مشقت کا تو سامنا نہیں مگر ہوشیار بیٹھنے کی اس کو بھی ضرورت ہے کیوں کہ سدھا ہوا گھوڑا بھی بمقتضائے حیوانیت شوخی کرنے لگتا ہے، مگر سوار کی ذراسی دھمکی اس کے دفع کرنے کو کافی ہے لیکن اگر سوار بالکل غافل رہا تو کسی وقت یہ سدھے ہوئے گھوڑے کے اوپر سے بھی ضرور گرے گا۔ پس نفس کی نگہداشت کا مجاہدہ منتہی کو بھی لازم ہے۔

مجاہدہ میں اعتدال

مجاہدہ سے مقصود نفس کو پریشان کرنا نہیں ہے بلکہ نفس کو مشقت کا عادی بنانا اور راحت و تنعم کی عادت نکالنا ہے اور اس کیلئے اتنا مجاہدہ کافی ہے جس سے نفس پر کسی قدر مشقت پڑے بہت زیادہ نفس کو پریشان کرنا اچھا نہیں ورنہ وہ بالکل معطل و بے کار ہو جائے گا خوب سمجھ لو، محنت و مشقت ہمیشہ اور ہر حال میں مستحسن نہیں بلکہ جب اعتدال سے ہو اور اس پر نتیجہ اچھا مرتب ہو، اسی وقت مستحسن ہے پس مجاہدہ میں افراط بھی مذموم ہے لہٰذا اعتدال کی

رعایت لازم ہے ، اسی کو حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

نہ چنداں بخور کز دہانت بر آید

نہ چنداں کہ از ضعف جانت بر آید

یعنی نہ اتنا کھاؤ کہ منہ سے باہر آنے لگے اور نہ اتنا کم کھاؤ کہ جسم میں کمزوری آجائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا۔ یعنی خدا کے بندے وہ ہیں ، جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں بلکہ وہ خرچ اس کے درمیان میں معتدل ہوتا ہے۔

پس مجاہدہ میں بھی اعتدال کی رعایت کرنا چاہیے ، مگر اس اعتدال کو بھی اپنی رائے سے تجویز نہ کریں بلکہ کسی محقق سے درجہ اعتدال اور طریق مجاہدہ معلوم کریں۔

مجاہدے کے اقسام

مجاہدہ کی دو قسمیں ہیں ، ایک مجاہدہ جسمانی کہ نفس کو مشقت کا عادی کیا جائے۔ مثلاً نوافل کی کثرت سے نماز کا عادی کرنا اور روزہ کی کثرت سے طعام کی حرص وغیرہ کو کم کرنا اور ایک مجاہدہ یعنی مخالفتِ نفس ہے کہ جس وقت نفس معصیت کا تقاضا کرے اس وقت اس کے تقاضے کی مخالفت کرنا اصل مقصود یہ دوسرا مجاہدہ ہے اور یہ واجب ہے اور پہلا مجاہدہ اسی کی تحصیل کیلئے کیا جاتا ہے کہ جب نفس مشقت برداشت کرنے کا عادی ہوگا تو اس کو اپنے جذبات

سے ضبط کرنے کی بھی عادت ہوگی، لیکن اگر بدون مجاہدہ جسمانیہ کے کسی کو نفس پر قدرت ہوجائے تو اس کو مجاہدہ نفسانیہ کی ضرورت نہیں مگر ایسے لوگ بہت کم ہیں اسی واسطے صوفیاء نے مجاہدۂ جسمانیہ کا بھی اہتمام کیا ہے اور ان کے نزدیک اس کے چار ارکان ہیں۔

(۱) قلتِ طعام (۲) قلتِ کلام (۳) قلتِ منام (۴) قلتِ اختلاط مع الانام ——— جو شخص ان ارکان کا عادی ہوجائے گا۔ واقعی وہ اپنے نفس پر قابو یافتہ ہوجائے گا کہ معصیت کے تقاضے کو ضبط کرسکے گا اور مجاہدہ نفسانیہ یہ ہے کہ جب نفس گناہ کا تقاضا کرے اس کی مخالفت کیجائے اور یہ بات اس وقت حاصل ہوگی، جب نفس کی جائز خواہشوں کی بھی کسی حد تک مخالفت کیا کریں۔ مثلاً کسی لذیذ چیز کو جی چاہا تو فوراً اس کی خواہش کو پورا نہ کیا جائے بلکہ اس کی درخواست کو رد کردیا جائے اور کبھی کبھی سخت تقاضے کے بعد اس کی جائز خواہش پوری کردی جائے، تاکہ نفس پریشان نہ ہوجائے بلکہ اس کو خوش رکھا جائے اور اس سے کام بھی لیا جائے اس لئے کہ ؎

مزدِ در خوش دل کند کار بیش

پھر جب مباحات میں نفس کی مخالفت کے عادی ہوجاؤ گے، اس وقت معاصی کے تقاضے کی مخالفت پر آسانی سے قادر ہوگے اور جو شخص مباحات میں نفس کو بالکل آزاد رکھتا ہے وہ بعض اوقات تقاضائے معصیت کے وقت اس کو دبا نہیں سکتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ریاضت و مجاہدہ کے دو رکن ہیں، اول مجاہدہ اجمالی یا جسمانی دوسرا مجاہدہ تفصیلی یا نفسانی مجاہدہ اجمالی کے چار اصول ہیں۔ قلتِ کلام قلتِ طعام، قلتِ منام اور قلتِ اختلاط مع الانام۔ ان سب امور میں مرتبۂ اوسط حسب تعلیم شیخ کامل ملحوظ رکھے، نہ اس قدر کثرت کرے جس سے غفلت وقساوت و کاہلی پیدا نہ ہو اس قدر قلت کرے کہ جس سے صحت و قوت زائل ہو جائے۔

دوسرے رکن مجاہدہ تفصیلی کی دو قسم ہیں۔ اوّل اخلاقِ حمیدہ میں دوسری اخلاقِ رذیلہ میں۔ ان دونوں قسموں کی تفصیل آئندہ اخلاق کے باب میں ملاحظہ فرمائیں۔

مجاہدۂ اجمالی کے اقسامِ اربعہ کی تشریح

۱۔ قلتِ کلام

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ

یعنی وہ کچھ بات نہیں بولتا ہے مگر اس کے نزدیک نگہبان تیار ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ صَمَتَ نَجَا (رواہ احمد و الترمذی)

یعنی جو چپ رہا، اس نے نجات پائی۔

عَنْ مَالِكٍ أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ عِيسَى بْنَ مَرْيَمَ قَالَ لَا تُكْثِرُوا الْكَلَامَ

بِغَيْرِ ذِكْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى فَتَقْسُوْا قُلُوْبُكُمْ وَاِنَّ الْقَلْبَ الْقَاسِيَ بَعِيْدٌ مِّنَ اللّٰهِ وَلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ وَلَا تَنْظُرُوْا فِيْ ذُنُوْبِ النَّاسِ كَاَنَّكُمْ اَرْبَابٌ وَانْظُرُوْا فِيْ ذُنُوْبِكُمْ كَاَنَّكُمْ عَبِيْدٌ فَاِنَّمَا النَّاسُ مُبْتَلًى وَّمُعَافًى فَارْحَمُوْا اَهْلَ الْبَلَاءِ وَاحْمَدُوا اللّٰهَ تَعَالٰى عَلَى الْعَافِيَةِ۔ (تیسیر ص۲۲۴)

مطلب یہ ہے کہ امام مالکؒ سے مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ذکر اللہ کے سوا تم بہت کلام نہ کیا کرو کہ اس سے تمہارے دل سخت ہو جائیں گے یعنی ان میں خشوع نہ رہے گا اور یہ بالکل تجربہ کی ہوئی بات ہے اور جس دل میں قساوت ہو وہ اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا ہے، لیکن تم کو اس کی خبر نہیں ہوتی کہ اللہ تعالیٰ سے بُعد ہو گیا کیونکہ حقیقت تو اس کی آخرت میں مشاہد ہوگی اور آثار گو یہاں بھی مشاہد ہیں مگر ان کا ادراک بوجہ بے التفاتی کے نہیں ہوتا اور تم لوگوں کے گناہوں پر اس طرح نظر مت کرو کہ گویا تم مالک ہو اور اپنے گناہوں پر نظر کیا کرو کہ گویا تم مملوک اور غلام ہو یعنی غلاموں کی خطاؤں کو دیکھنا بجا لانا سزا دینے کیلئے یہ مالکوں کا کام ہے اور تم مالک نہیں بلکہ غلام ہو اور غلاموں کا کام اپنی خطاؤں کو دیکھنا ہے تاکہ اس کی تلافی و اصلاح کریں۔ غرض آدمی دو طرح کے ہیں۔ ایک مبتلا دوسرا صاحب عافیت تو تم اہل بلا پر رحم کرو اور عافیت پر اللہ تعالیٰ کی حمد بجا لاؤ، پس گناہ ایک بلا ہے۔ اس پر تحقیر یا طعن مت کرو۔ ترحم کے ساتھ نصیحت یا دعا کرو اور گناہ سے محفوظ رہنا ایک عافیت ہے اس پر عجب اور ناز مت کرو، بلکہ اللہ تعالیٰ کی نعمت بلا استحقاق سمجھ کر شکر کرو اور اس کے عموم میں اور بلیات سے عافیت بھی آگئی۔

تشریح تقلیل کلام کی تشریح یہ ہے کہ انسان جتنے کلام کرتا ہے بظاہر اس کی تین قسمیں ہیں :

اوّل مفید جس میں کوئی دین یا دنیا کا فائدہ ہو۔

دوم مضر، جس میں دین یا دنیا کا کوئی نقصان ہو۔

سوم نہ مفید نہ مضر، جس میں نہ کوئی فائدہ ہو نہ نقصان۔

اس تیسری قسم کو ہی حدیث میں لا یعنی کے لفظ سے تعبیر فرمایا گیا ہے لیکن جب ذرا غور سے کام لیا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ یہ تیسری قسم بھی درحقیقت دوسری قسم یعنی مضر میں داخل ہے، کیوں کہ وہ وقت جو ایسے کام یا کلام میں صرف کیا گیا اگر اس میں ایک دفعہ سُبْحَانَ اللّٰہِ کہہ لیتا تو میزانِ عمل کا آدھا پلہ بھر جاتا، کوئی اور مفید کام کرتا تو گناہوں کا کفارہ اور نجاتِ آخرت کا ذریعہ یا کم از کم دنیا کی ضرورتوں سے بے فکری کا سبب بنتا، حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، انسان کا اسلام درست و صحیح ہونے کی ایک علامت یہ ہے کہ بے فائدہ کاموں اور باتوں کو چھوڑ دے۔ احیاء العلوم میں ہے کہ لا یعنی کلام کا حساب ہوگا اور جس چیز کا حساب و مواخذہ ہو اس سے خلاصی یقینی نہیں۔

یہ تقلیل کلام کا مجاہدہ تقلیلِ طعام و تقلیل منام دونوں مجاہدوں سے زیادہ مشکل ہے، کیوں کہ کھانے میں کچھ تو اہتمام کرنا پڑتا ہے نیز اگر زیادہ بھی کھائے گا، ایک دو دفعہ کھائے گا پھر کہاں تک کھائے گا، جب ہضم نہ ہوگا خود ہی تقلیل ہو جائے گی اسی طرح کہاں تک سوئے گا، کبھی تو جاگے گا، بخلاف بولنے

کے کہ اس میں کچھ اہتمام ہی نہیں کرنا پڑتا نہ زیادہ بولنے سے بدہضمی ہوتی ہے نہ زبان چلانے سے کچھ تعب ہوتا ہے دوسرا راز یہ ہے کہ انسان جس قدر حظوظ اختیار کرتا ہے، لذت کیلئے کرتا ہے سو کلام کے سوا دوسرے جس قدر حظوظ ہیں اس میں کثرت کرنے سے لذت کم ہو جاتی ہے پیٹ بھرنے کے بعد پھر کھانے میں مزا نہیں آتا نیند بھر جانے کے بعد سونے سے جی گھبراتا ہے بلکہ بولنے کی لذت ختم ہی نہیں ہوتی بلکہ جتنا بولتے جاؤ اتنی ہی لذت بڑھتی جاتی ہے، اس لئے تقلیل کلام سب سے زیادہ دشوار ہے مگر باوجود دشواری کے اس میں آزادی اس لئے نہیں دی گئی کہ زیادہ بولنے میں آفات بہت ہیں، اور ان سے گناہوں میں ابتلا بکثرت ہو جاتا ہے اس لئے اس کی تقلیل کو مجاہدہ کا ایک رکن قرار دیا گیا ہے، لیکن تقلیل کلام کا یہ مطلب نہیں کہ ضروری باتوں کو بھی کم کر دے بلکہ مطلب یہ ہے کہ فضول کلام چھوڑ دے گو مباح ہی ہو باقی جو باتیں حرام ہیں جیسے جھوٹ، غیبت، بہتان وغیرہ وہ تو اس سے خود ہی چھوٹ جائیں گے، کیوں کہ وہ تو مجاہدۂ حقیقیہ ہے، جو شخص مجاہدۂ حکمیہ کرے گا وہ مجاہدۂ حقیقیہ کیسے ترک کر سکتا ہے اور ضروری کلام سو اس کا ترک کرنا جائز نہیں، چونکہ اس سے ضرورت میں حرج ہوگا یا مخاطب کو تکلیف ہوگی۔

ضرورت کی تفسیر

ضرورت کی تفسیر یہ ہے۔

لَوْ لَاہُ لَتَضَرَّرَ یعنی بات کے نہ کرنے سے ضرر ہو۔

پس جس بات کے ترک کرنے سے دنیا یا دین کا ضرر ہو وہ بات ضروری

ہے، مثلاً تاجر کے پاس کوئی خریدار گھنٹہ بھر تک چیزوں کی قیمتیں دریافت کرتا رہے اور تاجر کو امید ہے کہ یہ ضرور کچھ خریدے گا تو جب تک یہ امید ہو اس وقت تک خریدار سے باتیں کرنا ضرورت میں داخل ہے کیوں کہ اس صورت میں خریدار سے باتیں نہ کرنے میں دنیا کا نقصان ہے، اس لئے شریعت اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ وہ تجارت کی باتیں کرے اور جو باتیں ضرورت میں داخل ہیں ان سے قلب میں ذرہ برابر ظلمت نہیں ہوتی، چنانچہ حضرات عارفین کا مشاہدہ ہے کہ ضروری گفتگو دن بھر بھی ہوتی رہے تو اس سے قلب پر اثر نہیں ہوتا۔ چنانچہ ایک کنجڑا اگر دن بھر "لے لو امرود" پکارتا پھرے تو اس سے قلب پر ذرہ برابر بھی ظلمت نہ آوے گی، چوں کہ یہ کلام بضرورت ہے اور بے ضرورت ایک جملہ بھی اگر زبان سے نکل جائے تو دل سیاہ ہو جاتا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ شریعت نے تقلیلِ کلام کی وہ صورت تجویز نہیں کی کہ زبان بند کر کے بیٹھ جاؤ بلکہ اس کی یہ صورت تجویز کی کہ تلاوت قرآن مجید میں مشغول رہو یا ذکر کرتے رہو جس سے مجاہدۂ تقلیلِ کلام کا فائدہ بھی حاصل ہو جائے کہ زبان گناہوں سے بچی رہے فضول باتیں کرنے کی عادت کم ہو جائے اور اسی کے ساتھ ثواب بھی بے شمار ملتا رہے جو خاموش رہنے میں کبھی حاصل نہیں ہو سکتا۔

طریقِ علاج بات کرنے سے قبل تھوڑی دیر تامل کریں، اور سوچیں کہ اس بات سے اللہ تعالیٰ جو کہ سمیع و بصیر ہیں ناخوش تو نہ ہوں گے ان شاء اللہ تعالیٰ کوئی بات منہ سے گناہ کی نہ نکلے گی

اور اگر پھر بھی طبیعت میں ایسی بات کرنے کا تقاضا ہو تو اس وقت ہمت سے کام لے۔ اگر کوئی بات ایسی منہ سے نکل جائے تو اس کا تدارک اس طرح کرے کہ فوراً توبہ کرے اور اگر کسی کو گالی دی ہو یا کسی سے تمسخر کیا ہو یا چغل خوری یا غیبت کی ہو تو توبہ کے بعد اس صاحب حق سے بھی معافی مانگے اور اگر کسی وجہ سے معاف کرانا دشوار ہو تو اس شخص کیلئے اور اس کے ساتھ اپنے لیے استغفار کرتے رہیں، اس طرح "اللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَلَہٗ" یعنی اے اللہ ہماری اور اس کی مغفرت فرما حضرت شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے ان دو شعروں میں خاموشی کے فوائد کے مضمون کو کس کمال جامعیت کے ساتھ بیان فرمایا ہے،

بطبعم ہیچ مضمون بہ زلب بستن نمی آید ۔۔ خموشی معنئ دارد کہ در گفتن نمی آید

یعنی میرے ذہن میں خاموشی سے بہتر کوئی مضمون نہیں آتا اور خاموشی اتنے فوائد رکھتی ہے کہ ان کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔

سینہ ہارا خامشی گنجینۂ گوہر کند
یاد دارم از صدف ایں نکتۂ سربستہ را

یعنی خاموشی سینوں کو حکمت کے موتیوں کا خزانہ بنا دیتی ہے اور اس پوشیدہ نکتے کو میں نے سیپی سے سمجھا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جس طرح سیپی پانی کے قطرے کو اپنے اندر لے کر بند ہو جاتی ہے تو وہ پانی کا قطرہ موتی بن جاتا ہے، اسی طرح انسان کا سینہ بھی لب بند کرنے سے حکمت کے موتیوں کا خزانہ بن جاتا ہے۔

۲۔ قلتِ طعام

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ

یعنی خوب کھاؤ اور پیو اور حد سے مت نکلو، بے شک اللہ تعالیٰ حد سے نکل جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

يُجْزِيْهِمْ مَا يُجْزِئُ اَهْلَ السَّمَاۤءِ مِنَ التَّسْبِيْحِ وَالتَّقْدِيْسِ۔

(مشکوٰۃ)

مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو غذا کی جگہ وہ چیز کافی ہوجائے گی جو اہل آسمان کو کافی ہوجاتی ہے یعنی تسبیح و تقدیس بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ انہوں نے خلوت میں مدتوں کھانا نہیں کھایا۔ اس حدیث سے ظاہر ہے کہ بعض اوقات صرف ذکر و تسبیح بھی غذا کا کام دے سکتے ہیں لیکن تقلیلِ غذا کے جو واقعات منقول ہیں آج کل ان پر عمل نہیں ہو سکتا، کیونکہ ان حضرات کو قوت زیادہ تھی کہ غذا کم کرنے سے بھی جمعیت قلب فوت نہیں ہوتی تھی اور ان کی قوت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ان سے بعض اشغال ایسے منقول ہیں جو آج کوئی کرے تو کمر ہی ٹوٹ جائے چنانچہ صلوٰۃ معکوس ہے جس کی حقیقت یہ ہے کہ الٹا لٹک کر شغل کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ شارع علیہ السلام نے تقلیلِ طعام کو تجویز کیا ہی نہیں بلکہ کھانے کے اوقات معتادہ کو بدل کر ان میں فصل زیادہ تجویز کیا ہے اور اس تبدیلِ عادت و زیادتِ فصل سے جو نفس کو تکلیف ہوتی ہے اس کو شریعت نے تقلیلِ طعام کے قائم مقام سمجھا ہے اس میں جتنی صورتیں مجاہدے کی نکل سکتی ہیں۔

روزہ ان سب میں افضل ہے۔ لہٰذا تقلیل طعام کو شریعت نے روزہ کی
صورت میں مقرر فرمایا ہے اس کے علاوہ صورتیں اہلِ مجاہدہ نے جو تقلیل طعام
کی اختیار کی ہیں۔ شریعت میں اس کی مقصودیت کی اصل نہیں، یعنی کم کھانا
اور بھوکا رہنا یہ شرعی مجاہدہ نہیں اور بھوک کی جو فضیلت وارد ہے اس سے
اختیاری بھوک مُراد نہیں بلکہ غیر اختیاری مُراد ہے۔ یعنی یہ اس بھوک کے
فضائل نہیں جو باوجود غلہ گھر ہونے کے اختیار کی جائے، بلکہ کسی شخص پر فاقہ
آپڑے تنگ دستی ہو تو اس کی تسلی کیلئے فضائل بیان کر دیئے گئے ہیں
کہ مسلمان کو فاقہ سے پریشان نہ ہونا چاہیے اس سے اس کو ثواب ملتا ہے
درجات میں ترقی ہوتی ہے۔ یہ فضائل ایسے ہی ہیں جیسا کہ احادیث میں
بیماری کے فضائل ہیں اور اس پر ثواب بیان کیا گیا ہے، یقیناً اس کا مطلب
یہ ہرگز نہیں کہ خود بیمار پڑ جائے اسی وجہ سے چونکہ قلتِ طعام نہ خود بالذات
مقصود ہے اور نہ اتنی قلت طعام کی، آج کے قویٰ کے اعتبار سے ہمارے جتنی کہ متقدمین کو تھی
اسی لئے تبلیغِ دین کے قلتِ طعام کے بیان پر عمل کرنے سے منع کر دیا گیا ہے۔
الغرض قلتِ طعام فی نفسہٖ مقصود نہیں بلکہ ذریعۂ مقصود ہے اور
مقصود کسر قوتِ بہیمیہ ہے اور اس کسر سے بھی مقصود نفس کو گناہوں سے
روکنا ہے، پس اگر یہ گناہوں سے نفس کا رکنا بلا تقلیلِ طعام ہی میسر آجائے
تو تقلیلِ طعام (کھانے کو کم کرنا) ضروری نہیں نیز عبادت میں سرور و نشاط
صحت اور قوت ہی سے ہوتا ہے اور تجربہ ہے کہ آجکل تقلیل غذا سے
اکثر صحت برباد ہو جاتی ہے لہٰذا سالک کو چاہیے کہ نہ اتنی تقلیل کرے کہ

صحت برباد ہو جائے اور نہ اتنی کثرت ہو کہ حد سے زیادہ کھا لے بلکہ اوسط درجے کا لحاظ رکھنا چاہیے اور ہر شخص کا اوسط اس کی خوراک کی مقدار کے اعتبار سے جُدا جُدا ہوتا ہے، اصل طریقہ یہ ہے کہ جب وقت بھوک لگے اس وقت کھانا کھائے اور اتنا کھا کر رک جائے کہ چند لقمے کھانے کو اور جی چاہ رہا ہو۔

۲۔ قلتِ منام

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

قُمِ اللَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۙ

یعنی رات کو کھڑے رہا کرو، مگر تھوڑی سی رات یعنی نصف رات یا اس نصف سے کسی قدر کم کردو۔

مذکورہ بالا آیت میں قیام لیل کا حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ ریاضت کے خوگر ہوں جس سے استعداد نفس اکمل واقویٰ ہو چونکہ رات کا اٹھنا اور جاگنا نفس کے کچلنے میں خوب مؤثر ہے اور دعا ہو یا قرأت ہو، نماز ہو یا ذکر ہو، ظاہراً و باطناً ہر بات خوب ٹھیک سے ادا ہوتی ہے۔ ظاہراً تو اس طرح کہ فرصت کا وقت ہوتا ہے۔ الفاظ خوب اطمینان سے ادا ہوتے ہیں اور باطناً اس طرح کہ خوب جی لگتا ہے اور موافقت دل و زبان کا یہی مطلب ہے۔

اسی لیے رمضان المبارک میں نماز تراویح کا ادا کرنا شرعی حکم ہے جو کہ تقلیل منام کو مستلزم ہے۔ جس طرح صوم کو تقلیل طعام میں دخل ہے اسی طرح تراویح کو تقلیل منام میں دخل ہے اور جس طرح روزہ میں تبدیلِ عادت سے مجاہدہ کی شان آجاتی ہے اسی طرح یہاں بھی شریعت نے محض تبدیلِ عادت سے مجاہدہ کا کام لیا ہے۔ کیونکہ عام عادت یہی ہے کہ اکثر لوگ عشاء کے بعد

فوراً سو جاتے ہیں تو نیند کے وقت میں تراویح کا امر کرکے عادت کو بدل دیا ہے، جس سے نفس پر گرانی ہوتی ہے اور یہی مجاہدہ ہے۔ غرض شریعت نے تقلیل منام میں محض بیداری پر اکتفا نہیں کیا کہ خالی بیٹھے جاگتے رہو بلکہ اعمال کی تلقین فرمائی، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نیک بندوں کی تعریف اس طرح فرماتے ہیں
وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ۔ یعنی وہ پچھلے حصے رات میں استغفار کیا کرتے ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔
تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا (الآیۃ)

مطلب یہ ہے کہ رات کو نماز پڑھتے ہیں، مگر طرزِ کلام سے عموم ظاہر ہے لہٰذا مطلق دعا و ذکر بھی مراد ہو سکتا ہے پھر اس میں دینی فوائد کے علاوہ دنیوی فوائد بھی ہیں۔ چنانچہ نیند کم ہونے سے رطوبتِ فضلیہ کم ہوتی ہے، جو صحت کیلئے معین ہے۔ نیز اس سے چہرے پر نور پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک محدث کا قول ہے۔
مَنْ كَثُرَتْ صَلٰوتُهٗ فِي اللَّيْلِ حَسُنَ وَجْهُهٗ فِي النَّهَارِ
یعنی جو رات کو نماز زیادہ پڑھے گا، دن میں اس کا چہرہ خوبصورت ہو جائے گا۔

اور حد سے زیادہ سونے سے برودت بڑھ جاتی ہے جس سے قوتِ فکریہ کم ہو جاتی ہے اور قوتِ فکریہ کی کمی سے دنیا اور دین دونوں کے کام

خراب ہوتے ہیں۔ جس سے امور انتظامیہ میں خلل پڑتا ہے ایسے شخص کو پابندیٔ اوقات کبھی نہیں نصیب ہوتی۔

اعتدال در قلتِ منام

اس مجاہدہ میں بھی اعتدال مطلوب ہے۔ چنانچہ آجکل چھ سات گھنٹہ ضرور سونا چاہیے اور اگر نیند بہت غالب ہو تو اس کو دفع نہ کیا جائے وظیفہ کو چھوڑ کر سو رہنا چاہیے پھر دوسرے وقت پورا کر لیا جائے اور اگر زیادہ غلبہ نہ ہو تو ہمت کر کے جاگنا چاہیے، غلبہ کی صورت میں اگر نیند کو دفع کیا جائے تو اس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ دماغ میں خشکی پیدا ہو جاتی ہے۔ صفرا میں اشتعال بڑھ جاتا ہے سودا میں ترقی ہو جاتی ہے۔ خیالاتِ فاسدہ آنے لگتے ہیں اور بعض اوقات وہ ان کو الہام سمجھ کر اپنے کو بزرگ جاننے لگتا ہے۔ آخر یہ ہوتا ہے کہ جنون ہو جاتا ہے۔

چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ مِنَ اللَّيْلِ فَاسْتَعْجَمَ الْقُرْآنُ عَلَى لِسَانِهِ فَلَمْ يَدْرِ مَا يَقُولُ فَلْيَضْطَجِعْ

یعنی جب تم میں سے کوئی شخص رات کو اٹھے پھر غلبۂ نوم سے قرآن اس کی زبان سے صاف نہ نکلے اور کچھ خبر نہ ہو کہ کیا زبان سے نکل رہا ہے تو اس کو لیٹ جانا چاہیے جو بعض لوگ تقلیل منام وغیرہ اسبابِ مجاہدہ میں بہت غلو کرتے ہیں کہ نقصان کے لاحق ہونے کی طرف بھی التفات نہیں کرتے اس حدیث میں اس کی اصلاح ہے اور راز اس میں دو ہیں۔ ایک یہ کہ غلو

سے بعض اوقات ضرر جسمانی لاحق ہوجاتا ہے جیسا کہ اُوپر گذرا اور پھر ضروری عبادت بھی نہیں ہوسکتی، دوسرا یہ کہ جب غلبۂ نوم سے الفاظ صحیح نہیں نکلیں گے تو جو ثواب ان الفاظ کے متعلق ہے وہ حاصل نہ ہوگا، پھر تیرے جاگنے سے کیا فائدہ ہے؟

۴ قِلّتِ اِختلاط مع الانام

یعنی لوگوں سے غیر ضروری اختلاط میل جول نہ بڑھانا یاد رکھنا چاہیے کہ ما سوی اللہ سے تین قسم کے تعلقات ہیں۔ ایک تعلق محمود جس کا شریعت نے امر فرمایا ہے وہ تو عین تعلق بحق ہے اس کا قطع کرنا ناجائز ہے دوسرا تعلق مذموم جس کی شریعت میں ممانعت ہے۔ اس کا قطع کرنا واجب ہے تیسرا تعلق مباح، جو نہ طاعت ہے نہ معصیت، اس میں قطع کی ضرورت نہیں البتہ تقلیل کرنا ضروری ہے۔ پس جہاں قطع تعلق کی تعلیم ہے وہاں مراد تعلق محمود نہیں بلکہ مذموم و مباح ہے مگر مذموم بطور ترک کے اور مباح بطور تقلیل کے اور جب تک نسبت مع الخالق راسخ نہ ہو، تعلق مع الخلق بلا ضرورت سراسر مضر ہے اور جو منفعت سوچی جاتی ہے کہ ادائے حق خلق ہے وہ حق خلق بھی جبھی ادا ہوتا ہے کہ نسبت مع الخالق راسخ ہو جائے۔ ورنہ تو نہ تو حق خالق ادا ہوتا ہے اور نہ حق خلق یہ ایک، دو کا نہیں بلکہ ہزاروں اہل بصیرت کا تجربہ ہے اور آپ سے زیادہ اہل تمکین نے ایسے تعلقات کو چھوڑ دیا۔ حضرت ابراہیم بلخی رح

وحضرت شاہ شجاع کرمانی رح کے واقعات معلوم ہیں۔ خلفاء راشدین پر اپنے کو قیاس نہ کیا جائے

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر

قولِ فیصل اس خلوت کے باب میں یہ ہے کہ جس شخص کو کوئی ضروری حاجت دینی یا دنیوی نہ دوسروں سے متعلق ہو اور نہ دوسروں کی کوئی ایسی دینی یا دنیوی حاجت اس شخص سے متعلق ہو۔ اس کے لئے خلوت جائز ہے، بلکہ افضل ہے۔ خصوصاً ایام فتن و شرور میں جب کہ اختلاط کے خلجانات وتشویشات و ایذاؤں پر صبر کرنے کی توقع و ہمت نہ ہو۔ احادیث میں جو ترغیب خلوت کی آئی ہے وہ ایسی ہی حالت میں ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

وَرَجُلٌ مُعْتَزِلٌ فِي شِعْبٍ لَهُ غُنَيْمَةٌ يُؤَدِّي حَقَّهَا وَيَعْبُدُ اللهَ۔

دوسری حدیث میں ہے۔

يُوْشِكُ اَنْ يَكُوْنَ خَيْرُ مَالِ الْمُسْلِمِ غَنَمٌ يَتْبَعُ بِهَا شَعَفَ الْجِبَالِ وَمَوَاقِعَ الْقَطْرِ يَفِرُّ بِدِيْنِهِ مِنَ الْفِتَنِ (اخرجه البخاری)

یعنی ایسا وقت نزدیک آنے والا ہے کہ مسلمان کا بہترین مال بکریاں ہوں گی جن کو لئے لئے پہاڑیوں کی چوٹیوں اور بارش کے جمع ہونے کی جگہوں یعنی ندی نالوں میں جب کہ وہ خشک ہو جائیں۔ اپنے دین کو لیے ہوئے

فتنوں سے بھاگا بھاگا پھرے گا۔ (روایت کیا اس کو بخاری نے)

اور جس شخص کو دوسروں سے یا تو کوئی حاجت ضروری ہو خواہ دنیوی ہو جیسے تحصیلِ نفقۂ عیال جب کہ توکل پر قادر نہ ہو خواہ دینی ہو مثلاً تحصیلِ علومِ ضروریہ اس کے لئے خلوت جائز نہیں اسی طرح اگر اس کے ساتھ خلائق کی حاجات دنیوی یا دینی متعلق ہوں تو بھی خلوت جائز نہیں اور بعض احادیث سے جو نہی خلوت کی مفہوم ہوتی ہے وہ ایسی ہی دونوں حالتوں پر محمول ہے، جیسا کہ حضرت عثمان ابن مظعون کو تبتل سے منع فرمایا گیا کہ اس وقت ان کو بھی تحصیل علوم دین کی حاجت تھی۔ ادھر مسلمانوں کو بھی ان کی طرف دینی حاجت تھی بالخصوص اعلاءِ کلمۃ اللہ و ترقیٔ اسلام میں ان کی بہت بڑی ضرورت تھی۔

یہ تفصیل اس خلوت میں ہے جس کو بطریقِ عادتِ دائمی تجویز و اختیار کرے ایک خلوت چند روزہ ہے جس کی ضرورت اکثر اوقات مبتدی سالک کیلئے واقع ہوتی ہے۔

خلوت کے فائدے

گناہوں سے بھی اجتناب ہوتا ہے۔ بشرطیکہ ایسی عزلت ہو جس میں نگاہ کی بھی حفاظت کرے کان کی بھی حفاظت کرے دل کی بھی حفاظت کرے قصداً کسی غیر کا خیال دل میں نہ لاوے اگر آجائے تو ذکر میں مشغول

ہو گا اس کو دفع کر دے، ایسی عزلت میں واقعی گناہوں سے بہت
حفاظت ہوگی اور ظاہر ہے دفعِ مضرت جلبِ منفعت پر مقدم ہے تو
عزلت اختلاط پر مقدم کیوں نہ ہوگی جب کہ اختلاط میں گو منافع بہت ہیں
مگر ساتھ ہی یہ مضرت بھی ہے کہ اس میں اکثر گناہ ہو جاتے ہیں۔ دوسرے
اختلاط کے ساتھ قلتِ کلام بہت دشوار ہے۔ یہ کام صدیقین اور کاملین کا
ہے ورنہ اکثر اختلاط میں فضول باتیں بہت کرنی پڑتی ہیں۔ جن لوگوں کا
وقت خلوت کے لئے مخصوص نہیں ہوتا۔ رفتہ رفتہ ان کا قلب انوار سے
بالکل خالی ہو جاتا ہے۔

اِختلاط کے فوائد

اور جن حالات میں بعض افراد کے لیے جلوت یعنی اختلاط مفید
ہے۔ ان کیلئے اس کے یہ فوائد ہیں۔

اوّل تعلیم و تعلّم اس پر موقوف ہے۔ عزلت سے تعلیم و تعلّم کا
باب بند ہو جاتا ہے۔ دوم، اختلاط میں خدمتِ خلق کا موقع ملتا ہے۔
سوم، جماعت کی فضیلت اختلاط ہی سے حاصل ہو سکتی ہے جو شخص
عزلت گزیں ہوگا وہ جماعت کا ثواب اور خدمتِ خلق کی فضیلت
سے محروم رہے گا، چہارم اس سے تواضع پیدا ہوتی ہے۔ پنجم، دین کا
فیض ہوتا ہے، بدون اختلاط کے بزرگوں سے فیض حاصل
کرنا دشوار ہے۔

طریقِ کار ہر کام کو اپنے اوقات مقررہ پر کریں دنیا کا کام اپنے وقت میں اور وظائف اپنے وقت میں۔ حتیٰ کہ گاہ گاہ لطیف اور مختصر مزاح بھی اپنے اور دوسرے مسلمانوں کی تفریح و تطییبِ قلب کے لئے اپنے موقع میں کر لینا چاہیے۔ اس طرح سب کام چلتے رہیں گے ورنہ بالکل گوشہ نشین ہونے سے بعض اوقات طبیعت میں شوق اور اُمنگ کا مادہ ضعیف ہو جاتا ہے اور بدون اس کے کام چلنا دشوار ہے۔ خدمتِ خلقُ اللہ سالک کے لئے بہت ہی نافع ہے، مگر ضرورتِ خدمت سے زیادہ اختلاط نہ کریں کہ وہ مضراتِ باطنی سے ہے سالک کے لئے عزلت ضروری ہے، تعلقات بڑھانا نہ چاہیے نہ دوستی نہ دشمنی کہ ذکر اللہ میں خلل انداز ہوگا۔ جب تک خلوت میں دل خدا تعالیٰ کے ساتھ لگا رہے، خلوت میں رہے اور جب خلوت میں انتشار اور ہجوم خطرات ہونے لگے تو مجمع میں بیٹھے مگر نیک مجمع میں بیٹھے۔ اس سے خطرات دفع ہوں گے اور اس وقت یہ جلوت بھی خلوت کے حکم میں ہے۔ یہ چار قسمیں، قلتِ کلام، قلتِ طعام، قلتِ منام، اور قلتِ اختلاط مع الانام مجاہدۂ اجمالی کی ہیں۔ اب آگے اخلاق کے بیان میں مجاہدہ تفصیلی کی قسمیں بیان کی جاتی ہیں۔

اخلاق کا بیان

جاننا چاہیے کہ خَلق اور خُلق جُدا جُدا دو لفظ ہیں۔ خَلق سے مراد صورتِ ظاہری ہے اور خُلق سے مراد صورتِ باطنی، کیونکہ انسان جس

طرح جسم سے ترکیب دیا گیا ہے اور ہاتھ پاؤں اور آنکھ کان وغیرہ اعضاء اس کو مرحمت ہوئے ہیں جن کا قوتِ بصارت یعنی چہرے کی آنکھیں ادراک کر سکتی ہیں، اسی طرح انسان روح اور نفس سے ترکیب دیا گیا ہے اور اس کا ادراک بصیرت یعنی دل کی آنکھ کرتی ہیں۔ یہ ترکیب ان ظاہری آنکھوں سے نظر نہیں آتی، اور ان دونوں ترکیبوں میں حق تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو جدا جدا صورت اور قسم قسم کی شکلوں پر پیدا فرمایا ہے کہ کوئی صورت اور سیرت حسین اور اچھی ہے اور کوئی سیرت اور صورت بُری ہے بھونڈی ہے۔ ظاہری ہیئت اور شکل کو صورت کہتے ہیں اور باطنی شکل اور ہیئت کو سیرت کہتے ہیں۔ سیرت کا مرتبہ صورت سے بڑھا ہوا ہے کیوں کہ اس کو حق تعالیٰ نے اپنی جانب منسوب کیا ہے چنانچہ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوْحِي یعنی آدم علیہ السلام کے پتلے میں میں نے اپنی روح کو پھونک دیا۔ اس آیۂ کریمہ میں روح کو اپنا کہہ کر ذکر فرمایا اور قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجئے کہ روح میرے پروردگار کا امر ہے۔ اس میں اس امر کا اظہار فرمایا ہے کہ روح امرِ ربی ہے اور جسم کی طرح سفلی اور خاکی نہیں ہے کیونکہ جسم کی نسبت مٹی کی جانب فرمائی ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

وَ اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ اس مقام پر روح سے مراد وہ شے ہے جو حق تعالیٰ کے الہام اور القاء سے اپنی اپنی استعداد کے موافق اشیاء کی معرفت اور ادراک حاصل کرتی ہے۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ زیادہ قابلِ لحاظ امرِ ربانی یعنی سیرتِ انسانی

ہے کہ جب تک اس باطنی ترکیب کی شکل اور ہیئت میں حسن موجود نہ ہوگا اس وقت تک انسان کو خوب سیرت نہیں کہا جاسکتا اور چونکہ اس صورت کے اعضاء ہاتھ پاؤں کی طرح سیرت کو بھی اللہ تعالیٰ نے باطنی اعضاء مرحمت فرمائے ہیں جن کا نام قوتِ علم و قوتِ غضب و قوتِ شہوت و قوتِ عدل ہے۔ لہٰذا جب تک یہ چاروں اعضاء سڈول اور متناسب اور حدِ اعتدال پر نہ ہوں گے اس وقت تک سیرت کو حسین نہیں کہا جائے گا۔ ان باطنی اعضاء میں جو بھی کمی بیشی ہوگی اس کی مثال ایسی ہوگی جیسے کسی کی ظاہری شکل وصورت جسمیہ میں افراط وتفریط ہو کر پاؤں مثلاً گز بھر ہوں اور ہاتھ تین گز کے یا ایک ہاتھ مثلاً آدھا گز کا ہو اور دوسرا گز بھر کا اور ظاہر ہے کہ ایسا آدمی خوب صورت نہیں کہا جائے گا پس اسی طرح اگر کسی کی قوت غضبیہ مثلاً حدِ اعتدال سے کم ہے اور قوت شہوانیہ اعتدال سے بڑھی ہوئی ہے تو اس کو خوب سیرت نہیں کہہ سکتے اب ہم چاروں اعضائے مذکورہ کا اعتدال و تناسب اور حسن بیان کرتے ہیں۔

اوّل قوتِ علم اس کا اعتدال یہ ہے کہ انسان اس کے ذریعے سے اقوال کے اندر سچ جھوٹ میں امتیاز اور اعتقادات کے متعلق حق اور باطل میں فرق کر سکے اور اعمال میں حسن و قبح یعنی اچھا اور بُرا پہچان سکے۔ پس جس وقت یہ صلاحیت پیدا ہو جائے گی تو اس وقت حکمت کا وہ ثمرہ پیدا ہوگا جس کو حق تعالیٰ بایں الفاظ ارشاد فرماتے ہیں۔

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۔ یعنی جس کو حکمت

عطا ہوئی اس کو خیر کثیر عطا ہوئی، اور حقیقت میں تمام فضیلتوں کی اصل اور جڑ یہی ہے۔

دوم وسوم قوتِ غضب اور قوتِ شہوت اُن کا اعتدال اور حُسن یہ ہے کہ دونوں قوتیں حکمت وشریعت کے اشارے پر چلنے لگیں اور مہذب اور مطیع شکاری کتے کی طرح شریعت کے فرماں بردار بن جائیں کہ جس طرف بھی شریعت ان کو چلائے بلا عذر و بلا تامل اُس جانب چلنے لگیں اور جس طرف سے روکے فوراً رک جائیں۔ چہارم قوتِ عدل اس کا اعتدال یہ ہے کہ قوتِ غضب اور شہوت دونوں کی باگ اپنے ہاتھ میں لے اور ان کو دین اور عقل کے اشارے کے ماتحت بنائے رکھے، گویا عقل تو حاکم ہے اور یہ قوتِ عدلیہ اس کی پیشکار ہے کہ جدھر حاکم کا اشارہ پاتے ہیں فوراً اسی جانب جھک جاتے ہیں اور اس کے موافق احکام جاری کر دیتے ہیں اور قوت غضبیہ اور شہوانیہ گویا شکاری مردے کے مہذب کتے ہیں یا فرماں بردار گھوڑے کی طرح ہیں کہ ان میں حاکم کا حکم اور ناصح کی نصیحت کا نفاذ اور اجراء ہوتا ہے پس جب وقت یہ حالت قابلِ اطمینان اور لائق تعریف ہو جائے گی اس وقت انسان صاحبِ حُسنِ خُلق اور خوب سیرت کہلائے گا۔

قوتِ غضب اس قوت کے اعتدال کا نام شجاعت ہے اور یہی عند اللہ پسندیدہ ہے کیوں کہ اگر اس میں زیادتی ہوگی تو اس کا نام تہوّر اور بے باکی ہوگا اور اگر کمی ہوگی تو بزدلی و جبنیت کہلائے گی اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں حالتیں ناپسندیدہ ہیں، حالتِ اعتدال یعنی شجاعت

سے لطف و کرم دلیری و جُرأت و بردباری استقلال نرمی و ملاطفت، اور غصہ کے ضبط کا مادہ نیز ہر کام میں دور اندیشی اور وقار پیدا ہوتا ہے اور اگر زیادتی ہوتی ہے تو ناعاقبت اندیشی ڈینگ مارنا، شیخی بگھارنا، غصہ سے بھڑک اٹھنا، تکبر اور خود پسندی ہی پیدا ہوتی ہے اور اگر اس میں کمی ہوتی ہے تو بزدلی اور ذلت، بے عزتی، کم ہمتی، خساست، کمینہ پن اور وہ حرکات ظاہر ہوتی ہیں جو چھچھورپن کہلاتی ہیں۔

قوتِ شہوت قوتِ شہوت کی حالتِ اعتدال کا نام پارسائی ہے پس اگر شہوت اپنے حدِ اعتدال سے بڑھ جائے گی تو حرص و ہوا کہلائے گی۔ حالتِ معتدل یعنی پارسائی اللہ پاک کو پسند ہے اور اس کے جو فضائل پیدا ہوتے ہیں وہ سخاوت، حیا، صبر، قناعت اور اتقاء کہلاتے ہیں، طمع کم ہو جاتی ہے خوف اور خشیت اور دوسروں کی مدد کرنے کا مادہ پیدا ہوتا ہے اور اعتدال سے بڑھنے اور گھٹنے سے حرص و لالچ، خوشامد، چاپلوسی امراء کے ساتھ تذلل اور فقراء کو بنظرِ حقارت دیکھنا بے حیائی، فضول خرچی، ریا، تنگ دلی، نامردانگی اور حسد وغیرہ خصائلِ بد پیدا ہوتے ہیں۔

قوتِ عقل قوتِ عقل میں اگر اعتدال ہوتا ہے تو انسان مُدبّر اور منتظم اور ذکی اور سمجھ دار ہوتا ہے۔ اس کی رائے صائب (درست) ہوتی ہے اور ہر مضمون میں اس کی طبیعت چلتی ہے اور جُودت دکھلاتی ہے اور اگر حدِ اعتدال سے بڑھ جائے تو دھوکہ بازی، فریب دہی اور مکاری کہلاتی ہے اور اگر عقل کی قوت میں کسی قسم کا نقصان اور ضعف ہو

گا تو کند ذہنی اور حماقت اور بے وقوفی کہلائے گی جس کا اثر یہ ہوگا کہ ایسا آدمی جلدی دوسرے کے دھوکے میں آجائے گا، غرض جب وقت یہ ساری قوتیں حدِ اعتدال پر ہوں گی تو اس وقت انسان کو خوب سیرت کہا جائے گا کیونکہ اعتدال سے گھٹنا اور بڑھنا دونوں حالتیں حسن سے خارج ہیں۔

خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَاطُهَا نیز حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہمارے بندے وہ ہیں کہ نہ وہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل بلکہ اس کے بین بین حالت پر رہتے ہیں۔

جس طرح حسنِ ظاہری میں کمی بیشی ہوتی ہے کوئی زیادہ خوبصورت ہے اور کوئی کم اسی طرح حسن باطنی میں بھی لوگ متفاوت ہوتے ہیں پس سب سے زیادہ حسین سیرت تو سرورِ عالم رسول مقبول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ آپ کی شان میں یہ آیت کریمہ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِیْمٍ نازل ہوئی ہے آپ کے بعد جس مسلمان کو آپ کے اخلاق کے ساتھ جتنی مناسبت ہوگی اسی قدر اس کو حسین سیرت کہیں گے، اور ظاہر ہے کہ سیرتِ باطنی میں جس قدر بھی جس کو حسن حاصل ہوگا اسی قدر اس کو سعادتِ اُخروی حاصل ہوگی

اخلاق سب فطری ہیں

اخلاق سب فطری جبلی ہیں اور درجۂ فطرت میں کوئی خلق نہ مذموم ہے نہ محمود بلکہ مواقع استعمال سے ان میں مدح و ذم آجاتی ہے،

مَنْ اَعْطٰی لِلّٰہِ وَ مَنَعَ لِلّٰہِ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ الْاِیْمَانَ ۔ یعنی جس نے اللہ ہی کی رضا کے لئے دیا ، اور اللہ ہی کی رضا کے لئے روکا تو اس کا ایمان مکمل ہوا، اس میں اعطٰی اور منع دونوں کے ساتھ للّٰہ کی قید ہے جس سے معلوم ہوا کہ سخاوت مطلقاً محمود نہیں نہ بخل مطلقاً مذموم ہے بلکہ اگر خدا کے لیئے ہو تو دونوں محمود ہیں، ورنہ دونوں مذموم ہیں۔ اخلاق ذمیمہ جن سے نفس کا تزکیہ کرنا ضروری ہے۔ یوں تو بہت ہیں مگر اصول یہی ہیں جن کا آئندہ ذکر آئے گا، انشاء اللہ تعالیٰ اور ان میں باہم ایسا تعلق ہے کہ ایک کے ساتھ دوسرا اور دوسرے کے ساتھ تیسرا لگا ہوا ہے، اس لیئے جب تک سب ہی سے نجات نہ ملے گی اس وقت تک نفس قابو میں نہ آوے گا۔ اور ایک کی اصلاح کرنا اور دوسرے سے بے پرواہ رہنا اس سے کچھ نفع نہ ہوگا، کیوں کہ جو شخص دس بیماریوں میں گرفتار ہو وہ تندرست اسی وقت کہلایا جاسکتا ہے جب کہ اس کی دسوں بیماریاں جاتی رہیں جسطرح کوئی خوبصورت آدمی حسین اسی وقت کہلا سکتا ہے جب کہ ہاتھ، پاؤں، آنکھ، کان غرض سارے اعضاء مناسب اور خوبصورت ہوں اسی طرح انسان کو حسنِ خلق اسی وقت حاصل ہوگا جب کہ اس کی تمام باطنی حالتیں قابلِ تعریف اور پسندیدہ ہوں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مسلمان وہی ہے جس کا خلق کامل ہو اور مومنین میں افضل وہی ہے جس کا خلق سب سے بہتر ہو پس اسی اصل کا نام دین ہے اور اسی کی تکمیل کے لیئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے تھے۔

اخلاق کی قسمیں

اخلاقِ باطنہ دو قسم پر ہیں ایک متعلق بالقلب دوسرے متعلق بالنفس۔
اخلاقِ باطنہ متعلق بالقلب کا نام اخلاقِ حمیدہ و ملکاتِ فاضلہ ہے ان کو مقامات سے تعبیر کیا جاتا ہے اور وہ یہ ہیں: توحید، اخلاص، توبہ، محبتِ الٰہی، قوتِ زہد، توکل، قناعت، حلم، صبر، شکر، صدق، تفویض، تسلیم، رضا، فنا، فنا الفناء۔
دوسرے متعلق بنفس جن کا نام اخلاق رذیلہ ہے اور وہ یہ ہیں: طمع، طولِ امل، غصہ، دروغ، غیبت، حسد، بخل، ریا، عجب، کبر، حقد، حُبِّ مال، حُبِّ جاہ، حُبِّ دنیا، ان سے نفس کو پاک کرنے کا نام تزکیۂ نفس ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:
قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا۔ یعنی وہ مراد کو پہنچا جس نے اس جان کو پاک کیا۔ انہیں اخلاقِ حمیدہ و اخلاق رذیلہ کو ان شعروں میں جمع کیا گیا ہے۔

خواہی کہ شوی بمنزلِ قربت مقیم

(۱) اگر تو یہ چاہتا ہے کہ مقامِ قربِ خداوندی میں مقیم ہو

دہ چیز بنفسِ خویش فرما تعلیم

تو دس چیزیں اپنے نفس کو تعلیم کر

صبر و شکر و قناعت و علم و یقین

صبر اور شکر اور قناعت اور علم اور یقین۔

تفویض و توکل و رضا و تسلیم

تفویض اور توکل، رضا اور تسلیم

(۲) خواہی کہ شود دل تو چوں آئینہ

اگر تو چاہتا ہے کہ تیرا دل مثل آئینہ کے صاف شفاف ہو جائے۔

دہ چیز بروں کن از درون سینہ

تو دس چیزوں کو اپنے سینے سے نکال دے۔

حرص و امل و غضب دروغ و غیبت

حرص اور طول امل اور غضب جھوٹ اور غیبت

حسد و بخل و ریا و کبر و کینہ

حسد اور بخل اور ریا اور تکبر اور کینہ

اخلاقِ رذیلہ

حرص

ارشادِ باری ہے

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا

یعنی اپنی آنکھیں اس چیز کی طرف مت بڑھاؤ جس سے ہم نے نفع دیا ان کافروں کے مختلف گروہوں کو آرائش زندگانی دنیا کی۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

يَهْرَمُ ابْنُ آدَمَ وَيَشِبُّ مِنْهُ اثْنَانِ الْحِرْصُ عَلَى الْمَالِ وَالْحِرْصُ عَلَى الْعُمُرِ (متفق علیہ)

یعنی آدمی بوڑھا ہوتا رہتا ہے اور اس کی دو چیزیں بڑھتی رہتی ہیں مال پر حرص کرنا اور عمر پر حرص کرنا۔

حقیقتِ حرص | مال وغیرہ کے ساتھ قلب کا مشغول ہونا۔

تشریح حرص تمام بیماریوں کی جڑ ہے۔ یہ ایسا مرض ہے کہ اس کو اُمّ الامراض کہنا چاہیے کیوں کہ اسی کی وجہ سے جھگڑے فساد ہوتے ہیں، اسی کی وجہ سے مقدمہ بازیاں ہوتی ہیں، اگر لوگوں میں حرصِ مال نہ ہو تو کوئی کسی کا حق نہ دبائے۔ بدکاری کا منشار بھی لذت کی حرص ہے۔ اخلاقِ رذیلہ کی جڑ بھی یہی حرص ہے، کیوں کہ عارفین کا قول ہے کہ تمام اخلاقِ رذیلہ کی اصل کبر ہے اور کبر ہوسِ جاہ ہی کا نام ہے پس کبر کا منشا بھی حرص ہوا انسان کا طبعی خاصہ ہے کہ اگر اس کے پاس مال کے دو جنگل بھی ہوں جن میں سونا، یا چاندی پانی کی طرح بہتے ہوں پھر بھی وہ تیسرے کا طالب ہوگا جتنا ہوس کو پورا کروگے اتنا ہی بڑھے گی جیسا کہ خارش والا جتنا کھجلاتا ہے خارش بڑھتی رہتی ہے۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰیؕ یعنی بھلا انسان کی ہر آرزو پوری ہوسکتی ہے یعنی کبھی پوری نہیں ہوسکتی یہی وجہ ہے کہ کبھی حریص کو راحت نہیں مل سکتی اس کی ہوس کے پیٹ کو مٹی کے سوا کوئی چیز نہیں بھر سکتی، کیوں کہ ایک آرزو ختم نہیں ہوتی کہ دوسری شروع ہو جاتی ہے اور جب تقدیر پر راضی ہی نہ ہو تو ہر کام میں یوں دل چاہتا ہے کہ یہ بھی ہو جاوے اور وہ بھی ہو جاوے اور سب اسکیموں کا پورا ہونا دشوار ہے۔ اس لئے نتیجہ اس کا پریشانی ہی پریشانی ہے گو ظاہر میں اولاد اور مال سب کچھ ہو مگر حریص کا دل ہمیشہ پریشان رہتا ہے۔

طریقِ علاج خرچ کو گھٹائے تاکہ زیادہ آمدنی کی فکر نہ ہو، اور آئندہ کی فکر نہ کرے کہ کیا ہوگا اور یہ سوچ کر حریص و طامع ہمیشہ ذلیل رہتا ہے۔

حقیقتِ طمع

خلافِ شریعت امور کو پسند کرنا خواہشِ نفسانی اور حقیقتِ شہوت ہے اس کا اعلیٰ درجہ کفر و شرک ہے وہ تو اسلام ہی سے خارج کر دیتا ہے اور جو ادنیٰ درجہ ہے وہ کمالِ اتباع سے ڈگمگا دیتا ہے۔ ہر طمع و خواہشِ نفسانی میں یہ خاصیت ہے کہ راہِ مستقیم سے ہٹا دیتی ہے۔

ارشادِ باری ہے۔

وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

یعنی اور نفسانی خواہشات کی پیروی مت کرنا اگر ایسا کروگے تو وہ خدا کے رستے سے تم کو بھٹکا دے گی۔

اور ارشادِ نبوی ہے۔

وَالْعَاجِزُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَهٗ هَوَاهَا وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ

یعنی عاجز وہ ہے جو اپنی خواہشات کی اتباع کرے اور پھر خدا سے نیک اجر کی اُمید رکھے۔

علاجِ طمع مجاہدہ کرنا ہے، یعنی مخالفتِ نفس کی عادت ڈالے تاکہ نفس کی جانی و مالی خواہشات و مرغوبات کو رضائے حق تعالیٰ کے مقابلے میں مغلوب رکھا جا سکے اور مجاہدہ نام ہے نفس کے تقاضوں کو روکنا بتکلف ہو یا بلاتکلف۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ۔

یعنی اور غصہ کو ضبط کرنے والے اور لوگوں کی تقصیرات سے درگذر کرنے والے اور اللہ تعالیٰ ایسے نیکوکاروں کو محبوب رکھتا ہے۔

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا تَغْضَبْ (رواہ البخاری) یعنی غصہ مت کر۔

حقیقتِ غصہ خونِ قلب کا بدلہ لینے کے لئے جوش مارنا غصہ ہے

تشریح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بڑا پہلوان اور طاقت ور وہ نہیں ہے جو لوگوں کو پچھاڑے بلکہ قوی اور پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے۔ ایک روایت میں ہے

قوی وہ ہے جو غصہ کا مالک ہو یعنی غصے پر غالب ہو، یہ نہ ہو کہ غصہ کے منشاء کے مطابق فوراً عمل کرے بلکہ اس کو شریعت کی تعلیم کے مطابق استعمال کرے اس لئے کہ غصہ میں جوش پیدا ہونا طبعی امر ہے۔ اس میں ملامت نہیں مگر انسان کو خدا تعالیٰ نے اختیار بھی دیا ہے اس لئے اس کو روکنا چاہیئے۔ اس اختیار کو صرف نہ کرنا انسانیت کے خلاف ہے۔ غصہ کو بھی حق تعالیٰ نے بہت سی مصلحتوں سے انسان کی سرشت میں داخل کیا ہے۔ اس سے بہت سے کام نکلتے ہیں۔ لیکن اختیار کو بھی ساتھ رکھ دیا ہے کہ جس جگہ غصہ کا کام ہو وہاں کام لے اور جو جگہ غصہ کے کام کی نہیں وہاں کام نہ لے۔

غصہ فی نفسہٖ غیر اختیاری ہے، لیکن اس کے اقتضاء پر عمل کرنا اختیاری ہے، اس لئے اس کا ترک بھی اختیاری ہے اور اختیاری کا علاج بجز استعمال اختیار کے کچھ نہیں گو اس میں کچھ تکلف و مشقت بھی ہو اسی استعمال کی تکرار اور مداومت سے وہ اقتضاء ضعیف ہو جاتا ہے اور اس کے ترک میں زیادہ تکلف نہیں ہوتا البتہ اس اختیار کے استعمال میں کبھی قدرے تکلف ہوتا ہے اسی لئے حدیث شریف میں ہے۔ لَا یَقْضِیَنَّ قَاضٍ بَیْنَ اثْنَیْنِ وَهُوَ غَضْبَانَ۔ مطلب یہ ہے کہ حاکم کو چاہیئے کہ غصہ کی حالت میں فیصلہ کبھی نہ کرے بلکہ اس وقت مقدمہ ملتوی کر دے اور تاریخ بڑھا دے، یہاں حاکم سے مراد ہر وہ شخص ہے جس کی دو آدمیوں پر حکومت ہو اس میں معلم استاد اور گھر کا مالک بھی شامل ہے۔ لہٰذا غصہ کی حالت میں بچوں یا دیگر ماتحتوں اور کمزوروں کو کسی جرم پر بھی سزا دینے میں جلدی نہ کریں

بلکہ غصہ فرو کرنے کے بعد سوچ سمجھ کر سزا دی جائے اور یاد رکھیں کہ جس حق کا مطالبہ کرنے والا کوئی نہ ہو اس کا مطالبہ حق تعالیٰ کی طرف سے ہوگا یہاں تک کہ اگر کافر ذمی پر کوئی حاکم ظلم کرے تو حدیث میں آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف سے مطالبہ کریں گے۔ لہٰذا سزا دینے کے وقت احتیاط لازمی ہے اور اگر طبعی طور پر غصہ زیادہ ہو اور ذرا سی بات پر حد سے زیادہ غصہ آجاتا ہو کہ اس وقت عقل نہ رہتی ہو تو جس پر غصہ کیا جاوے بعد غصہ فرو ہو جانے کے مجمع میں اس کے سامنے ہاتھ جوڑیں پاؤں پکڑیں بلکہ اس کے جوتے اپنے سر پر رکھ لیں، ایک دو بار ایسا کرنے سے نفس کو عقل آجائے گی۔ قول یا فعل میں ہرگز تعمیل نہ کریں، بتکلف اس تقاضے کی مخالفت کریں۔ جب کوتاہی ہو جائے استغفار کریں اور اگر کسی شخص کے حق میں زیادتی و حدودِ شرعیہ سے تجاوز ہو گیا ہو تو اس سے معاف کرائیں زبان سے أعوذ باللہ پڑھیں اگر کھڑے ہوں تو بیٹھ جائیں اور اگر بیٹھے ہوں تو لیٹ جائیں اور ٹھنڈے پانی سے وضو کر ڈالیں یا ٹھنڈا پانی پی لیں فوراً کسی کام میں لگ جائیں بالخصوص مطالعۂ کتب میں معروف ہو جائیں۔ اگر اس سے بھی غصہ نہ جائے تو اس شخص سے علیحدہ ہو جائیں یا اس کو علیحدہ کر دیں، جیسا موقع ہو۔

طریقِ علاج یہ یاد کریں کہ اللہ تعالیٰ کو مجھ پر زیادہ قدرت ہے اور میں اس کی نافرمانی بھی کرتا ہوں، اگر وہ بھی مجھ سے یہی معاملہ کریں تو کیا ہو اور یہ سوچیں کہ بدون ارادہ

خداوندی کے کچھ واقع نہیں ہوتا سو میں کیا چیز ہوں کہ مشیتِ الٰہی سے مزاحمت کروں۔

دروغ

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ۔ یعنی اور جھوٹی بات سے کنارہ کش رہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ وَاِيَّاكُمْ وَالْكِذْبَ (متفق علیہ)

یعنی ہمیشہ سچ بولو، جھوٹ مت بولو۔

حقیقتِ دروغ خلاف واقعہ بات کہنا کذب ہے آدمی کے جھوٹے ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ جو بات سنے بیان کر دے، بلا تحقیق بات کو نقل کر دے۔

تشریح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جھوٹ بولنے سے بچو کہ جھوٹ اور فجور ساتھ ساتھ ہیں اور یہ دونوں جہنم میں ہیں اور فرمایا جھوٹی شہادت تین مرتبہ شرک کے برابر ہے۔ نیز دوسری حدیث میں ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص بیٹھا ہوا ہے اور دوسرا کھڑا ہوا ہے اور اس کے ہاتھ میں لوہے کا ایک زنبور ہے اور وہ اس بیٹھے ہوئے شخص کے کلے کو چیرتا ہے یہاں تک کہ گدی تک جا پہنچتا ہے پھر وہ کلا درست ہو جاتا ہے، پھر وہ اس کے ساتھ ایسا ہی

کرتا ہے۔ میں نے اپنے ساتھی حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا تو کہا وہ شخص جھوٹا ہے، اس کے ساتھ قیامت تک یوں ہی کرتے رہیں گے (یعنی قبر میں یہ عذاب ہوتا رہے گا۔)

ایک حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ کسی عورت نے اپنے چھوٹے سے بچے کو بلایا اور کہا کہ آؤ ہم تمہیں ایک چیز دیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے دریافت فرمایا کہ اگر بلانے سے بچہ آگیا تو کیا چیز دے گی؟ عورت نے کہا چھوہارہ دے دوں گی۔ آپ نے فرمایا کہ اگر کچھ دینے کا ارادہ نہ ہوتا صرف بہلانے کے لئے ایسا لفظ نکلتا تو یہ بھی زبان کا جھوٹ شمار ہوتا۔

طریقِ علاج کلام میں احتیاط ہو بدون سوچے کوئی کلام نہ کرے استحضار قبل از وقت ہمت در عین وقت تدارک بعد الوقت نیز اگر کوئی بات کبھی منہ سے خلافِ شریعت نکل جاوے تو فوراً خوب توبہ کرے۔

غیبت

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، ولا یغتب بعضکم بعضا ۵
یعنی تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے الغیبۃ أشد من الزنا۔
یعنی غیبت زنا سے بھی سخت تر ہے۔ کیونکہ غیبت گناہ جاہی ہے یعنی غیبت جاہ سے پیدا ہوتا ہے۔ اس کے بعد ندامت نہیں ہوتی بلکہ فخر کرتا ہے اور زنا پر ندامت ہوتی ہے اس پر کوئی فخر نہیں کرتا۔ اس لیے غیبت زنا سے بدتر ہوئی۔

حقیقت غیبت کسی کی پیٹھ پیچھے اس کی ایسی بات کہنا کہ اگر وہ سُنے تو اُس کو ناگوار ہو۔ اگرچہ وہ بات اُس کے اندر موجود ہی ہو۔ اور اگر وہ بات اُس میں نہیں تو وہ بہتان ہے۔

تشریح جس طرح غیبت کرنا حرام ہے اسی طرح غیبت سننا بھی حرام ہے۔
رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس کے سامنے اُس کے مسلمان بھائی کی غیبت ہوتی ہو اور وہ اُس کی حمایت پر قادر ہو اور اُس کی حمایت کرے تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اُس کی حمایت فرمائیں گے۔ اور اگر اُس کی حمایت پر قادر ہوتے ہوئے حمایت نہ کی تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اُس پر گرفت فرمائیں گے (شرح السنۃ)
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم میں سے ہر شخص اپنے مسلمان بھائی کا آئینہ ہے۔ پس اگر اس میں کوئی گندی بات دیکھے تو اسے اُس سے دُور کر دے۔ (ترمذی) یعنی جس طرح آئینہ چہرے کے داغ دھبے کو صرف عیب والے پر ظاہر کرتا ہے اور کسی پر ظاہر نہیں کرتا اسی طرح اس شخص کو چاہیے کہ اپنے بھائی کی خفیہ طور پر اصلاح کر دے اس کو رسوا نہ کرے۔
زبان اور کان کے گناہوں میں سے غیبت کرنا اور سننا ایسا گناہ کبیرہ ہے کہ شاید ہی کوئی طبقہ اس سے بچا ہوا ہو الا ماشاء اللہ۔ اس سے بچنے کا بہت ہی اہتمام کرنا چاہیے اور اگر غیبت ہو جائے اور جس کی غیبت کی ہے اس کو علم بھی ہو جائے تو اس سے معافی مانگنا ضروری ہے اور اگر اس کو علم نہ ہو تو کثرت سے استغفار کرے اور جس کی غیبت کی ہے اُس کے لیے دعائے مغفرت کرے۔

طریق علاج بات کرنے سے قبل تھوڑی دیر تامل کرے اور سوچے کہ اس بات سے اللہ تعالیٰ جو سمیع بصیر ہے ناخوش تو نہ ہوں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ کوئی بات گناہ کی مُنہ سے نہ نکلے گی۔

حسد

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔
وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ یعنی تم کہو میں حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرے پناہ مانگتا ہوں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا تَحَاسَدُوْا (رواہ البخاری)

یعنی آپس میں حسد نہ کرو۔

حقیقتِ حسد کسی شخص کی اچھی حالت کا ناگوار گذرنا اور یہ آرزو کرنا کہ یہ اچھی حالت اس کی زائل ہو جائے یہ حسد ہے۔

تشریح حسد کے تین درجے ہیں۔ ایک کیفیتِ انسانیہ ہے، جس میں انسان معذور ہے، ایک اس کے مقتضا پر عمل ہے اس میں انسان مَاْزُوْر یعنی گنہگار ہے۔ ایک اُس کے مقتضا کی مخالفت ہے اس میں انسان مَاْجُور ہے یعنی ثواب پانے والا ہے۔ حسد کا باعث عموماً تکبّر وغرور ہوتا ہے یا عداوت وخباثتِ نفس کہ بلا وجہ خدا تعالیٰ کی نعمت میں بخل کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ جس طرح میں کسی کو کچھ نہیں دیتا حق تعالیٰ بھی دوسرے کو کچھ نہ دے۔ البتہ دوسرے کو نعمت میں دیکھ کر حرص کرنا، اور یہ چاہنا کہ اس کے پاس بھی یہ نعمت رہے اور مجھے بھی ایسی ہی نعمت حاصل ہو جائے تو یہ غبطہ اور رشک کہلاتا ہے اور غبطہ شرعاً جائز ہے۔ حسد قلبی مرض ہے اس میں دین کا بھی نقصان ہے اور دنیا کا بھی۔ دین کا نقصان تو یہ ہے کہ اس کے کئے ہوئے نیک اعمال ساقط ہو جاتے ہیں۔ نیکیاں چلی جاتی ہیں اور حق تعالیٰ کے غصہ کا نشان بن جاتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے

ہیں، حسد نیکیوں کو اس طرح جلا دیتا ہے جس طرح آگ سوکھی لکڑیوں کو جلا دیتی ہے اور دنیا کا نقصان یہ ہے کہ حاسد ہمیشہ رنج و غم میں مبتلا رہتا ہے اور اسی غم میں گھلتا رہتا ہے کہ کسی طرح فلاں شخص کو ذلت و افلاس نصیب ہو۔ اس طرح عذاب آخرت بھی اپنے سر رکھا اور اپنی قناعت و آرام کی زندگی کو رخصت کر کے ہر وقت کی خلش اور دینوی کوفت خریدی اسی کو کسی نے کہا ہے : ؎

حاسد کو ایک دم نہیں راحت جہان میں
رنجِ حسد ہے جان سے جب تک کہ جان میں

طریق علاج گو بتکلف سہی اس شخص کی خوب تعریف کیا کرو اور اس کے ساتھ خوب احسان و سلوک و تواضع سے پیش آؤ۔

بُخل

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَمَنْ یَّبْخَلْ فَاِنَّمَا یَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِہٖ یعنی اور جو بخل کرتا ہے وہ اپنے آپ سے بخل کرتا ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

وَالْبَخِیْلُ بَعِیْدٌ مِّنَ اللّٰہِ بَعِیْدٌ مِّنَ الْجَنَّۃِ بَعِیْدٌ مِّنَ

النَّاسِ قَرِيْبٌ مِّنَ النَّارِ ۔ (رواہ الترمذی)

یعنی کنجوس اللہ تعالیٰ سے دُور ہے۔ جنّت سے دُور ہے۔
لوگوں سے دور ہے، دوزخ سے قریب ہے۔

حقیقتِ بخل جس چیز کا خرچ کرنا شرعاً یا مروّتاً ضروری ہو اس میں تنگ دلی کرنا بخل ہے۔

تشریح بخل کے دو درجے ہیں۔ ایک خلاف مقتضٰے شریعت ہے اور یہ معصیت ہے اور دوسرا مقتضائے مروّت کے خلاف ہے اور معصیت نہیں ہے، لیکن خلافِ اولیٰ ہے۔
فضیلت تو یہ ہے کہ یہ بخل بھی نہ ہو، نیز جو ضرورتیں اتفاقیہ طور پر پیش آجائیں ان کو پورا کرنا بھی ضروری ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس مال کے ذریعے سے آدمی اپنی آبرو کو بچائے وہ بھی صدقہ ہے۔ مثلاً کسی مال دار کو اندیشہ ہو کہ یہ شاعر یا ڈوم یا ہیجڑا یا بہروپیہ تیری ہجو کرے گا اور اگر اس کو کچھ میں دے دوں گا تو اس کا منہ بند ہو جائے گا اور باوجود اس علم کے اگر اس کو کچھ نہ دے تو وہ شخص بخیل سمجھا جائے گا۔ کیوں کہ اس نے اپنی آبرو محفوظ رکھنے کی تدبیر نہ کی اور بدگو کو بدگوئی کا موقع دیا۔ بخل بہت بڑا مرض ہے اس لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اپنے آپ کو بخل سے بچاؤ کہ اس نے پہلی اُمتوں کو ہلاک کر دیا۔ پس مسلمان کو شایان نہیں کہ بخل کرے اور جہنم میں جاوے اور چونکہ بخل درحقیقت

مال کی محبت ہے اور مال کی محبت دنیا کی طرف متوجہ کر دیتی ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی محبت کا علاقہ ضعیف اور کمزور ہو جاتا ہے اور بخیل مرتے وقت حسرت بھری نظروں سے اپنا جمع کیا ہوا محبوب مال دیکھتا اور جبراً و قہراً آخرت کا سفر کرتا ہے۔ اس لئے کہ اس کو خالق جل جلالہٗ کی ملاقات محبوب نہیں ہوتی اور حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص مرتے وقت اللہ تعالیٰ کی ملاقات پسند نہ کرے وہ جہنمی ہے۔

طریقِ علاج | مال کی محبت کو دل سے نکالنا بذریعہ کثرتِ یادِ موت ہے۔

ریا

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

یُرَآءُوْنَ النَّاسَ (الآیہ)

یعنی وہ لوگوں کو دکھلاتے ہیں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ یَسِیْرَ الرِّیَآءِ شِرْکٌ (رواہ ابن ماجہ)

یعنی بے شک تھوڑی ریا بھی شرک ہے۔

حقیقتِ ریا | اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں لوگوں کے نزدیک اپنی قدر ہونے کا قصد کرنا۔

تشریح ریا کی اصلیت یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اپنی عبادت اور عمل خیر کے ذریعے سے وقعت اور منزلت کا خواہاں ہو اور یہ عبادت کے مقصود کے بالکل خلاف ہے کیوں کہ عبادت سے مقصود حق تعالیٰ کی رضامندی ہے اور اب چونکہ اس مقصد میں دوسرا شریک ہوگیا کہ رضائے خلق اور حصول منزلت مقصود ہے لہذا اس کا نام شرک اصغر ہے۔ نیز آیت کریمہ

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا
وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا ؕ

میں مفسرین نے وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ کی تفسیر ریا نہ کرنے سے فرمائی ہے۔

چنانچہ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی قدس سرہٗ تفسیر مظہری میں اس آیت کریمہ کے تحت لکھتے ہیں۔ أَيْ لَا يُرَائِيْ بِعَمَلِهِ وَلَا يَطْلُبُ عَلٰى عَمَلِهِ أَجْرًا مِّنْ أَحَدٍ غَيْرِهٖ تَعَالٰى جَزَاءً وَّلَا ثَنَاءً

یعنی اپنے عمل کو دکھلاوے کے لیے نہ کرے اور نہ اپنے عمل پر خدا تعالیٰ کے سوا کسی سے کسی قسم کے بدلے یا تعریف کا طلب گار ہو۔ نیز حدیث شریف میں آیا ہے کہ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ بندوں کو جزا و سزا اور انعامات فرمائے گا تو ریاکاروں کو حکم دے گا کہ انہیں کے پاس جاؤ جن کے دکھلانے کو تم نمازیں پڑھتے تھے اور عبادتیں کیا کرتے تھے، اپنی عبادتوں کا ثواب اور طاعت کا صلہ بھی انہیں سے لو اور دیکھو

کیا دیتے رہیں ؟

دوسری طویل حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن احکم الحاکمین کی عدالت میں نمازی، عالم اور سخی کی پیشی ہوگی اور تینوں اپنے جہاد فی سبیل اللہ تعلیم وتعلم اور شغلِ علم دین اور اپنی خیرات و صدقات کا اظہار کریں گے۔

حکم ہوگا کہ یہ سب اعمال تم نے چونکہ محض دکھلاوے، اور نام آوری کے لیے اسی غرض سے کئے تھے تاکہ لوگ تمہیں کہیں کہ فلاں شخص نمازی ہے۔ فلاں شخص بڑا عالم ہے، فلاں شخص بڑا سخی ہے، سو یہ باتیں حاصل ہولیں کہ دنیا میں تم کو شہرت حاصل ہوئی اور لوگوں نے تم کو نمازی اور عالم اور سخی کہہ کر پکارا پھر جس مقصود کے لئے اعمال کئے تھے جب وہ حاصل ہو چکا تو اب کیا استحقاق رہا اور یہاں کیا چاہتے ہو۔ لہٰذا جاؤ جہنم میں۔

نیز رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس عمل میں ذرہ برابر بھی ریا ہوگا اس کو اللہ تعالیٰ قبول نہ فرمائے گا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو بگوشِ ہوش سنو اور عبرت پکڑو۔

لہٰذا کسی عمل میں نہ اظہار کا قصد کریں نہ اخفاء کا اپنے کام سے کام رکھیں اپنے اختیار سے ہر کام میں رضائے حق کا قصد اور اپنے اختیار سے رضائے خلق کا قصد نہ کریں بلا قصد کے اگر رضائے خلق کا وسوسہ یا خیال آوے تو اس کی مطلق پرواہ نہ کریں اور عمل سے پہلے مراقبہ و محاسبہ کرتے رہیں کہ اس میں میرا کیا قصد ہے آیا رضائے حق ہے یا رضائے خلق ہے اور نیت کو خالص کر کے عمل کیا کریں۔

طریق علاج | حُبِّ جاہ کو دل سے نکالیں، کیوں کہ ریا اسی کا ایک شعبہ

ہے اور عبادت پوشیدہ کیا کریں، یعنی جو عبادت کہ جماعت سے نہیں ہے اور جس عبادت کا اظہار ضروری ہے اس کے اندر ازالۂ ریا کے لئے ازالۂ حُبّ جاہ کافی ہے۔

اور طریق معالجے کا یہ ہے کہ جس عبادت میں ریا ہو اس کو کثرت سے کریں، پھر نہ کوئی التفات کرے گا نہ اس کو یہ خیال رہے گا وہ چند روز میں ریا سے عادت پھر عادت سے عبادت اور اخلاص بن جائے گی

عُجب

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ (الآیۃ) یعنی جب کہ تم کو تمہارا زیادہ ہونا بھلا معلوم ہوا۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

وَاَمَّا الْمُهْلِكَاتُ فَهَوًى مُّتَّبَعٌ وَّشُحٌّ مُّطَاعٌ وَّاِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهٖ وَهِيَ اَشَدُّهُنَّ (رواہ البیہقی)

یعنی رہے مہلکات سو وہ خواہش ہے جس کی پیروی کی جائے اور بخل ہے جس کے موافق عمل کیا جائے اور آدمی کا اپنے آپ کو اچھا سمجھنا اور یہ سب سے بڑھ کر ہے۔

حقیقتِ عُجب: اپنے کمال کو اپنی طرف نسبت کرنا اور اس کا خوف

نہ ہونا کہ شاید سلب ہو جائے ۔ یہ عجب ہے ۔

تشریح عُجب کی حقیقت یہ ہے کہ نفس کا ایک خفی کید ہے کہ وہ یہ چاہتا ہے کہ ممتاز ہو کر رہے اور اس میں اس کو مزا آتا ہے سو یہ عُجب ہے اور عُجب ایسی بُری چیز ہے کہ جس وقت کوئی شخص اپنی نظر میں پسندیدہ ہوتا ہے اس وقت اللہ کی نظر میں ناپسندیدہ ہوتا ہے ۔

البتہ اگر اللہ کی نعمت پر خوش ہو جئے اور اس کے چھن جانے کا خوف بھی دل میں رکھے اور اتنا ہی سمجھے کہ یہ نعمت حق تعالیٰ نے فلاں علم یا عمل کے سبب مجھ کو مرحمت فرما دی ہے اور وہ مالک و مختار ہے جس وقت چاہے اس کو مجھ سے لے لے تو یہ خود پسندی اور عُجب نہیں ہے ۔ کیوں کہ خود پسند شخص نعمت کا منعم حقیقی کی جانب منسوب کرنا ہی بھول جاتا ہے اور جلد نعمتوں کو اپنا حق سمجھنے لگتا ہے ۔

عُجب میں صرف ایک قید کم ہے یعنی اس میں دوسروں کو چھوٹا سمجھنا نہیں صرف اپنے کو بڑا سمجھتا ہے باقی سب اجزا وہی ہیں جو تکبر کے ہیں حدیث شریف میں ہے جو شخص اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے اور اتراتا ہوا چلتا ہے وہ قیامت کے روز خدا تعالیٰ سے ایسی حالت میں ملاقات کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر سخت غضب ناک ہوگا ۔ (مسند احمد)

طریق علاج اس کمال کو عطائے خداوندی سمجھے اور اس کی قدرت کو یاد کرے ڈرے کہ شاید سلب ہو جاوے دوسرا

علاج یہ ہے کہ کمال کا اعلیٰ درجہ پیش نظر رکھ کر غور سے اپنی لغزش اور کوتاہی ظاہری و باطنی دیکھے تاکہ اپنی بزرگی اور کمال کا گمان پیدا نہ ہو

ارشادِ خداوندی ہے۔

اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْتَکْبِرِیْنَ یعنی تحقیق اپنی بڑائی کرنے والوں کو اللہ پسند نہیں کرتا۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ اَحَدٌ فِیْ قَلْبِہٖ مِثْقَالُ حَبَّۃٍ مِّنْ خَرْدَلٍ مِّنْ کِبْرٍ (رواہ مسلم) یعنی جس کے دل میں رائی کے برابر بھی تکبر ہو وہ جنت میں نہیں جائے گا۔

حقیقتِ کبر اپنے آپ کو صفاتِ کمال میں دوسرے سے بڑھ کر سمجھنا۔

تشریح تکبر کے اقسام بہت ہیں اور اکثر ان میں بہت باریک اور مخفی ہیں کہ کسی کی نظر سوائے شیخ کامل کے وہاں تک نہیں پہنچتی اور اس میں علمائے ظاہر کو بھی کسی محقق کی تقلید کرنی پڑتی ہے تکبر کا حاصل یہ ہے کہ کسی کمالِ دینی یا دنیوی میں اپنے آپ کو باختیار

خود دوسرے سے اس طرح افضل سمجھنا کہ اپنے مقابلے میں دوسرے کو حقیر سمجھے تو اس میں دو جز ہوں گے اول اپنے آپ کو بڑا سمجھنا دوم دوسرے کو حقیر سمجھنا یہ تکبر کی حقیقت ہے جو حرام اور معصیت ہے اور ایک تکبر کی صورت ہے کہ اس میں سب اجزاء ہیں۔ بجز ایک جز واختیار کے یعنی بلا اختیار ان اجزاء کا خیال آ گیا۔ یہاں تک تو معصیت نہیں لیکن اگر اس کے بعد اس خیال کو باختیار خود اچھا سمجھا یا باوجود اچھا نہ سمجھنے کے باختیار خود اس کو باقی رکھا تو یہ حقیقت کبر کی ہو جائے گی اور معصیت ہو گی اور یہ جو قید لگائی ہے کہ دوسرے کو حقیر سمجھے یہ اس لئے ہے کہ اگر وہ واقعی کوئی بڑائی چھوٹائی کا اس طرح معتقد ہو کہ دوسرے کو ذلیل نہ سمجھے تو وہ تکبر نہیں ہے جیسا کہ ایک بیس برس کی عمر والا دو برس کے بچے کو سمجھے کہ یہ عمر میں مجھ سے چھوٹا ہے مگر اس کو حقیر نہیں سمجھتا تو یہ کبر نہیں۔ الغرض جو شخص باختیار خود اپنے آپ کو دوسروں سے اچھا سمجھتا ہے اس کا نفس پھول جاتا ہے اور پھر اس کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ مثلاً دوسروں کو نظرِ حقارت سے دیکھنا یا اگر کوئی سلام کرنے میں پیش قدمی نہ کرے تو اس پر غصہ ہونا کوئی اگر تعظیم نہ کرے تو ناراض ہونا کوئی اگر نصیحت کرے، تو ناک بھوں چڑھانا حق بات کے معلوم ہونے کے بعد بھی اس کو نہ ماننا اور عوام الناس کو ایسی نظر سے دیکھنا جس طرح گدھوں کو دیکھتے ہیں۔

تکبر سے اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے یہ بہت بڑا مرض ہے۔ اور تمام امراض کی جڑ ہے۔ تکبر ہی سے کفر پیدا ہوتا ہے۔ تکبر ہی سے

شیطان گمراہ ہوا۔ اس لئے حدیث میں اس پر سخت وعیدیں آئی ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تکبر کرنے والے کا بہت بُرا ٹھکانہ ہے۔ کبریائی میری چادر ہے پس جو شخص اس میں شریک ہونا چاہے گا میں اس کو قتل کر دوں گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے قلب میں رائی کے دانے کے برابر تکبر ہوگا وہ جنت میں نہ جائے گا اور فرمایا کبر سے بچو، کبر ہی وہ گناہ ہے جس نے سب سے پہلے شیطان کو تباہ کیا اور فرمایا دوزخ میں اس قسم کے آتشین صندوق ہیں جن میں متکبروں کو بند کر دیا جائے گا۔

علاج کبر اللہ تعالیٰ کی عظمت کو یاد کرے تاکہ اپنے کمالات ہیچ نظر آویں، اور جس شخص سے اپنے کو بہتر سمجھتا ہے اس کے ساتھ تواضع اور تعظیم سے پیش آوے تاکہ اس کا عادی ہو جاوے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ

یعنی اختیار کرو معاف کر دینے کو اور حکم کرو اچھی بات کا اور منہ موڑ لو جاہلوں سے۔

اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
لَا تَبَاغَضُوا یعنی آپس میں بغض نہ رکھو۔

حقیقتِ کینہ جب غصہ میں بدلہ لینے کی قوت نہیں ہوتی تو اس کے ضبط کرنے سے اس شخص کی طرف سے دل پر ایک قسم کی گرانی کا ہو جانا۔

تشریح کینہ صرف ایک عیب نہیں بلکہ بہت سے گناہوں کا بیج ہے۔ جب غصہ نہیں نکلتا تو اس کا خمار دل میں بھرا رہتا ہے اور بات بڑھتی اور رنجیدگیاں پیدا ہوتی چلی جاتی ہیں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیئے کہ کینہ یہ ہے کہ اپنے اختیار اور قصد سے کسی کی برائی اور بدخواہی دل میں رکھی جائے اور اس کو ایذا پہنچانے کی تدبیر بھی کرے۔ اگر کسی سے رنج کی کوئی بات پیش آوے اور طبیعت اس سے ملنے کو نہ چاہے تو یہ کینہ نہیں بلکہ انقباضِ طبعی ہے جو گناہ نہیں۔

کینہ کے متعلق حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کینہ پرور بخشا نہیں جاتا، اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے پیر اور جمعرات کو جب بندوں کے نامہ اعمال اللہ کے سامنے پیش ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہر استغفار کرنے والے کی مغفرت کر دیتا ہے، لیکن اہلِ کینہ کی مغفرت نہیں ہوتی۔

نیز فرمایا کہ ان دو آدمیوں کی بخشش نہیں ہوتی جن کے درمیان

عداوت وکینہ ہو۔ یہاں پر عداوت سے مراد وہ عداوت ہے جس کا مبنیٰ ناحق امور ہوں۔ اسی لیئے اگر کسی مسلمان کو کسی سے دین کے متعلق خدا تعالیٰ کے واسطے دشمنی ہو تو یہ عداوت مستحسن، اور قابلِ اجر ہے جیساکہ حدیث شریف میں اَلْحُبُّ لِلّٰهِ وَالْبُغْضُ لِلّٰهِ کا امر ہے۔

طریقِ علاج جس شخص سے کینہ ہو اس شخص کا قصور معاف کر دینا اور اس سے میل جول شروع کر دینا گو تبکلف ہی ہو۔

حُبِّ جاہ

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝

یعنی وہ جو دارالآخرت ہے ہم اس کو انہیں لوگوں کے لئے کریں گے، جو زمین میں اپنی بڑائی نہیں چاہتے اور نہ اودھم مچانا اور انجام کار متقیوں ہی کے لئے ہے۔

اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

مَا ذِئْبَانِ جَائِعَانِ اُرْسِلَا فِيْ غَنَمٍ بِاَفْسَدَ لَهَا مِنْ حِرْصِ الْمَرْءِ عَلَى الْمَالِ وَالشَّرَفِ لِدِيْنِهٖ۔ (رواہ الترمذی)

یعنی دو بھوکے بھیڑیئے بکریوں کے گلہ میں چھوڑ دیئے جائیں تو وہ اس گلہ کو اتنا تباہ نہیں کرتے جتنا آدمی کی حرص مال پر اور جاہ پر اس کے دین کو تباہ کر دیتی ہے۔

حقیقتِ حُبِّ جاہ لوگوں کے دلوں کے مسخر ہونے کی خواہش کرنا تاکہ اس کی تعظیم اور اطاعت کریں

تشریح حُبِّ جاہ ایسا مرض ہے کہ اس کا پتہ چلنا مشکل ہے جب کوئی واقعہ پیش آوے اور گرانی ہو تب پتہ چلتا ہے کہ میرے اندر حُبِّ جاہ کا مرض ہے۔

یہ محض وہمی اور چھن جانے والا کمال ہے اور چھن جانے والا بھی ایسا کہ جو دوسرے کے خیال کے ساتھ قائم ہے۔ کیونکہ جاہ دوسروں کی نظر میں معزز ہونے کا نام ہے جس کا مدار دوسرے کے خیال پر ہے وہ جب چاہے اپنا خیال بدل دے پس ساری جاہ خاک میں مل جاتی ہے مگر اس کے باوجود طالبِ جاہ خوش ہے کہ اہلِ لوگ مجھے اچھا کہتے ہیں۔

واضح رہے کہ جاہِ مذموم وہ ہے جو طلب اور خواہش سے حاصل ہو اور یہ وہ بلا ہے جو دین و دنیا دونوں کو مضر ہے۔ دینی ضرر تو یہ ہے کہ جب آدمی دیکھتا ہے کہ دنیا مجھ پر فدا ہے تو اس میں عُجب و کبر پیدا ہو جاتا ہے۔ آخرکار اس عُجب و کبر کی وجہ سے برباد ہو جاتا ہے۔ بہت سے لوگ اس میں آکر ہلاک ہو گئے۔ یہ تو دین کا ضرر ہوا۔

اور دنیا کا ضرر یہ ہے کہ مشہور آدمی کے حاسد بہت پیدا ہو جاتے

رہیں، پس صاحبِ جاہ کا دین بھی خطرہ میں رہتا ہے اور دنیوی خطروں کا بھی اندیشہ لگا رہتا ہے۔

ہاں جب حق تعالیٰ کی طرف سے بدون طلب کے جاہ حاصل ہو وہ نعمت ہے، کیونکہ مال کی طرح انسان جاہ کا بھی بقدرِ ضرورت محتاج ہے تاکہ اس کی وجہ سے مخلوق کے ظلم و تعدی سے محفوظ اور بے خوف ہو کر باطمینانِ قلب عبادت میں مشغول رہ سکے، لہٰذا اتنی طلبِ جاہ میں مضائقہ نہیں

طریقِ علاج یوں سوچے کہ نہ تعظیم و اطاعت کرنے والے رہیں گے اور نہ میں رہوں گا پھر ایسی موہوم اور فانی چیز پر خوش ہونا نادانی ہے۔

حبِّ دُنیا

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ

یعنی اور نہیں ہے زندگانی دنیا مگر دھوکے کی پونجی۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ (رواہ مسلم)

یعنی دُنیا مومن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت ہے۔

حقیقتِ دُنیا جس چیز میں فی الحال حظِ نفس ہو اور آخرت میں اس کا

کوئی نیک ثمرہ مرتب نہ ہو وہ دنیا ہے۔

تشریح ہر چند ہمارے اندر مختلف امراض پائے جاتے ہیں لیکن حسب فرمان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اصل تمام امراض کی صرف ایک ہی چیز حُبّ دنیا ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حُبُّ الدُّنْیَا رَأْسُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ یعنی دنیا کی محبت تمام خرابیوں کی جڑ ہے اور جڑ یعنی اصل مرض ہی بقیہ امراض کا سبب ہوا کرتی ہے اور اصل کے علاج کرنے سے جملہ امراض خود ہی دفع ہو جائیں گے جس میں حُبّ دنیا ہوگی اس کو آخرت کا اہتمام ہی نہ ہوگا اور جب آخرت کا اہتمام ہی نہ ہوگا تو وہ شخص نہ تو اعمالِ حسنہ کو انجام دے گا اور نہ برائیوں سے بچے گا اور اس کے برعکس جب آخرت کی فکر ہوتی ہے تو جرائم صادر نہیں ہوتے، کیوں کہ حُبّ دنیا میں فکرِ دین کم ہوتی ہے۔ جس درجہ کی حُبّ دنیا ہوگی اُسی درجہ فکرِ دین کم ہوگی، اگر کامل درجہ کی حُبّ دنیا ہوگی تو کامل درجہ کی دین سے بے فکری ہوگی۔ جیسی کہ کفار میں ہے اور مسلمانوں میں جس درجہ کی حُبّ دنیا ہوگی اسی درجہ کی دین سے بے فکری ہوگی۔ مگر یہ بات اچھی طرح سے سمجھ لینی چاہیے کہ حقیقت میں دنیا مال و دولت زن و فرزند کا نام نہیں بلکہ دنیا کسی ذی اختیار کے ایسے مذموم فعل یا حالت کا نام ہے جو اللہ سے غافل کرادے خواہ کچھ بھی ہو، اسی کو کہا ہے ؎

چیست دنیا از خدا غافل بدن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

یعنی دنیا کیا ہے خدا تعالیٰ سے غافل ہو جانا نہ کہ مال و اسباب

اور چاندی اور اولاد اور بیوی

خلاصہ یہ ہے کہ طلب دنیا یعنی دنیا کمانا تو بری نہیں لیکن

حُبِّ دنیا بری ہے۔ مال مثل پانی کے ہے اور قلب مثل کشتی کے

ہے اسی کو کہا ہے ے

آب در کشتی ہلاکِ کشتی است
آب اندر زیرِ کشتی پشتی است

یعنی پانی کشتی کا معین بھی ہے اور اس کو ڈبونے والا بھی ہے اس طرح

کہ کشتی سے باہر اور نیچے رہے تو معین اور مددگار ہوتا ہے اور اگر کہیں پانی کشتی

کے اندر آجائے تو کشتی کو ڈبو دیتا ہے۔ اسی طرح مال سے کہ اگر قلب

سے باہر صرف ہاتھ میں ہے تو معین ہے اور اگر قلب کے اندر اس کی

محبت ہے تو مہلک ہے جیسا کہ کہا ہے ے

مال را کز بہرِ دیں باشد حمول
نعم مالٌ صالحٌ گفتش رسول

حدیث شریف میں ہے نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ یعنی نیک

آدمی کے لئے مال حلال بہت ہی اچھا ہے چونکہ مومن صالح اس مال میں

سے اقارب کو دے گا۔ ضروریاتِ دین میں چندہ دے گا، لوگوں کی مدد

کرے گا اور اگر دل میں مال کی محبت ہے تو اوروں کے حقوق دبا

دے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سامنے جب فارس کا خزانہ آیا تو

آپ نے یہ آیت کریمہ پڑھی ۔ زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّھَوَاتِ اور فرمایا اے اللہ اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے اندر اس کی رغبت تو پیدا کی گئی ہے تو اس کا تو ازالہ نہیں چاہتے ۔ مگر یہ دعا ہے کہ مال تیری محبت میں معین ہو جائے اور وہ دنیا نے مذموم جو آخرت سے غافل کرے اس کی مثال سانپ کی سی ہے جس کا ظاہر تو اچھا ہے اور نقش و نگار سے آراستہ ہے مگر اندر زہر بھرا ہوا ہے اسی کو کہا ہے ؎

زہر ایں مار منقش قاتل است
باشد از وے دور ہر کو عاقل است

یعنی زہر اس نقش و نگار سے مزین سانپ قاتل ہے لہٰذا جو بھی عاقل ہے وہ اس سے دور رہے گا ۔

اگر بچے کے سامنے سانپ چھوڑ دیں تو وہ اس کی ظاہری خوبصورتی کو دیکھ کر اس پر فریفتہ ہو جاتا ہے اور اس کو پکڑ لیتا ہے ، چونکہ اس کو یہ خبر نہیں کہ اس کے اندر زہر بھرا ہوا ہے اور اس کا انجام کیا ہو گا ؟ ہماری حالت بھی اس بچے کی سی ہے کہ ہم دنیا کی ظاہری آب و تاب نقش و نگار اور رنگ و روپ پر فریفتہ ہیں اور اندر کی خبر نہیں اور یہ بھی تجربہ ہے کہ سانپ جس قدر خوبصورت ہوتا ہے اسی قدر زہریلا ہوتا ہے ۔ اسی لیے حقیقت شناس اس کی طرف رغبت نہیں کرتے دنیا کی حقیقت معلوم نہ ہونے سے لوگ اس پر فریفتہ ہو رہے ہیں اگر اس کی حقیقت معلوم ہو جائے تو سخت نفرت ہو جائے ۔ چنانچہ حدیث

شریف میں ہے۔

لَوْ کَانَتِ الدُّنْیَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللّٰہِ جَنَاحَ بَعُوْضَۃٍ مَّا سَقٰی کَافِرًا مِّنْھَا شَرْبَۃَ مَآءٍ۔

یعنی اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی قدر مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو اللہ تعالیٰ کافر کو ایک گھونٹ پانی کا بھی نہ دیتے چونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی قدر کچھ بھی نہیں ہے اس لیے مبغوض شے اپنے دشمنوں کو دیتے ہیں اور حقیقت شناس آدمی ہمیشہ ایسی چیز سے گھبراتا ہے جو خدا تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ہو۔

نیز جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو ایک مثال میں بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

وَمَا لِیْ وَلِلدُّنْیَا اِنَّمَا مَثَلِیْ مَثَلُ رَاکِبٍ اِسْتَظَلَّ بِشَجَرَۃٍ

یعنی مجھ کو دنیا سے کیا علاقہ ہے میری مثال تو ایسی ہے جیسے کوئی سوار راستے میں جا رہا ہو ——————————— اور کسی درخت کے سائے میں سستانے کیلئے ٹھہر جائے اور سستا کر اپنی راہ لے

طریق علاج موت کو کثرت سے یاد کرتے رہنا اور لذتوں کے لئے منصوبے اور سامان نہ کرنا اور نہ سوچنا۔

یہی وہ مقامات ہیں جو منتہائے سلوک ہیں اُن سے نقد حال مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا۔ یعنی مرنے سے پہلے اپنے اندر مرنے والوں کے اوصاف پیدا کرو کے معنیٰ حاصل ہو جاتے ہیں۔

اَخلاقِ حمیدہ

توحید

یہاں توحید سے مراد توحیدِ افعالی ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ: یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا کیا اور تمہارے عملوں کو پیدا کیا۔

نیز ارشاد ہے:

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ: یعنی اور تم نہیں چاہتے ہو کسی چیز کو مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَاعْلَمْ اَنَّ الْاُمَّۃَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلٰٓی اَنْ یَّنْفَعُوْکَ لَمْ یَنْفَعُوْکَ اِلَّا بِشَیْءٍ قَدْ کَتَبَ اللّٰہُ لَکَ وَلَوِ اجْتَمَعُوْا عَلٰٓی اَنْ یَّضُرُّوْکَ لَمْ یَضُرُّوْکَ اِلَّا بِشَیْءٍ قَدْ کَتَبَ اللّٰہُ عَلَیْکَ۔ (رواہ احمد والترمذی)

یعنی جان تو کہ اگر سب متفق ہوجائیں اس پر کہ تم کو کچھ نفع پہنچا دیں، ہرگز نہیں پہنچا سکتے۔ مگر اس چیز کا جو اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے، اور اگر سب متفق ہوجائیں کہ تم کو ضرر پہنچائیں ہرگز ضرر نہ پہنچا سکیں گے مگر اس چیز کا جو اللہ تعالیٰ نے لکھ دی ہے۔

ماہیتِ توحید یہ یقین کر لینا کہ بدون ارادۂ خداوندی کے کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔

طریقِ تحصیل مخلوق کے عجز اور خالق کی قدرت کو یاد کرنا اور سوچنا۔

اخلاص

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ حُنَفَآءَ

یعنی اور ان کو حکم نہیں ہوا مگر اس بات کا کہ عبادت کریں اللہ تعالےٰ کی خالص کرنے والے ہوں اس کے واسطے دین اور ہر طرف سے منہ پھیرے ہوئے ہوں۔

اور رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَاَمْوَالِکُمْ وَلٰکِنْ یَنْظُرُ اِلٰی نِیَّاتِکُمْ وَاَعْمَالِکُمْ :

یعنی حق تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مالوں کی طرف نظر نہیں فرماتے ہیں، لیکن تمہاری نیتوں اور اعمال پر نظر فرماتے ہیں۔

ماہیتِ اخلاص اپنی طاعت میں صرف اللہ کے تقرب اور رضا کا قصد رکھنا اور مخلوق کی خوشنودی، اور رضا مندی یا اپنی کسی نفسانی و مالی و جاہی خواہش کے قصد کو نہ ملنے دینا۔

طریقِ تحصیل ریا کو دفع کرنا عین اخلاص کا حاصل کرنا ہے

اِخلاص کے فائدے

چاہے کیسا ہی نیک کام ہو اور چاہے ذرا سا ہو مگر خلوص کے ساتھ ہو تو اس میں برکت ہوتی ہے چاہے اس کا کوئی بھی معاون نہ ہو، جس قدر اخلاص زیادہ ہوگا اسی قدر ثواب بڑھتا جائے گا، اور اسی واسطے حدیث میں آیا ہے کہ میرا صحابی اگر نصف مُد، یعنی آدھا سیر جَو اللہ کی راہ میں خرچ کرے تو وہ دوسروں کے اُحد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرنے سے بہتر ہے۔ بات یہ ہے کہ ان حضرات کے اندر خلوص اور محبت اس قدر تھا کہ اوروں کے اندر اتنا نہیں اسی واسطے ان کے صدقات وحَسنات بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ اخلاص کا اعلیٰ درجہ تو یہ ہے کہ محض خدا کیلئے کام کرے۔ مخلوق کا اس میں تعلق ہی نہ ہو، اس سے کم یہ ہے کہ مخلوق کو راضی کرنے کے لئے کام کرے مگر کوئی دنیوی غرض مطلوب نہ ہو، صرف اس کا خوش کرنا مقصود ہو تو یہ بھی دینوی غرض ہے۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ کچھ نیت نہ ہو، نہ دنیا مطلوب ہو نہ دین۔ یوں ہی خالی الذہن ہو کر کوئی عمل کیا، یہ بھی اخلاص یعنی عدمِ ریا ہے۔

توبہ

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا

یعنی اے ایمان والو، اللہ تعالیٰ کی طرف خالص توبہ کرو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰہِ (رواہ مسلم)

یعنی اے لوگو اللہ کی طرف خالص توبہ کرو۔

توبہ کی حقیقت خطا کو یاد کر کے دل کا دُکھ جانا اور اس کے لئے لازم ہے اس گناہ کا ترک کر دینا اور آئندہ کو پختہ ارادہ کرنا کہ اب نہ کریں گے اور خواہش کے وقت نفس کو روکنا توبہ کہلاتا ہے۔

تشریح توبہ کے معنیٰ رجوع کرنے اور بُعد سے قرب کی جانب لوٹ آنے کے ہیں۔ مگر اس کے لئے بھی ایک ابتداء ہے اور ایک انتہا ہے۔ ابتداء تو یہ ہے کہ قلب پر نورِ معرفت کی شعاعیں پھیل جائیں اور دل کو مضمون کی آگاہی حاصل ہو جائے کہ گناہ سمِ قاتل ہے اور تباہ کر دینے والی شئے ہے اور پھر خوف اور ندامت پیدا ہو کر گناہ کی تلافی کرنے کی سچی اور خالص رغبت اتنی پیدا ہو جائے کہ جس گناہ میں مبتلا تھا اس کو فوراً چھوڑ دے اور آئندہ کے لئے اس گناہ سے بچنے اور پرہیز کرنے کا مصمم قصد کرے اور اس کے ساتھ ہی جہاں تک ہو سکے گذشتہ تقصیر و کوتاہی

کا تدارک کرے جب ماضی اور مستقبل اور حال تینوں زمانوں کے متعلق توبہ کا یہ ثمرہ پیدا ہو جائے گا تو گویا توبہ کا وہ کمال حاصل ہوگیا جس کا نام توبہ کی انتہا ہے۔

ضرورت توبہ توبہ کے معنیٰ اور حقیقت سمجھنے کے بعد واضح ہوگیا ہوگا کہ توبہ ہر شخص پر واجب ہے، کیونکہ حق تعالیٰ تمام مسلمانوں کو مخاطب بنا کر فرماتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تُوبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا

یعنی اے ایمان والو اللہ تعالیٰ کی طرف خالص توبہ کرو، چونکہ توبہ کی حقیقت یہی ہے کہ گناہوں کو اخروی زندگی کے لیے سم قاتل اور مہلک سمجھے اور ان کے چھوڑنے کا عزم کرے اور اتنا مضمون ایمان کا جزء ہے، اس لیے ہر مومن پر اس کا واجب اور ضروری ہونا تو ظاہر ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهِ وَأَصْلَحَ فَإِنَّ اللَّهَ يَتُوبُ عَلَيْهِ۔ مطلب اس آیت کریمہ کا یہ ہے کہ جو شخص موافق قاعدۂ شریعت کے اپنی اس زیادتی یعنی گناہ کرنے کے بعد توبہ کرے اور آئندہ کے لیے اعمال کی درستی رکھے، یعنی تمام برائیوں کو چھوڑ دے شریعت کے مطابق کام کرے اور اپنی توبہ پر قائم رہے تو بے شک اللہ تعالیٰ اس کے حال پر رحم کے ساتھ توجہ فرمائیں گے کہ توبہ سے پچھلے گناہ معاف فرما دیں گے اور توبہ پر استقامت عطا فرما کر مزید اعانت فرما دیں گے حدیث شریف میں ہے، حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر زمین و آسمان کے برابر بھی گناہ لے کر میرے پاس آئیں اور مجھ سے مغفرت چاہیں تو میں

سب کو بخش دونگا اور گناہوں کی کثرت کی پرواہ نہ کروں گا۔ نیز دوسری حدیث میں ہے۔ اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّاذَنْبَ لَہٗ یعنی گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسا وہ شخص جس نے کوئی گناہ کیا ہی نہ ہو۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِنِّیْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ فِیْ کُلِّ یَوْمٍ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً یعنی بے شک میں ہر روز ستر دفعہ استغفار کرتا ہوں عصمت انبیاء یعنی انبیاء علیہم السلام کا گناہوں سے پاک ہونا ایک مسلم مسئلہ ہے پھر بھی آپ استغفار فرما رہے ہیں۔ یہ انبیاء علیہم السلام اور اکابرین کی حالت ہے تو پھر ہم کس شمار میں ہیں۔ اس کی پرواہ نہ کریں کہ توبہ ٹوٹ جائے گی۔ جب توبہ ٹوٹ جائے دوبارہ پھر توبہ کرے مگر شرط یہ ہے کہ توبہ دل سے ہو یعنی توبہ کے وقت یہ عزم پختہ ہو کہ اب یہ گناہ نہ کریں گے۔ اس طرح توبہ کر کے اگر سو مرتبہ بھی توبہ ٹوٹے تو کچھ پرواہ نہیں۔ ہر دفعہ پھر توبہ کرتے رہیں۔ خداتعالیٰ کے مقبول اور اہل طاعت میں سے شمار ہوں گے۔

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ ✤ گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ

ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست ✤ صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

یعنی ہماری درگاہ کی طرف ضرور واپس آؤ، جو کچھ بھی تم ہو واپس آؤ اگر کافر بت پرست ہو تو بھی واپس آؤ، یہ ہماری درگاہ ناامیدی کی درگاہ نہیں ہے سینکڑوں بار اگر توبہ توڑ چکے ہو تو بھی واپس آؤ اور توبہ کرو۔ ہم قبول کریں گے

حق تعالیٰ کی وسعت رحمت ہے کہ ہر حالت میں اجازت دیدی کہ ہم سے باتیں کرلو، ہمارا نام لے لو، ہر حالت میں سماعت ہوگی۔

طریق توبہ | گذشتہ گناہوں پر ندامت اور معذرت ظاہر کرے جو حقوق العباد واجب الادا ہیں فی الحال اُن کے ادا کا عزم کریں اور پھر اُن کے ادا کا اہتمام کریں یا اہلِ حقوق سے صاف کرائیں ۲؎ اگر گناہ صادر ہو جائے تو فوراً دو رکعت نماز توبہ کی نیت سے پڑھے، پھر توبہ کرے زبان سے بھی توبہ کرے اور رونے کی شکل بنا کر خدا تعالیٰ سے خوب معافی مانگے ۳؎ توبہ کے لئے تو گناہوں کو یاد کرے، اس کے بعد جی بھر کے توبہ کرے۔ مگر ان کو جان جان کر یاد نہ کرے کہ اس سے بندہ اور خدا تعالیٰ کے درمیان ایک حجاب سا معلوم ہونے لگتا ہے، جو محبت اور ترقی سے مانع ہے، جس کا اثر یہ ہوگا کہ وہاں سے بھی عطا میں کمی ہوگی کیوں کہ جزا اور ثمرات کا ترتب عمل پر ہوتا ہے۔ سچی توبہ کے بعد اگر از خود پُرانے گناہ یاد آ جائیں تو پھر تجدید توبہ کرکے کام میں لگ جاوے اس سے زیادہ کاوش کرنا غلو ہے ۴؎ نیز استغفار اور توبہ کے وقت معاصی کے تذکرے اور استحضار میں ایک قسم کا توسط ہونا چاہیے یہ ضروری نہیں کہ سب گناہوں کی پوری فہرست پڑھنے بیٹھ جائے۔ صرف اجمالی طور پر سب گناہوں سے توبہ کر لے، ہر گناہ کا نام لینا ضروری نہیں۔ حدیث میں ہے وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ —— اور اس گناہ سے بھی توبہ کرتا ہوں جس کو آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں اور فرمایا وَاَتُوْبُ اِلَیْهِ مِنَ الذَّنْبِ الَّذِیْ اَعْلَمُ وَمِنَ الذَّنْبِ الَّذِیْ لَا اَعْلَمُ اور اس کی طرف اس گناہ سے توبہ کرتا ہوں جس کو میں جانتا .

ہوں اور اس گناہ سے بھی جس کو میں نہیں جانتا اس سے بھی یہی بات نکلتی ہے کہ اس میں سب گناہ آگئے اگرچہ یاد نہ آئیں، کیوں کہ اس سوچ میں وقت ضائع کرنا مطالعۂ محبوب سے غافل ہونا ہے البتہ جو از خود یاد آجائیں اُن سے بالخصوص توبہ کریں، خواہ مخواہ کُرید کُرید کر تلاش کرنا یہ خود ایک مشغلہ مانع حضور ہے بس سب گناہوں سے توبہ کر کے اپنے کام میں لگیں، کیوں کہ مقصود بالذات خدا تعالیٰ کی یاد ہے، نہ گناہوں کی یاد مقصود بالذات ہے نہ طاعات کی یاد مقصود ہے۔ گناہوں کی یاد سے توبہ مقصود ہے جب وہ حاصل ہے تو پھر قصداً گناہ کو یاد کر کے اس کی یاد کو مقصود بالذات نہ بنائیں اور اگر یاد آجائے تو پھر توبہ واستغفار کرلیں، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ مصیبت خود بخود یاد آجائے تو اِنَّا لِلّٰہِ پڑھ لیں کہ اس وقت اِنَّا لِلّٰہِ پڑھنے کا وہی ثواب ہوگا جو عین مصیبت کے وقت پڑھنے کا ثواب تھا شیخ اکبر کا قول ہے کہ معصیت کی یاد کو مقصود بالذات نہ بنائیں، کیونکہ اس سے یہ خیال ہوجاتا ہے کہ حق تعالیٰ مجھ سے ناراض ہیں اور یہ خیال خطرناک ہے۔

طریق تحصیل توبہ قرآن وحدیث میں جو وعید گناہوں پر آئی ہے ان کو یاد کرے اور سوچے اس سے گناہ پر دل میں سوزش پیدا ہوگی، یہی توبہ ہے

محبت

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ اور اللہ تعالیٰ ان کو دوست رکھتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کو دوست رکھتے ہیں۔ نیز ارشاد ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ یعنی اور جو لوگ ایمان لائے وہ اللہ تعالیٰ سے محبت میں بہت مضبوط ہیں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ اَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ كَرِهَ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ (متفق علیہ)

یعنی جو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو دوست رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو دوست رکھتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو برا سمجھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو برا سمجھتا ہے۔

حقیقتِ محبت

طبیعت کا ایسی چیز کی طرف مائل ہونا جس سے لذت حاصل ہو محبت کہتے ہیں، یہی میلان اگر قوی ہو جاتا ہے تو اس کو عشق کہتے ہیں۔

تشریح

محبت کی دو قسمیں ہیں، محبت طبعی اور محبت عقلی۔ محبت طبعی اختیاری نہیں ہے، اس کا حدوث اور بقا بالکل غیر اختیاری ہے اور امر غیر اختیاری پر بعض اوقات دوام نہیں ہوتا لہٰذا محبت طبعی مامور بہ نہیں ہے، بخلاف محبت عقلی کے کہ اس کا حدوث و بقا اختیاری ہے تو اس پر دوام بھی ہوتا ہے، اس لیے محبت عقلی مامور بہ ہے اور یہی افضل ہے اور راجح ہے، چونکہ محبتِ طبعی کا منشا جوشِ طبیعت ہے اور جوش ہمیشہ نہیں

رہا کرتا۔

اسبابِ محبت محبت کے تین سبب ہوا کرتے ہیں یا تو یہ کہ کوئی ہم پر احسان کرتا ہو اور اس کے احسان کی وجہ سے ہمیں اس سے محبت ہو یا یہ کہ وہ نہایت حسین وجمیل ہو اور اس کے حسن وجمال کی وجہ سے اس کی طرف میلانِ خاطر ہو یا یہ کہ اس میں کوئی کمال پایا جاتا ہو اور وہ کمال باعث محبت ہو سو انعام ونوال وحسن وجمال وفضل وکمال علی وجہ الکمال خدا تعالیٰ ہی میں پائے جاتے ہیں، تو جب تک یہ کمالات باقی ہیں اس وقت تک محبت بھی رہے گی اور محبوب حقیقی کے کمالات ختم نہیں ہو سکتے تو ان کی محبت بھی ختم نہ ہوگی اور چونکہ خدا تعالیٰ کے سوا کسی میں بھی بالذات کمالات نہیں اس لیے کاملین کو خدا تعالیٰ کے سوائے کسی سے محبتِ عقلی نہیں ہو سکتی، ہاں حُبِ طبعی یعنی عشق غیرِ خدا سے بھی ہو سکتا ہے اور خدا تعالیٰ کے ساتھ جس محبت کا امر ہے وہ حُبِ عقلی ہے نہ کہ طبعی، اس کیلئے نصوص میں حُبِ طبعی یعنی عشق کا عنوان کہیں مذکور نہیں، بلکہ جا بجا حُب کا ذکر ہے اس سے معلوم ہوا کہ حُبِ طبعی مطلوب نہیں بلکہ حُبِ عقلی مطلوب ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ حُبِ عقلی والوں یعنی کاملین میں حُبِ طبعی نہیں ہوتی بلکہ مطلب یہ ہے غلبہ حُبِ عقلی کو ہوتا ہے باقی جن پر حُبِ عقلی کا غلبہ ہوتا ہے بعض اوقات اُن میں محبت طبعی بھی اُن لوگوں سے زیادہ ہوتی ہے جن پر محبت طبعی کا غلبہ ہے مگر وہاں محبت طبعی پر حُبِ عقلی غالب ہوتی ہے اسلئے جوش دبا رہتا ہے یہ کہ کاملین پر بھی حُبِ طبعی کا غلبہ ہوتا ہے۔

بہرحال کاملین تو حُبِ عقلی اور حُبِ طبعی دونوں کے جامع ہوتے ہیں۔

مگر ان میں غلبہ عقل کو ہوتا ہے اور ناقصین میں حُبّ طبعی کا غلبہ ہوتا ہے۔ یہ کمال گو مطلوب نہیں مگر محمود ضرور ہے اور جو دونوں سے کورا ہے وہ خطرہ میں ہے ایسی محبت کا ہونا ضروری ہے۔ بغیر محبت کے نری طاعات وعبادات کافی نہیں، کیوں کہ ان کا بھروسہ کچھ نہیں۔

طریقِ تحصیلِ محبتِ الٰہی اللہ تعالیٰ کے کمالات واوصاف وانعامات کو یاد کرے اور سوچے احکام شرعیہ کی بجاآوری اور کثرتِ ذکر اللہ سے غیر اللہ کی محبت دل سے نکالے۔

شوق

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ

یعنی جو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا اُمیدوار ہے تو اللہ تعالیٰ کی مدت یعنی موت تو آنے والی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَسْئَلُكَ النَّظَرَ اِلٰى وَجْهِكَ وَالشَّوْقَ اِلٰى لِقَائِكَ (رواہ نسائی)

یعنی تجھ سے تیرے وجہ مبارک کی زیارت اور تیری ملاقات کا شوق مانگتا ہوں۔

حقیقتِ شوق جس محبوب چیز کا من وجہٍ علم ہو اور من وجہٍ علم نہ ہو

اس کو بکمال جاننے اور دیکھنے کی خواہش صبحی ہونا شوق کہلاتا ہے۔

تشریح ابتدا میں محبت شوق کے رنگ میں ہوتی ہے اور بعد میں اُنس کا رنگ غالب ہوتا ہے۔ اس وقت وہ کیفیتیں نہیں رہتی جو شوق کے وقت ہوا کرتی ہیں۔ مثلاً بات بات پر رونا اور استغراق کا غلبہ ہونا وغیرہ مگر لوگ انہیں آثار کو مقصود سمجھتے ہیں اور اُنس کی حالت میں جب یہ آثار کم ہوجاتے ہیں تو پریشانی میں مبتلا ہوتے ہیں حالانکہ یہ مقصود نہیں کہ ہروقت شوق غالب رہے اور تقاضۂ طبعی مرغوبات نفسانیہ کا کبھی نہ ہو نہ یہ مقصود ہے کہ دل میں حرکت پیدا ہو جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شوق کی ایک حد بیان فرمائی ہے۔

اَسْئَلُكَ شَوْقًا اِلٰی لِقَائِكَ مِنْ غَیْرِ ضَرَّآءَ مُضِرَّةٍ وَّلَا فِتْنَةٍ مُضِلَّةٍ۔

یعنی اے اللہ تعالیٰ میں آپ سے آپ کی ملاقات کا شوق بغیر کسی تنگی میں پڑنے کے جو نقصان دینے والی ہو اور بغیر کسی گمراہ کن آزمائش میں مبتلا ہونے کے طلب کرتا ہوں چونکہ شوق اور عشق کا غلبہ کبھی ہلاکت اور مضرت کی نوبت پہنچاتا ہے۔ جس سے اعمال میں خلل پڑتا ہے اور اصل مقصود اور ذرائع قرب اعمال اور امتثال اوامر ہی ہیں، اور کبھی غلبۂ شوق میں ادب کی حد سے گذر جاتا ہے اور بے ادبی کی باتیں کرنے لگتا ہے جیسا کہ اکثر عشاق غلبۂ حال میں کرتے ہیں اور یہ بے ادبی موجب ضرر دین ہے گو غلبہ کی حالت میں معاف ہے مگر کمال نہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ادب اور طاعات

اور محبت کے جامع ہیں، اس لیئے یہ مذکورہ بالا دُعاء فرمائی ہے۔

طریقِ تحصیلِ شوق محبتِ الٰہی پیدا کر لینا کیوں کہ محبت کے لیئے شوق لازم ہے۔

حقیقتِ اُنس جو چیز مِنْ وَجہٍ (ایک طرح) ظاہر اور معلوم ہو اور مِنْ وَجہٍ (ایک طرح سے) مخفی و مجہول ہو، اگر وجوہِ معلومہ پر نظر واقع ہو کر اس پر فرح و سرور ہو اس کو اُنس کہتے ہیں۔

طریقِ تحصیلِ اُنس چونکہ یہ بھی آثارِ محبت سے ہے اس لئے اس کی تحصیل کے لیئے کوئی جداگانہ طریق نہیں ہے۔ محبت کے ساتھ ہی حاصل ہو جاتا ہے۔

خوف

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

وَاخْشَوْنِي یعنی اور مجھ سے ڈرو۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے

مَنْ خَافَ اَدْلَجَ وَمَنْ اَدْلَجَ بَلَغَ الْمَنْزِلَ اَلَا اِنَّ سِلْعَةَ اللہِ غَالِیَةٌ اَلَا اِنَّ سِلْعَةَ اللہِ الْجَنَّةُ یعنی جو ڈرتا ہے رات ہی سے چلتا ہے اور جو رات سے چلتا ہے وہ منزل پر پہنچ جاتا ہے۔ سُن لو اللہ تعالیٰ کا سودا گراں ہے سُن لو اللہ تعالیٰ کا سودا جنت ہے۔

حقیقتِ خوف ناگوار طبع چیز کے خیال اور اس کے واقع ہونے کے اندیشے سے قلب کا دردناک ہونا۔

تشریح خوف کی حقیقت احتمالِ عذاب ہے کہ انسان کو اپنے متعلق احتمال ہو کہ شاید مجھے عذاب ہو اور یہ احتمال مسلمانوں میں ہر شخص کو ہے اور یہی مامور بہ ہے اور اسی کا بندہ مکلف کیا گیا ہے۔ یہ تو شرطِ ایمان ہے اور اس کا نام خوفِ عقلی ہے کہ تقاضائے معصیت کے وقت وعید اور عذابِ خداوندی کو یاد کر کے سوچ سوچ کے گناہوں سے بچا جائے۔ یہ درجہ فرض ہے اس کے فقدان سے گناہ ہو گا اور یہی حق تعالیٰ کا خوف جملہ نیک کاموں میں رغبت کرنے اور تمام گناہوں سے بچنے کا ذریعہ ہے۔ خوف کرنے والوں کی شان میں اللہ تعالیٰ نے ہدایت، رحمت، علم اور رضا کی محمود خصلتیں جمع فرمائی ہیں جو شخص خدا سے ڈرتا ہے اس سے ہر چیز ڈرنے لگتی ہے۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

کسی بندے کو دو خوف نصیب نہ ہوں گے، یعنی جو بندہ دنیا میں خدا تعالیٰ کا خوف رکھے گا وہ آخرت میں بے خوف ہو گا اور جو دنیا میں نڈر رہا اس کو آخرت میں امن و اطمینان نصیب نہ ہو گا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن ہر آنکھ روتی ہو گی بجز اس آنکھ کے جو اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیز کے دیکھنے سے روک دی گئی اور وہ آنکھ جس نے اللہ کے راستے میں پہرہ دیا اور وہ آنکھ جس میں خوفِ الٰہی کی وجہ سے مکھی کے سر کے برابر آنسو نکل آیا نیز مشکوٰۃ شریف کی ایک حدیث

ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کی آگ حرام کر دیتا ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ خداوند تعالیٰ قیامت کے دن فرشتوں سے فرمائے گا کہ آگ میں سے اس شخص کو نکال دو جو کسی مقام پر مجھ سے ڈرا ہے۔

الغرض خشیت مومن کے لیئے لازم ہے اور اس کی دو وجہ ہیں ایک تو مآل میں احتمال کہ شاید کوئی اختیاری کوتاہی ہو جائے دوسرے یہ کہ شاید کوئی اختیاری کوتاہی فی الحال ہو گئی ہو جس کا علم بھی التفات سے ہو سکتا تھا اور التفات میں کوتاہی ہوئی کہ یہ بھی اختیاری ہے دیکھو ڈاکو سزا کے خوف سے ڈاکہ نہیں ڈالتا۔ بچہ پٹنے کے خوف سے شرارت سے رکتا ہے جرمانے کے خوف سے لوگ حرام سے باز رہتے ہیں آدمی سبکی کے خوف سے محفل میں تہذیب سے بیٹھتا ہے۔ خوف ہی تو اٹھ جاتا ہے جو ملک میں امن نہیں رہتا گویا کہ خوف جملہ برائیوں کی جڑ کاٹنے والا ہے اور خوف ہی جملہ طاعات کا ذریعہ ہے۔

طریق تحصیل خوف اللہ تعالیٰ کے قہر و عذاب کو یاد کیا کرے اور سوچا کرے۔

رجا

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللهِ یعنی اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَوْ يَعْلَمُ الْكَافِرُ مَا عِنْدَ اللّٰهِ مِنَ الرَّحْمَةِ مَا قَنَطَ مِنْ جَنَّتِهِ اَحَدٌ (متفق علیہ) یعنی اگر کافر بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کا حال جانے تو اس کی جنت سے ناامید نہ ہو۔

رَجا کی حقیقت محبوب چیزوں یعنی فضل و مغفرت اور نعمت و جنت کے انتظار میں قلب کو راحت پیدا ہونا اور ان چیزوں کے حاصل کرنے کی تدبیر اور کوشش کرنا رَجا ہے۔

تشریح لہذا جو شخص رحمت اور جنت کا منتظر رہنے اور اس کے حاصل کرنے کے اسباب یعنی عمل صالح توبہ وغیرہ کو اختیار نہ کرے اس کو مقام رَجا حاصل نہیں وہ دھوکے میں ہے جیسا کہ کوئی شخص تخم پاشی نہ کرے اور غلہ پیدا ہونے کا منتظر رہے کہ یہ محض ہوس خام ہے۔

طریق تحصیل رَجا اللہ تعالیٰ کی وسعت رحمت اور عنایت کو یاد کرے اور سوچا کرے۔

زُہد

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَا اٰتٰكُمْ۔ یعنی تاکہ فوت

شدہ چیز پر افسوس نہ کرو اور جو تم کو دیا ہے اس پر خوشی سے اتراؤ نہ جاؤ
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

اَوَّلُ صَلَاحِ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ الْیَقِیْنُ وَالزُّھْدُ وَاَوَّلُ فَسَادِھَا
الْبُخْلُ وَالْاَمَلُ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان) یعنی اول بہتری اس
امت کی یقین اور زہد ہے اور اول بگاڑ اس امت کا بخل اور طول امل ہے۔

زہد کی حقیقت کسی رغبت کی چیز کو چھوڑ کر اس سے بہتر چیز کی طرف مائل ہوتا۔ مثلاً دنیا کی رغبت علیٰحدہ کر کے آخرت کی رغبت کرنا زہد ہے۔

تشریح زہد کی اصل وہ نور اور علم ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تیرے قلب میں ڈالا جاتا ہے جس کی وجہ سے سینہ کھل جاتا ہے اور یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ دنیا کا ساز و سامان مکھی کے پر سے بھی زیادہ حقیر ہے اور آخرت ہی بہتر اور پائیدار ہے جس وقت یہ نور حاصل ہوجاتا ہے تو اس حقیر دنیا کی آخرت کے مقابلے میں اتنی بھی وقعت نہیں رہتی جتنی کہ بیش قیمت جواہر کے مقابلے میں پھٹے پرانے چیتھڑے کی ہوا کرتی ہے اور زہد کا ثمرہ یہ ہے کہ بقدر ضرورت و کفایت دنیا پر قناعت حاصل ہوجائے پس زاہد اتنی مقدار پر کفایت کیا کرتا ہے جتنا کہ مسافر کو سفر کا توشہ اپنے پاس رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ نیز زہد ترک لذات کا نام نہیں بلکہ محض تقلیل لذات زہد کے لئے کافی ہے یعنی لذات میں انہماک نہ ہو، نفیس نفیس کھانوں اور کپڑوں کے فکر میں رہنا زہد کے منافی ہے ورنہ بلا تکلف و بلا اہتمام خاص کے لذات میسر ہوجائیں

تو حق تعالیٰ کی نعمت ہیں تمسکر کرنا چاہیے۔ نفس کو خوب آرام سے رکھے اور اس سے کام بھی لے کہ

مزدورِ خوش دل کند کارِ بیش

حقیقت یہ ہے کہ جن کی نظر اللہ پر ہے اُن کی نظر میں سونا چاندی تو کیا دنیا و مافیہا بھی کچھ نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے، اور اپنے جگر گوشوں اور خاص لوگوں کے لئے دنیا کو پسند نہیں فرمایا لہٰذا مخلوق کے ہاتھ میں جو کچھ ہے متاعِ دنیا ہے۔ سب سے اُمید قطع کردی جائے جو شخص ایسا کرے گا راحت میں رہے گا۔ کیوں کہ زُہد سے قلب اور بدن دونوں کو راحت حاصل ہوتی ہے۔

طریقِ تحصیلِ زُہد دنیا کے عیوب اور مضرتوں اور فنا ہونے کو اور آخرت کے منافع اور بقا کو یاد کرے اور سوچے۔

توکّل

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ یعنی اور چاہیے کہ ایمان والے اللہ ہی پر توکل کریں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

وَاِذَا سَأَلْتَ فَاسْئَلِ اللّٰهَ وَاِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ (رواہ الترمذی)

یعنی اور جب کچھ مانگو تو اللہ ہی سے مانگو اور جب مدد چاہو تو اللہ تعالیٰ ہی سے مدد چاہو۔

حقیقتِ توکّل | صرف وکیل یعنی کارساز پر قلب کا اعتماد کرنا توکل ہے۔

تشریح | توکل کی حقیقت وہی ہے جو توکیل یعنی وکیل بنانے کی ہے۔ وکیل بنانے کا خلاصہ یہ ہے کہ جس کام کو خود نہیں سمجھ سکتے اس کو دوسروں کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ کہ اُس کے بتلانے کے موافق کرتا رہے لہٰذا بس توکل یہی ہے کہ خدا کے سپرد کام کر کے تدبیر کریں اور جو وہ بتلائیں کرتے جائیں یعنی شریعت کے اصول کو پیشِ نظر رکھ کر ہر کام میں اسباب کے ماتحت کوشش کریں۔

توکل کے تین رکن ہیں: اوّل، معرفت۔ دوم، حالت۔ سوم اعمال۔ اب ان تینوں کو الگ الگ ذکر کیا جاتا ہے۔

رکنِ اوّل معرفت ہے۔ یعنی توحیدِ حق جس کا اقرار کلمۂ توحید سے ہوتا ہے کہ سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کا ملک ہے اور اسی کی حمد و ثنا اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اس میں اس مضمون کا اقرار ہے کہ حق تعالیٰ قدرت اور وجود اور حکمت میں وہ کمال رکھتا ہے جس کی وجہ سے حمد کا مستحق ہے پس جس نے صدق اور اخلاص کے ساتھ اس کا اقرار کر لیا اس کے قلب میں اصل ایمان راسخ ہو گیا اور اب توکل کی حالت ضرور پیدا ہو گی بشرطیکہ صدقِ دل سے اقرار کیا ہو۔ اور صدقِ دل کے

یہ معنی ہیں کہ اقرار کے معنیٰ قلب پر ایسے غالب آ جائیں کہ دوسرے مضمون کی اس میں گنجائش نہ رہے۔

دوسرا رکن حالِ توکل ہے، اس کے یہ معنیٰ ہیں کہ اپنا کام خدا کے حوالے کر دے اور قلب کو مطمئن رکھے کہ غیر اللہ کی طرف التفات بھی نہ کرے یعنی ایسا ہو جائے جیسا کہ کسی ہوشیار اور شفیق و غمخوار وکیل عدالت کو اپنے مقدمے میں وکیل بنا کر مطمئن اور بے فکر ہو جایا کرتے ہیں کہ پھر کسی دوسرے کی جانب دل ڈانواں ڈول نہیں ہوتا کیوں کہ سمجھتے ہو کہ تمہارا وکیل ہر طرح عقل مند اور تمہارا خیر خواہ ہے۔ پس تمہارے حریف کو کبھی تم پر غلبہ نہ پانے دے گا اور مخالف سے اس کے سامنے بات ہی نہ کی جا دے گی اسی طرح جب جانتے ہو کہ رزق اور موت و حیات اور مخلوق کے چھوٹے بڑے سارے کام خدا ہی کے قبضہ میں ہیں۔ کوئی اس کا شریک نہیں نہ اس کی جود و سخا اور حکمت و رحمت کی انتہا ہے۔ پھر وجہ کیا کہ اپنے قلب کو مطمئن نہ بنائیں۔

تیسرا رکن اعمال ہیں، جاہلوں کا خیال ہے کہ توکل تو محنت و مزدوری اور کسب کو چھوڑ دینے کا نام ہے کہ ہاتھ پیر ہاتھ رکھ کر بے کار بن کر بیٹھ جائے اگر بیمار ہو تو علاج نہ کرے بے سوچے سمجھے اپنے آپ کو خطرات اور ہلاکت میں ڈال دیا کرے کہ کہیں آگ میں گھس جائے اور کہیں شیر کے منہ میں ہاتھ دیدے تب متوکل کہلایا جائے حالانکہ یہ خیال بالکل غلط ہے کیوں کہ ایسا کرنا شرعاً حرام ہے اور شریعت ہی توکل کی خوبیاں بیان کر رہی ہے

پھر بھلا جس بات کو شریعت خود حرام تبلائے اُسی کی رغبت اور حرص دلائے یہ کیوں کر ہوسکتا ہے۔

طریقِ تحصیلِ توکل اس کی عنایتوں اور وعدوں اور اپنی گذشتہ کامیابیوں کا یاد کرنا اور سوچنا۔

حقیقتِ قناعت ترک کرنا شہوات کا۔

طریقِ تحصیلِ قناعت مراقبہ فنائے عالم۔

حقیقتِ حلم نفس کا ناگوار بات پر بھڑکنے سے رُکنا۔

طریقِ تحصیلِ حلم غصہ کا زائل کرنا، اور غصہ کے علاج کو بار بار سوچنا جو کہ اخلاقِ رذیلہ کے بیان میں آرہا ہے۔

صبر

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا یعنی اے ایمان والو صبر کرو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

عَجَبًا لِاَمْرِ الْمُؤْمِنِ اِنَّ اَمْرَهٗ کُلَّهٗ خَیْرٌ وَّلَیْسَ ذٰلِکَ لِاَحَدٍ اِلَّا لِلْمُؤْمِنِ اِنْ اَصَابَتْهُ سَرَّآءُ شَکَرَ وَاِنْ اَصَابَتْهُ ضَرَّآءُ صَبَرَ فَکَانَ خَیْرًا لَّهٗ۔

(رواہ مسلم)

یعنی مومن پر تعجب ہے کہ اس کی ہر بات بہتر ہے اور یہ کسی کو میسر نہیں مگر مومن ہی کو اگر اس کو خوشی پہنچے، شکر کیا اور اگر اس کو سختی پہنچے صبر کیا پس اس کے لئے بہتر ہے۔

حقیقتِ صبر انسان کے اندر دو قوتیں ہیں ایک دین پر ابھارتی ہے دوسری ہوائے نفسانی پر سو محرکِ دین کو محرک ہوا پر غالب کر دینا صبر ہے، اور اس کی حقیقت ہے حَبْسُ النَّفْسِ عَلٰی مَا تَکْرَہُ یعنی ناگوار بات پر نفس کو جمانا اور مستقل رکھنا آپے سے باہر نہ ہونا۔

تشریح صبر کی تین قسمیں ہیں: اول صبر علی العمل، یعنی عمل کی پابندی پر صبر۔ دوم صبر فی العمل یعنی کسی عمل کے کرتے وقت صبر سوم صبر عن العمل یعنی کسی عمل کے نہ کرنے پر صبر،

صبر علی العمل یہ ہے کہ نفس کو کسی کام پر روک لینا یعنی اس پر جم جانا اور قائم رہنا۔ مثلاً نماز، زکوٰۃ وغیرہ کی پابندی کرنا، اور بلا ناغہ ان کو ادا کرتے رہنا ــــــــــ

اور صبر فی العمل یہ ہے کہ عمل کے وقت نفس کو دوسری طرف التفات کرنے سے روکنا، طاعات بجا لانے کے وقت ان کے ارکان کو مع آداب کے اطمینان سے ادا کرنا اور ہمہ تن متوجہ ہو کر کام کو بجا لانا، مثلاً نماز پڑھنے کھڑے ہوئے یا ذکر میں مشغول ہوئے تو نفس کو یہ سمجھا دیا کہ تم اتنی دیر تک سوائے نماز یا ذکر کے اور کوئی کام نہیں کر سکتے پھر دوسرے کاموں کی طرف توجہ کرنا فضول ہے۔ اتنی دیر تک تجھ کو نماز یا ذکر ہی کی طرف متوجہ رہنا چاہیے

تیسری قسم ہے صبر عن العمل یعنی نفس کو اللہ تعالیٰ کی منع کی ہوئی باتوں سے روکنا۔

نیز حالات دو قسم کے ہوتے ہیں۔ نعمت اور مصیبت۔

نعمت سے مسرت ہوتی ہے اور مسرت کی وجہ سے منعم کے ساتھ محبت ہو جاتی ہے۔ بخلاف مصیبت کے کہ اس میں ناگواری ہوتی ہے اور صبر کا موقع مصیبت ہے اور مصیبت کہتے ہیں اس حالت کو جو نفس کو ناگوار ہو اس کی دو قسمیں ہیں ؛ ایک صورتِ مصیبت دوسری حقیقتِ مصیبت جس سے انقباض اور پریشانی بڑھے وہ تو گناہوں کی وجہ سے ہے اور حقیقتِ مصیبت ہے اور جس سے تعلق مع اللہ میں ترقی ہو، تسلیم و رضا زیادہ ہو۔ وہ حقیقت میں مصیبت نہیں، گو صورت مصیبت کی ہے۔

عارفین کو مصیبت کا احساس تو ہوتا ہے بلکہ بوجہ ادراک لطیف ہونے کے دوسروں سے زیادہ احساس ہوتا ہے۔ مگر ان کا رنج و غم حد سے نہیں بڑھتا کیوں کہ اس میں ان کی نظر اللہ تعالیٰ پر ہوتی ہے۔

مصائب سے بہت سے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ بعض دفعہ حق تعالیٰ اپنے بندے کو خاص درجہ اور مرتبہ عطا فرمانا چاہتے ہیں جس کو وہ اپنے عمل سے حاصل نہیں کر سکتا تو اللہ تعالیٰ اس کو کسی مصیبت یا مرض میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ جس سے وہ اس درجۂ عالیہ کو پا لیتا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ قیامت میں اہل مصائب کو دیکھ کر اہلِ نعمت کہیں گے کہ کاش ہماری کھالیں دنیا میں قینچیوں سے کاٹی گئی ہوتیں۔ تاکہ آج ہم

کو بھی یہ درجات ملتے جو اہلِ مصائب کو عطا کئے گئے ہیں۔ نیز حدیث شریف میں ہے جو شخص اپنا انتقام خود لے لیتا ہے تو حق تعالیٰ معاملہ اسی کے سپرد کر دیتے ہیں اور جو صبر کرتا ہے اس کی طرف سے حق تعالیٰ انتقام لے لیتے ہیں۔ کبھی دنیا میں سزا چکھا دیتے ہیں اور کبھی آخرت پر پوری سزا کو ملتوی رکھتے ہیں، حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِذَآ اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَۃٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ

مطلب یہ ہے کہ مصیبت اور غم کے وقت زبان کو اِنَّا لِلّٰہِ کے ورد میں مشغول کیا جائے اور دل کو اس کے معنیٰ کے تصور میں کہ ہم اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہیں اور مالک کو ہر قسم کے تصرف کا اپنے مملوک میں اختیار ہے غلام کو چاہیے کہ مالک کے تصرف پر راضی رہے اسلئے اس موقع پر تصرف حق پر راضی رہنا چاہیے۔

مصیبت کے وقت اول تو اپنے گناہوں کو یاد کریں تاکہ اپنی خطاؤں کا استحضار ہو کر مصیبت سے پریشان نہ ہو، کیوں کہ اپنی خطاؤں پر جو سزا ہوتی ہے اس سے دوسرے کی شکایت نہیں ہوتی بلکہ انسان خود نادم ہوتا ہے کہ میں اسی قابل تھا، پھر اجر کو یاد کریں کہ اللہ تعالےٰ نے مصیبت کا بہت ثواب رکھا ہے یاد کر کے غم کو ہلکا کریں اور مصیبت میں ثابت قدم رہیں خدا تعالیٰ کی شکایت نہ کریں، کوئی بات ایمان اور اسلام کے خلاف زبان و دل پر نہ آنے اور یہ مت سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے ناراض ہو گئے ہیں کیوں کہ یہ خیال خطرناک ہے۔ اس سے تعلق ضعیف ہوتا ہے اور رفتہ رفتہ زائل ہو جاتا ہے۔

مصائب کو سزا سمجھیں یا آزمائش سمجھیں اور ان کے ثواب کو یاد کریں شریعت نے مصیبت کے وقت صبر و تحمل کی تعلیم دی ہے۔ اسی پر کاربند رہیں اور یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ ہر مصیبت پر نعم البدل ملتا ہے اس میں نفع ضرور ہوگا۔ آخرت میں بھی اور دنیا میں بھی، اگرچہ دنیوی نفع ابھی سمجھ میں نہ آوے۔

طریقِ تحصیلِ صبر قوتِ ہویٰ یعنی خواہشات و جذباتِ نفسانی کو ضعیف و کمزور کرنا۔

شُکر

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَاشْكُرُوْا لِيْ۔ اور میرا شکر کرو۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنْ اَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ۔ (رواہ مسلم)

یعنی اگر اس کو خوشی پہنچی شکر کیا۔

شکر کی حقیقت نعمت کو منعم حقیقی کی طرف سے سمجھنا جس کا اثر منعم سے خوش ہونا اور تعمیلِ حکم میں سرگرمی کرنا ہے

تشریح نعمت کو منعمِ حقیقی کی طرف سے سمجھنے سے دو باتیں ضرور پیدا ہوتی ہیں۔ ایک منعم سے خوش ہونا اور دوسرے اس

کی خدمت گزاری اور امتثالِ اوامر میں سرگرمی کرنا یعنی جو حالت طبیعت
کے موافق ہو خواہ اختیاری ہو خواہ غیر اختیاری ہو اس حالت کو دل سے
خدا تعالیٰ کی نعمت سمجھنا اور اس پر خوش ہونا اور اپنی لیاقت سے اس کو زیادہ
سمجھنا اور زبان سے خدا تعالیٰ کی تعریف کرنا اور اس نعمت کا جوارح یعنی
اعضاء سے گناہوں میں استعمال نہ کرنا بلکہ اس نعمت کو اس کی رضا مندی
میں استعمال کرنا شکر ہے اور یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب کہ مخلوق کی پیدائش
کے اغراض و مقاصد اور یہ بات معلوم ہو جائے کہ کیا کیا چیز کس کس کام کیلئے
پیدا ہوئی ہے۔ مثلاً آنکھ اللہ کی ایک نعمت ہے اس کا شکریہ ہے کہ
اس کو اللہ تعالیٰ کی کتاب یعنی قرآن مجید اور علم دین کی کتابوں کے پڑھنے
اور آسمان و زمین جیسی بڑی مخلوقات کا اس غرض سے مشاہدہ کرنے میں
صرف کرے کہ عبرت حاصل ہو اور خالق برتر کی عظمت و کبریائی سے
آگاہی ہو نیز ستر کے دیکھنے اور غیر عورت پر نظر ڈالنے سے اور دیگر
ممنوعات سے روکے رکھے۔ اسی طرح کان ایک نعمت ہے اس کا
شکریہ یہ ہے کہ اس کو ذکر الٰہی اور ان باتوں کے سننے میں استعمال
کرے، جو آخرت میں نفع دیں اور ہجو اور لغو اور فضول کلام سننے سے
روکے زبان کو یادِ خدا، حمد و ثنا اور اظہار شکر میں مشغول رکھے اور تنگدستی
یا تکلیف میں شکوہ شکایت سے باز رکھے کہ اگر کوئی حال بھی پوچھے تو شکایت
کا کلمہ زبان سے نہ نکلنے پائے، کیونکہ شہنشاہ کی شکایت ایسے ذلیل
اور بے بس غلام کے سامنے زبان سے نکالنی جو کچھ بھی نہیں کر سکتا بالکل

فضول اور معصیت میں داخل ہے اور اگر شکر کا کلمہ نکل گیا تو طاعت میں شمار ہوگا صرف زبانی الحمد للہ کہنا جب کہ دل میں منعم اور نعمت کی قدر نہ ہو محض درجۂ عنوان میں ہے یہ چھلکا ہے جس میں گری نہیں، یعنی محض الفاظ شکر ہیں، معنیٔ شکر نہیں اور جب معنیٔ شکر نہیں تو اس کی مثال بادام کے نرے چھلکے جیسی ہے جس میں گری نہ ہو کہ محض چھلکے کو بادام نہ کہیں گے۔

اسی طرح ہر عمل کا ایک مغز اور روح ہے اور ایک پوست اور صورت ہے۔ پس شکر کی رُوح یہ ہے کہ منعم اور نعمت کی دل سے قدر ہو۔ ابتدائی درجۂ شکر تو مرتبۂ عقلی ہے کہ حق تعالیٰ کو منعم حقیقی جانے اور عقلاً اس کی قدر پہچانے اور انتہائی مرتبہ یہ ہے کہ اس کا اثر طبع اور جوارح اور حرکات و سکنات میں نمایاں ہو یعنی تمام اعتقادات عبادات معاملات اخلاق و معاشرت وغیرہ شریعت کے مطابق ہوں۔

طریقِ تحصیلِ شکر حق تعالیٰ کی نعمتوں کو سوچنا اور یاد کرنا اور ہر نعمت کو اس کی طرف سے جاننا اس سے رفتہ رفتہ حق تعالیٰ کی محبت ہوگی اور شکر کا درجۂ کاملہ نصیب ہو جائے گا۔

صِدق

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَ

جَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ۔

یعنی مومن تو وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے، پھر کچھ تردد نہیں کیا اور اپنی جان و مال سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا، یہی لوگ پورے سچے ہیں۔

اور حدیث شریف میں ہے۔

مَرَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِاَبِیْ بَکْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ وَهُوَ یَلْعَنُ بَعْضَ رَقِیْقِهٖ فَالْتَفَتَ اِلَیْهِ فَقَالَ لَعَّانِیْنَ وَصِدِّیْقِیْنَ اِلَی قَوْلِهٖ اَبِیْ بَکْرٍ لَا اَعُوْدُ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر گذر ہوا وہ اپنے کسی غلام پر لعنت کر رہے تھے آپ اُن کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ صدیق اور پھر لعنت کرنے والے پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اب ایسا نہ کروں گا۔

حقیقتِ صدق جس مقام کو حاصل کرے کمال کو پہنچا دے کہ اس میں کسر نہ رہے۔

تشریح صدق کے معنی پختگی کے ہیں اور اسی لیے ولی کامل کو صدیق کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ تمام احوال و افعال و اقوال میں مرتبۂ رسوخ حاصل کر چکا ہے شریعت میں صدق عام ہے افعال کو بھی، اقوال کو بھی، احوال کو بھی، اقوال کا صدق تو یہ ہے کہ بات پکی

وسچی ہو یعنی واقعہ کے مطابق ہو جو شخص اس صفت سے موصوف ہو اس کو صادق
الاقوال کہتے ہیں اور افعال کا صدق یہ ہے کہ ہر فعل مطابق امر ہو، حکم شرعی کے
خلاف نہ ہو، پس جس شخص کے افعال ہمیشہ شریعت کے موافق ہوں اس کو
صادق الافعال کہا جاتا ہے اور احوال کا صدق یہ ہے کہ احوال سنت کے مطابق ہوں
پس جو احوال خلافِ سنت ہیں وہ احوال کاذبہ ہیں اور جس شخص کے احوال وکیفیات
سنت کے مطابق ہوتے ہیں اس کو صادق الاحوال کہتے ہیں نیز صدقِ احوال میں یہ بھی
ہے کہ وہ احوال ایسے ہوں جن کا اثر صاحبِ حال پر باقی رہے یہ نہ ہو کہ
آج ایک حالت پیدا ہوئی، پھر زائل ہوگئی اور اس کا کچھ بھی اثر باقی نہ رہا
یہ مطلب نہیں کہ احوال کا غلبہ ہمیشہ رہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس کا اثر ہمیشہ
رہنا چاہیے کہ جو حالت طاری ہو وہ مقام ہو جائے خلاصہ یہ ہے کہ جس طاعت
کا ارادہ ہو اس میں کمال کا درجہ اختیار کیا جائے۔ مثلاً نماز کو اس طرح پڑھنا
کہ جس کو شریعت نے صلوٰۃ کاملہ کہا ہے یعنی اس کو مع آدابِ ظاہرہ وباطنہ
کے ادا کرنا اسی طرح تمام طاعات میں جو درجہ کمال کا شریعت نے بتلایا
ہے اس کا اختیار کرنا صدق ہے۔

طریق تحصیلِ صدق

صدق بالکمال کے جاننے پر موقوف
ہے لہٰذا ہمیشہ نگراں رہے اگر کچھ کمی ہو جائے اس کا تدارک کرے
اسی طرح چند روز میں کمال حاصل ہو جائے گا۔

تواضع

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا

یعنی اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر تواضع کے ساتھ چلتے ہیں۔
مطلب یہ ہے کہ ان کے مزاج میں تواضع ہے تمام امور میں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ من تواضع للّٰه رفعه اللّٰه
یعنی جو شخص اللہ کے لیے تواضع اختیار کریگا۔ اللہ تعالیٰ اس کو رفعت اور بلندی عطا کرے گا۔

ماہیت تواضع تواضع کی حقیقت یہ ہے کہ اپنے کو لاشے اور ہیچ سمجھے، اپنے کو رفعت کا اہل نہ سمجھے اور اپنے کو سچ مچ مٹانے کا قصد کرے، اس کی اصل مجاہدۂ نفس ہے۔

تشریح تواضع صرف اس کا نام نہیں ہے کہ زبان سے اپنے کو خاکسار نیاز مند ذرہ بے مقدار کہہ دیا اور بس۔ بلکہ تواضع یہ ہے کہ اگر کوئی تم کو ذرہ بے مقدار کہہ کر برا بھلا کہے اور ذلیل کرے تو تم کو انتقام کا جوش پیدا نہ ہو اور نفس کو یوں کہہ کر سمجھاؤ کہ واقعی ایسا ہی ہے پھر کیوں برا مانتا ہے۔ اور کسی کی برائی سے کچھ رنج واثر نہ ہو یہ تو تواضع کا اعلیٰ درجہ ہے کہ تعریف اور برائی برابر ہو جائے۔ نہ کہ طبعاً، کیونکہ طبعاً تو مساوات ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ یہ تو غیر اختیاری ہے۔ البتہ اختیاری امور میں تواضع اختیار کرے اور اسی کا انسان مکلف بھی ہے۔ اتفاق کی اصل تواضع ہے، جن دو شخصوں میں تواضع ہوگی اُن میں نااتفاقی نہیں ہو سکتی۔ تواضع میں جذب اور کشش کی خاصیت ہے۔ تواضع کی طرف خود بخود کشش ہوتی ہے بشرطیکہ صحیح تواضع ہو۔

طریق تحصیل تواضع تواضع کے پیدا کرنیکا طریقہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو سب سے کمتر اور حقیر جانے۔ اللہ تعالیٰ کی کبریائی ہر وقت پیش نظر اور مستحضر رکھے اور یہ سوچے کہ اللہ تعالیٰ کو تکبر سے نفرت ہے تو متکبر سے ضرور نفرت ہوگی اور تواضع و عاجزی پسند فرماتے ہیں تو متواضع کو بھی پسند فرمائیں گے۔

تفویض

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَی اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ بَصِیْرٌ بِالْعِبَادِ ۝

یعنی اور میں اپنا معاملہ حق تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں خدا تعالیٰ سب بندوں کا نگراں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

اِذَا اَصْبَحْتَ فَلَا تُحَدِّثْ نَفْسَكَ بِالْمَسَاءِ وَاِذَا اَمْسَيْتَ فَلَا تُحَدِّثْ نَفْسَكَ بِالصَّبَاحِ۔

مطلب یہ ہے کہ جب صبح کرو تو شام کے متعلق اپنے دل میں خیال نہ لاؤ اور جب شام کرو تو صبح کے متعلق اپنے دل میں خیال نہ لاؤ۔

حقیقتِ تفویض اپنے کو خدا کے سپرد کر دینا کہ جو وہ چاہیں تصرف کریں اپنے لئے کوئی حالت تجویز نہ کرنا یعنی خدا کے سوائے کسی پر نظر نہ رکھے، تدبیر کرے اور نتیجے کو خدا کے سپرد کر دے

تشریح تفویض کے معنی ترکِ تدبیر نہیں بلکہ اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ کے سوا کسی پر نظر نہ رکھیں تدبیر کرے اور تدبیر کے نتیجہ کو خدا تعالیٰ کے سپرد کرے اور جن امور میں تدبیر کا کچھ تعلق و دخل نہیں ان میں تو ابتدا ہی سے تفویض و تسلیم اختیار کرے اپنی طرف

سے کوئی حالت یا نظام تجویز نہ کرے۔ تجویز ہی تمام پریشانیوں کا سبب ہے کہ ہم نے ہر چیز کا ایک نظام خاص اپنے ذہن میں قائم کر رکھا ہے کہ یہ کام اس طرح ہونا چاہئے پھر اس نظام کے خلاف واقع ہونے سے کلفت ہوتی ہے اور زیادہ حقیقتاً اس نظام کا جو ہماری طرف سے تجویز ہوتا ہے غیر اختیاری ہوتا ہے تو غیر اختیاری امور کے لیے نظام تجویز کرنا حماقت نہیں تو کیا ہے۔ اسی لئے اہل اللہ نے تجویز قطع کرکے یہ مذہب اختیار کر لیا ہے۔

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو
دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

یعنی زندہ کریں تو آپ کی عطا ہے اور اگر موت دیں تو بھی آپ پر فدا چونکہ جب دل ہی آپ پہ آگیا ہے تو اب جو بھی آپ کی مرضی ہو تسلیم ہے۔

الغرض اپنی تجویز کو دخل نہ دے اسی طرح تربیت کے سلسلہ میں بھی اپنی تربیت کو خدا کے سپرد کرے کہ جس طرح چاہے وہ تربیت کرے حالات و کیفیات عطا کریں یا سب کو سلب کریں اپنی تجویز کو خدا تعالیٰ کی تجویز میں فنا کردیں یعنی کامل عبدیت اختیار کریں۔

طریق تحصیل تفویض جب کوئی خلاف طبع ناگوار واقعہ پیش آوے تو فوراً یہ سوچے کہ یہ حق تعالیٰ کا تصرف ہے جسمیں حکمت ضرور ہے اور مصلحت ہے۔ ابتداء میں تکلف سے یہ بات حاصل ہوگی، پھر سوچتے رہنے سے تجویز کو فنا کرنا پڑتا ہے اور پھر یہ

حالت اہل اللہ کے لئے طبعی بن جاتی ہے۔

رضا

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ یعنی اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مِنْ سَعَادَۃِ ابْنِ اٰدَمَ رِضَاہُ بِمَا قَضَی اللّٰہُ لَہٗ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَحْمَدُ۔ یعنی آدمی کی سعادت سے ہے راضی رہنا اس پر جو اس کے لئے اللہ نے مقرر کر دیا ہو۔

رضا کی حقیقت

قضا پر اعتراض نہ کرنا نہ زبان سے نہ دل سے۔

تشریح

رضا بر قضا کا بعض مرتبہ ایسا غلبہ ہوتا ہے کہ تکلیف بھی محسوس نہیں ہوتی، پس اگر الم کا احساس ہی نہ ہو تو رضائے طبعی ہے اور اگر الم کا احساس باقی رہے تو رضائے عقلی ہے۔ اول رضائے طبعی حال ہے جس کا بندہ مکلف نہیں اور ثانی رضائے عقلی مقام ہے جس کا بندہ مکلف ہے۔ قضا پر راضی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ تکلیف کی صورتوں میں تکلیف تو محسوس ہوتی ہے مگر چونکہ عقل نے اس کے بہتر

انجام یعنی ملنے والے ثواب پر مطلع کر دیا ہے اس لیے طبیعت اس تکلیف کو بلا تکلف گوارا کرتی ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے طبیب کسی مریض کو پینے کیلئے تلخ دوا بتائے یا اپریشن کرانے کی ہدایت کرے تو اس صورت میں ظاہر ہے کہ اس تلخ دوا کا پینا اور اپریشن کرانا تکلیف کی باتیں ہیں مگر چونکہ اس کے ساتھ ہی عمدہ نتیجہ یعنی صحت و تندرستی سے مریض کو آگاہی حاصل ہے لہذا وہ ان تکلیف دہ باتوں کے بتانے والے طبیب سے راضی بلکہ اس کا احسان مند و ممنون رہتا ہے اسی طرح جو شخص سچے دل سے اس کا یقین کئے ہوئے ہے کہ دنیا کی ہر تکلیف پر حق تعالیٰ کی طرف سے اجر مرحمت ہو گا اور ہر مصیبت و صدمہ پر اس قدر ثواب عطا ہو گا جس کے مقابلہ میں اس عارضی تکلیف کی کچھ حقیقت نہیں ہے تو اس یقین سے وہ خرم و مسرور و شاداں ہوگا جس وقت مولائے حقیقی کی جانب سے جو عطا ہوتا ہے اس وقت کے وہی مناسب ہوتا ہے، اس کے خلاف کی تمنا نہ چاہیے جب اللہ تعالیٰ بظاہر ہمارے نقصانات ہی کو بہتر سمجھ رہے ہیں تو ہم کو اس میں صدمہ کی کون سی بات ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے جیسا بنا دیا ہے اس کے لئے وہی مناسب تھا گو ہر شخص دوسروں کو دیکھ کر یہ تمنا کرتا ہے کہ میں ایسا ہوتا اور اپنی حالت پر قناعت نہیں ہوتی لیکن غور کر کے دیکھے اور سوچے تو اس کو معلوم ہو گا کہ میرے لیے مناسب حالت وہی ہے جس میں خدا تعالیٰ نے مجھ کو رکھا ہے۔ البتہ دُعا کرنا خلافِ رضا نہیں۔ اہل اللہ محض حکم کی وجہ سے اظہارِ عبدیت کے لیے دعا کرتے ہیں۔ اس واسطے دعا نہیں کرتے کہ

ہم نے جو مانگا ہے ضرور وہی مل جائے، بلکہ ہر حال میں خدا کی رضا پر راضی رہتے ہیں خواہ قبول ہو یا نہ ہو۔ قبول نہ ہونے سے شاکی اور تنگ دل نہیں ہوتے ہیں یہی رضا کی علامت ہے۔

طریقِ تحصیلِ رضا یہ آثارِ محبت سے ہے اس لیئے اس کے واسطے جداگانہ طریق نہیں ہے۔ محبت کے ساتھ ہی رضا بھی حاصل ہوجاتی ہے۔

حقیقتِ فنا افعالِ ذمیمہ و ملکاتِ رذیلہ ذریّہ کا زائل ہوجانا یعنی معاصی کا ترک اور قلب سے محبتِ غیر اللہ حرص طول امل کبر و عجب ریا وغیرہ کا نکل جانا اور ملکہ یادداشت کا راسخ ہوجانا کہ غیراللہ کے ساتھ تعلق عملی نہ رہے۔

طریقِ تحصیلِ فنا مجاہدہ و کثرتِ ذکرِ لسانی و قلبی ہے۔

حقیقتِ فناءُ الفنا اس فنا کا بھی علم بعض اوقات نہیں ہوتا یہ فناءُ الفنا ہے، اس کو بقا بھی کہتے ہیں یعنی وہ بے خودی جو فنا کہلاتی تھی جاتی رہی۔ فنائے صفاتِ بشریہ کو قربِ نوافل و فناءِ ذات کو قربِ فرائض بھی کہتے ہیں یعنی جیسا التفات اور استحضار غیر کا پہلے تھا وہ نہ رہا۔ غیر سے ذہول ہوگیا پھر اس میں کسی کو صحو بھی ہوجاتا ہے، کسی پر سکر غالب ہوجاتا ہے کوئی مجذوبِ محض ہوجاتا ہے نیز فنا کے اضداد یعنی اعمالِ حسنہ کا طبعی بن جانا اور اخلاق حمیدہ میں ملکہ رسوخ

ہو جانا اور اسی کو بقا بھی کہتے ہیں۔

طریق تحصیل فناء الفنا ذکر و فکر میں مداومت رکھنا۔ (تنبیہ) یہاں تک اَخلاقِ حمیدہ کا بیان تھا اب آگے اَخلاقِ رذیلہ کو بیان کیا جاتا ہے۔

وصول الی اللہ کے تین طریقے

۱۔ اَطْوَلْ

۲۔ اَوْسَطْ

۳۔ اَقَلّ و اَقْرَبْ

اوّل اطول :

یہ ہے کہ کثرتِ صوم وصلوٰۃ قرأتِ قرآن پاک و حج وجہاد وغیرہ کرنا یہ طریق اخیار کا ہے۔

دوم اوسط :

ان امور کے علاوہ مجاہدہ اور ریاضت اخلاق ذمیمہ کے ازالہ اور اخلاقِ حمیدہ کی تحصیل میں مشغول ہونا۔ اور اکثر اسی طریق سے واصل ہوتے ہیں، یہ طریق ابرار کا ہے۔

سوم اقل واقرب :

طریق عشق کہ ریاضتوں اور صحبتِ خلق سے گھبراتے ہیں۔ صرف ذکر، فکر، شکر اور درود وشوق واشتیاق ان کا کام ہوتا ہے اس سے

واصل بحق ہوتے ہیں۔ اسی طریق سے تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب اور تجلیۂ روح میں مشغول ہوتے ہیں اور کشف و کرامات کو بعوض ایک جو کے بھی نہیں خریدتے اور مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا پر مستقیم ہوتے ہیں۔ یہ طریق شطاریہ کا ہے

مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا کے ساتھ انطباق اور مرنے سے پہلے مرنے کی نوعیت یہ ہے کہ موت کے وقت مردے کے یہ احوال ہوتے ہیں توبہ۔ زہد۔ توکل۔ قناعت۔ عزلت، توجہ الی اللہ۔ صبر۔ رضا۔ ذکر مراقبہ جو کہ شطاریہ کا شیُوْن ہے۔

توبہ یعنی ہر فعل بد سے نکل جانا جیسا کہ موت کے وقت ہوتا ہے زہد دنیا و مافیہا کا ترک کرنا، جیسا کہ موت کے وقت ہوتا ہے۔ توکل اسباب ظاہرہ غیر عادیہ کا ترک کرنا جیسا کہ موت کے وقت ہوتا ہے قناعت شہوت کا ترک کرنا جیسا کہ موت کے وقت ہوتا ہے عزلت خلق سے قطع کرنا جیسا کہ موت کے وقت ہوتا ہے توجہ الی اللہ ما سوی اللہ سے اعراض کرنا جیسا کہ موت کے وقت ہوتا ہے۔ صبر ترک حظوظ کرنا جیسا کہ موت کے وقت ہوتا ہے رضا رضائے نفس کو ترک کرنا اور رضائے حق پر راضی رہنا اور خدا کے حکم کو تسلیم کرنا۔ جیسا کہ بوقت موت ہوتا ہے، ذکر، ذکر غیر حق کو ترک کرنا اور یاد حق میں مشغول ہونا جیسا کہ بوقت موت ہوتا ہے۔ مراقبہ اپنے وقت کے لوٹنے کے خیال کا ترک کرنا جیسا کہ بوقت موت ہوتا ہے۔

یہ ہے مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا ہونا کہ جو موت کے وقت حالت

ہوتی ہے۔ وہ حالتِ حیات میں نقد حال ہو کہ جسم دنیا میں ہو اور روح متوجہ بآخرت ہو اور واصل بحق ہو، مال و دولت ہفت اقلیم کی سلطنت ہاتھ میں ہو پر دل سب سے فارغ ہو جس کی پہچان یہ ہے کہ ممنوعات و مکروہات شرعیہ سے قولاً و فعلاً و حالاً جوارح و زبان کو بند کرے قلب کو ماسوی اللہ سے فارغ اور اخلاقِ حمیدہ سے آراستہ کرے بیہودہ مجالس سے پرہیز ہو۔ جو چیز طالب کو یادِ الٰہی سے باز رکھے وہی بیہودہ اور لایعنی ہے۔ باطل لوگوں کی صحبت سے اجتناب کرے جو طالبِ خدا کا نہیں وہی باطل ہے۔ ۱۰ عزیزا یہ ہے۔ مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا کا مصداق جو کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ آپ نے امت سے اس طرح رہنے کو چاہا ہے

علاماتِ رسوخِ اخلاق اخلاق کے رسوخ کی علامت یہ ہے کہ جس وقت جس خُلق کا موقع پیش آوے اس وقت بلا التفات، بلا اختیارِ تدبیر فوراً یا ادنیٰ تدبیر سے اس خُلق کا بامحل استعمال ہو۔

بابُ الخواطر

بندہ کے دل پر جو خطاب گزرتا ہے اُسے خاطر کہتے ہیں۔ وہ کبھی خیر ہوتا ہے کبھی شر ہوتا ہے۔ خیر کا دل میں واقع ہونا کبھی من جانب اللہ ہوتا ہے، کبھی من جانب ملک جس کا نام الہام ہے اور کبھی من جانب الشیطان اور شر شیطان کی طرف سے ہوتا ہے، کبھی نفس کی طرف

سے اور کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو خیر ہوتا ہے وہ اکراماً ہوتا ہے۔ یا الزام حجت کے لئے ہوتا ہے اور جو شر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے وہ امتحاناً ہوتا ہے اور محنت میں ڈالنے کیلئے ہوتا ہے۔ ملہم کی طرف سے ہمیشہ خیر ہی وارد ہوتا ہے۔ اس لئے کہ ملک ملہم مرشد ناصح ہے۔ اس لئے اس کو ساتھ کیا گیا ہے۔

شیطان کی طرف سے جو خیر ہوتا ہے وہ مکر و استدراج ہوتا ہے صورتاً خیر ہوتا ہے۔ حقیقتاً شر مثلاً کسی اعلیٰ خیر سے روک کر چھوٹی خیر میں مبتلا کرنا اور جو شر ہوتا ہے وہ اِغواءً اور استذلالاً (یعنی ذلیل کرنے کیلئے) ہوتا ہے۔

نفس کی طرف سے جو شر ہوتا ہے تعسفاً (یعنی بے راہ چلانے کے لئے) ہوتا ہے اور تعنتاً (یعنی راہِ حق سے روکنے کے لئے) ہوتا ہے اور بہت کم خیر ہوتا ہے۔ مثل شیطان کے۔

علاماتِ فرق درمیان شر من جانب اللہ و نفس و شیطان

جو شر اس طرح وارد ہو کہ نہایت مضبوط ہو اور ایک حالت میں جما رہے نفس نہایت شدت سے اس کے کرنے پر بے قرار ہوتا ہو۔ تدابیر دفع کی کرتا ہو، مگر کسی طرح دفع نہیں ہوتا وہ شر من جانب اللہ ہے۔ اس کا علاج بغیر اس کے کچھ نہیں کہ حق تعالیٰ کی درگاہ میں اعانت اور توفیق

طلب کرے اور تضرع اور گریہ وزاری رکھے اور اس قدر شدت نہ ہو مگر ایک حالت پر رہے وہ نفس کی جانب سے ہے اور اگر کسی گناہ کے بعد خطرۂ شر قوت کے ساتھ پیدا ہو تو وہ من جانب اللہ عاصی کی اہانت اور اس گناہ کی ظلمت کی سزا میں ہے اور اگر گناہ کے بعد خطرۂ شر قوت کے ساتھ نہ ہو، اول ہی اول ہو تب وہ شیطان کی جانب سے ہے، بشرطیکہ ذکر کرنے کی وجہ سے دفع ہو جائے یا کمزور ہو جائے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِنَّ الشَّیْطَانَ جَاثِمٌ عَلٰی قَلْبِ ابْنِ اٰدَمَ اِذَا ذَکَرَ اللّٰہَ خَنَسَ وَاِذَا غَفَلَ وَسْوَسَ کہ شیطان آدم کی اولاد کے قلب پر ٹیک جما کر بیٹھتا ہے، جب اللہ کا ذکر کرتا ہے، تو ہٹ جاتا ہے اور جب اللہ کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے تو وسوسے ڈالتا ہے۔

اور اگر وہ شر ذکر کی وجہ سے دفع نہ ہو نہ کمزور ہو تو وہ نفس کی طرف سے ہے۔ جس طرح کہ شیطان کو خطرہ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَہٗ مِنْ طِیْنٍ ہ۔ یعنی آپ نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا اور اس کو آپ نے خاک سے پیدا کیا ہے، نفس کی جانب سے تھا جس کا دفعیہ نہ اس کا ذکر کر سکا اور نہ حق تعالیٰ کی تلقین و تذکیر سے ہوا اس کا سبب عبدیت اور عجز کا نہ ہونا تھا۔

نیز مشاہدہ سے محرومی تھی وہ طاعت و عبادت محض جسمانی تعب تھا، قلبی مشاہدہ نہ تھا کیوں کہ بعد مشاہدہ حجت کا پیش کرنا نہیں ہوتا

بلکہ تعمیل میں تسلیم ورضا ہوتی ہے یہ کیفیت ولمِ مشاہدے سے قبل ہی ہوا کرتے ہیں۔ علاماتِ فرق درمیان خیر من جانب اللہ تعالیٰ و ملک ملہم، جو خیر۔ قوت اور تصمیم قلب کے ساتھ وارد ہو کہ اس پر بلا عمل کئے چین نہیں آتا یا وہ خیر مجاہدہ اور طاعت کے بعد ہو یا وہ خیر اصول اور اعمال باطنہ میں سے ہو تو وہ من جانب اللہ ہے۔

وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا یعنی اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے قرب و ثواب یعنی جنت کے رستے ضرور دکھا دیں گے)، یہ آیت کریمہ اس پر دلیل ہے اور اگر ایسی قوت وحالت نہ ہو یا بدون مجاہدہ ابتداءً ہو یا فروعِ اعمال ظاہرہ سے متعلق ہو تو وہ خیر من جانب ملہم ہے علاماتِ فرق درمیان خطرۂ خیر من جانب اللہ تعالیٰ ومن جانب الشیطان جو خطرۂ خیر اس طرح وارد ہو کہ اس سے نشاط بلا خوف ہو اور عجلت بلا رکاوٹ ہو اور عمل بلا نظرِ انجام ہو وہ من جانب الشیطان ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ عجلت من جانب الشیطان ہے مگر پانچ مواقع میں نکاح باکرہ ادائے قرض تجہیز میت اطعام مہمان توبہ از گناہ۔

اور اگر خطرہ خیر کا وارد ہونا اس طرح نہ ہو بلکہ نشاط مع الخوف اور انجام پر نظر ہونے کے ساتھ ہو تو وہ من جانب اللہ تعالیٰ ہے اور من جانب ملک بھی کہا جاتا ہے۔

تنبیہ خوف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس خیر کے پورے طور پر ادا ہونے اور اس کو اس کے حق کے طریق پر ادا

ہونے کا خوف ہو، نیز قبول ہونے نہ ہونے کا احتمال ہو کر خوف ہو انجام پر نظر ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اس کے متعلق رشد وخیر اور ثواب آخرت میں دیکھنے اور امید رکھنے پر نظر ہو، دوسرا مطلب اور غرض نہ ہو۔

تنبیہ ملہم ایک فرشتے کا نام ہے جو دائیں جانب ابن آدم کے قلب پر جا بیٹھتا ہے اور وسواس ایک شیطان کا نام ہے جو بائیں جانب ابن آدم کے قلب پر جا بیٹھتا ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

اِذَا وُلِدَ لِابْنِ اٰدَمَ مولود قَرَنَ اللّٰهُ مَلَكًا وَقَرَنَ بِهٖ شَيْطَانًا فَالشَّيْطَانُ جَاثِمٌ عَلٰى اُذُنِ قَلْبِ ابْنِ اٰدَمَ الْاَيْسَرِ وَالْمَلَكُ جَاثِمٌ عَلٰى اُذُنِ قَلْبِهِ الْاَيْمَنِ فَهُمَا يَدْعُوَانِهٖ۔

یعنی جب بھی انسان کے کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ایک فرشتہ پیدا فرماتے ہیں اور ایک شیطان بھی، شیطان تو اس کے قلب کی بائیں جانب بیٹھ جاتا ہے اور فرشتہ اس کے قلب کی داہنی جانب پر اور وہ دونوں اس کو اپنی اپنی طرف بلاتے ہیں۔

تنبیہ شیطان کے خطرے اور شر کو دفع کرنے کے لئے معمولی توجہ اور ذکر اور لاحول کا ورد کفایت کرتا ہے، کیوں کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيْفًا یعنی واقع میں شیطانی تدبیر لچر ہوتی ہے۔ اصل علاج شیطانی وساوس کا یہ ہے کہ قطعاً اس طرف التفات نہ ہو اور التفات نہ ہونے کی پہچان یہ ہے کہ

ان وساوس پر مغموم و متفکر نہ ہو، بلکہ وسوسہ سے پہلے جو حال تھا اسی طرح رہے بلکہ وسوسے کا آنا اپنے مومن ہونے پر دلیل سمجھ کر مسرور ہو چنانچہ صحابہ کرامؓ نے جب وساوس کے آنے پر اپنا حال ذکر کیا کہ یارسول اللہ اب تو ایسے وسوسے آتے ہیں کہ اس سے تو ہمارا جل کر کوئلہ ہوجانا اچھا ہے، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ذَالِكَ صَرِيحُ الْإِيمَانُ یہ کھلی ہوئی ایمان کی دلیل ہے۔

چوروہیں آتا ہے جہاں کچھ ہوتا ہے البتہ ہوائے نفس کے دفع کے واسطے بہت ہی جد وجہد اور اس پر غیظ و قہر کی ضرورت ہے اس لئے ہوائے نفس کے دفع کے تین طریق ہیں۔

اوّل شہوات سے روکنا اس کی خوراک اس کو نہ دی جائے اس کی خواہشات بمقاومت نفس پوری نہ کی جائے جیسے کہ چوپایہ منہ زور کا جب چارہ روک دیا جاتا ہے یا کم کر دیا جاتا ہے، تو نرم پڑ جاتا ہے، اسی طرح خواہشِ نفس بھی آہستہ آہستہ مضمحل ہو کر منقطع ہوجاتی ہے

دوم عبادت کا بوجھ اس پر لادنا، جسطرح گدھا کہ جب اس کو چارہ کی کمی کے ساتھ بوجھ زیادہ لادا جاتا ہے تو پست و تابع اور منقاد ہوجاتا ہے، دولتی نہیں پھینکتا، اسی طرح نفس پر عباداتِ نافعہ کا بوجھ ڈالا جائے تو وہ رام ہوجاتا ہے۔ کشاکشی سے نکل جاتا ہے۔

سوم استعانت باللہ اور تضرع الی اللہ عزوجل جیسا کہ فرمایا۔

اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ یعنی نفس تو برا کہنے

سکا بڑی ہی بات تبلا آتے ۔ بجز اس نفس کے جس پر میرا رب رحم کرے۔

جب ان تینوں امور پر مواظبت کی جائے گی تو انشاء اللہ تعالیٰ نفسِ شریر منقاد و مطیع ہو جائے گا اور اس کے شر سے مامون و محفوظ رہے گا، مگر فکر رکھے غافل نہ ہو، کہیں غافل پاکر غلبہ نہ پالے۔

تنبیہ حقیقتِ نفس: انسان کے اندر ایک قوت ہے جس سے کسی چیز کی خواہش ہوتی ہے اسی کا نام نفس ہے۔ خواہ وہ خواہش خیر ہو یا شر اور یہ نفس تین طرح پر ہے۔ امارہ، لوامہ، مطمئنہ۔

نفس امارہ یہ ہے کہ اکثر شر کی خواہش کرے اور نادم بھی نہ ہو اسی درجے کا نام ہوائے نفس ہے۔

لوامہ شر کی طرف خواہش کرے اور نادم بھی ہو۔

مطمئنہ بیش از بیش خواہش خیر کی کرے۔ اس کو مطمئنہ کہتے ہیں

تنبیہ

خیال کی قسمیں اور اُن کا حکم حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری اُمّت کے لئے اُن کے خیالات سے تجاوز فرما دیا ہے جن کی وہ اپنے جی سے باتیں کرتے ہیں، جب تک کہ ان کو منہ سے نہ نکالیں ...... یا ان کو عمل میں نہ لادیں دوسری روایت میں ہے کہ ان کے سینوں میں جو وساوس پیدا ہوں

خیال کے مراتب پانچ ہیں: ایک ہاجس۔ دوسرا خاطر۔ تیسرا حدیث النفس۔ چوتھا ہم۔ پانچواں عزم۔

پس جب کوئی بات قلب میں ابتداءً واقع ہوئی اور اس نے نفس میں کوئی حرکت نہیں کی اس کو ہاجس کہتے ہیں۔ پھر اگر اس شخص کو توفیق ہوئی اور اوّل ہی سے اس کو دفع کر دیا تو وہ مابعد کے مراتب کی تحقیق کا محتاج نہ ہوگا اور اگر وہ نفس میں دورہ کرنے لگے یعنی وقوع ابتدائی کے بعد اس کے نفس میں اس کی آمد ورفت ہونے لگے مگر اس کے کرنے نہ کرنے کا کوئی منصوبہ نفس نے نہیں باندھا اس کو خاطر کہا جاتا ہے اور جب نفس کرنے نہ کرنے کا برابر درجے میں منصوبہ باندھنے لگا اور ان سے کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں ہوئی اس کو حدیثِ نفس کہتے ہیں سو یہ تین درجے ایسے ہیں کہ ان پر نہ عقاب ہے، اگر یہ شر میں

ہے اور نہ ثواب ہے، اگر خیر میں ہے پھر جب اس فعل کو کر لیا تب
اس فعل پر عقاب یا ثواب ہوگا اور ہاجس اور خاطر اور حدیث نفس پر
نہ ہوگا۔ پھر جب نفس میں فعل یا عدم فعل کا منصوبہ ترجیح فعل کے
ساتھ ہونے لگا، لیکن وہ ترجیح قوی نہیں ہے، بلکہ مرجوح ہے۔
جیساکہ وہم ہوتا ہے اس کو ہم کہتے ہیں اس پر ثواب بھی ہوتا ہے
اگر وہ خیر میں ہے اور عقاب بھی ہوتا ہے اگر وہ شر میں ہے پھر جب
فعل کا رجحان قوی ہوگیا یہاں تک کہ جازم مصمم بن گیا اس کو عزم کہتے
ہیں۔ اس پر بھی ثواب ہوتا ہے اگر خیر میں ہے اور عقاب ہوتا ہے،
اگر شر میں ہے۔

علاماتِ حصولِ نسبت مع اللہ

نسبت کے معنیٰ تعلق کے ہیں اور تعلق دو جانب سے ہوتا
ہے۔ یہاں پر نسبت مع اللہ کے معنیٰ یہ ہوں گے، ایک تعلق اللہ
تعالیٰ کا بندے کے ساتھ اور ایک تعلق بندے کا اللہ کے ساتھ اور
حصولِ نسبت مع اللہ کو حصولِ الی اللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بندے
کے ساتھ تعلق ہونے کے یہ معنیٰ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا تعلق بندے کے
ساتھ رضا کا ہو اور بندے کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہونے کے یہ
معنیٰ ہیں کہ دوام طاعت کثرتِ ذکر مع ملکۂ یادداشت جس کی علامت

یہ ہے کہ طاعات وعبادات کی طرف ایک اضطرابی رغبت ہوتی ہے اور معصیت ظاہری و باطنی سے ایسی نفرت ہو جیسے پیشاب پاخانہ سے ہوتی ہے اور اتباعِ سنت کا بکمال اہتمام ہو۔

تنبیہ عبادات میں نماز ایسی اعظم عبادت ہے کہ اگر اس کو پورے اہتمام آداب و شرائط کے ساتھ ادا کیا جائے تو کسی دوسری مستقل ریاضت کی ضرورت نہیں اس میں ذکر شغل مراقبہ اور اوشل تسبیحات استغفار، درود شریف وغیرہ سب جمع ہے۔ اس میں ذکر کا ہونا۔ کلام پاک کی تلاوت ہے۔ جو جامع اذکار ہے اور شغل بحالت قیام سجدہ کی جگہ نظر کا جانا بحالت رکوع قدم پر نگاہ رکھنا بحالتِ سجدہ بِرہ بینی پر نگاہ رکھنا بحالت جلسہ وقعدہ گود پر نگاہ جانا، بحالتِ سلام دائیں بائیں کندھے پر نگاہ رکھنا۔

مراقبہ بحالتِ تحریمہ باستحضارِ نیت اور کل صلواۃ میں اَللّٰہُ نَاظِرِیْ کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو دیکھ رہے ہیں، خیال رکھنا یہ مقام احسان کہلایا جاتا ہے جس کے لئے تمام مجاہدے اور ریاضتیں اختیار کی جاتی ہیں۔ جیسے کہ حدیث شریف میں ہے، جبرئیل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ مَا الْاِحْسَانُ کہ احسان کیا چیز ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرے گویا کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے کیونکہ اگر تو نہیں دیکھ رہا ہے تو اللہ

تعالیٰ تجھ کو دیکھ رہے ہیں۔

غرض نماز کو اس کے آداب و مستحبات اور شروط کے ساتھ ادا کرنے سے راہِ سلوک اور اس کا انتہائی درجہ مقامِ احسان حاصل ہو سکتا ہے اور لطائفِ ستہ کے آثار ظہور کر سکتے ہیں۔

لطائفِ ستہ اور ان کے آثار

نفسؔ، قلبؔ، روحؔ، سِرّؔ، خفیؔ، اخفیٰؔ، یہ چھ لطیفے ہیں۔ ان کے آثار یہ ہیں۔ نفس یعنی نفسِ مطمئنہ کی غذا معاصی سے قرار نہ پکڑنا ہے یعنی معاصی سے نفور رہنا ہے۔ قلب کی غذا ذکر ہے۔ روح کی غذا حضوری ہے۔ سِر کی غذا انکشافِ حقائق ہے۔ خفی کی غذا شہود و فنا ہے اخفیٰ کی غذا فناء الفنا ہے۔ (بعض نے اس میں کسی قدر اختلاف کیا ہے) نماز میں ان لطائفِ ستہ کے آثار کے ظہور کی صورت یہ ہے کہ صلوٰۃ سات درجے کی ہے۔ صلوٰۃِ تن، صلوٰۃِ نفس، صلوٰۃِ قلب، صلوٰۃِ روح۔ صلوٰۃِ سِر۔ صلوٰۃِ خفی۔ صلوٰۃِ اخفیٰ۔

- صلوٰۃِ تن، مانع عن المعاصی ہوتی ہے۔
- صلوٰۃِ نفس، مانع عن العلائق ہوتی ہے۔
- صلوٰۃِ قلب مانع عن الغفلۃ الکثیرۃ ہوتی ہے۔
- صلوٰۃِ روح، غیر کے دیکھنے سے مانع ہوتی ہے۔
- صلوٰۃِ سِر، مانع توجہ عن ماسوی اللہ ہوتی ہے۔
- صلوٰۃِ خفی، انسان کو مرتبۂ انابت میں پہنچاتی ہے کہ اس

سے اس پر حقیقت ظاہر ہوتی ہے۔

ہ صلوٰۃ اخفیٰ، مشاہدہ ذاتِ بحت، اور جامعیتِ مقام معراج ہوتی ہے۔

شرطِ اجازت شیخ طالب کو جب برابر مجالست و مکاتبت وغیرہ سے مسلسل اصلاح کی طرف باستقلال و استقامت متوجہ پاتا ہے اور وہ اس راہِ سلوک کو طے کرتا ہوا سیر الی اللہ تک پہنچ جاتا ہے تو اس وقت شیخ اس مرید طالب کو خلافتِ بیعت سے نوازتا ہے

سیرِ سلوک دو قسم پر ہے
سیر الی اللہ و سیر فی اللہ

سیر الی اللہ یہ ہے کہ امراضِ نفسانیہ جو کہ اخلاقِ رذیلہ ہیں ان سے نفس کا پاک ہونا جس کو تزکیۂ نفس کہتے ہیں جس کا ذکر قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا (یعنی بے شک جس نے نفس کو صاف کیا کامیاب رہا۔) میں ہے اور قلب کا اخلاقِ حمیدہ و فاضلہ سے آراستہ ہونا جس کو تحلیہ و تجلیہ کہتے ہیں ان کا حاصل ہونا جس کو سلوک میں مقامات سے تعبیر کیا جاتا ہے پس جب ان مقامات کے حصول اور تزکیہ نفس میں رسوخ ہو جاتا ہے اور اس کے ازالہ اور حصول کے طرق و تدابیر سے واقفیت ہو جاتی ہے اس وقت اس کو سیر الی اللہ پر پہنچنے کے بعد اس طالب کو اجازت دی

جاتی ہے۔

سیرفی اللہ سیرالی اللہ کے بعد قلب سے اندر تزکیہ اور تقویٰ سے ایک خاص جلاء اور نور پیدا ہوتا ہے اور برابر قلب انقطاع ماسوی اللہ کے ساتھ شغل بحق رکھتا ہے تو حق تعالیٰ کی ذات وصفات اور افعال نیز حقائق کونیہ وحقائق اعمال شرعیہ ومعاملات ما بین اللہ و بین العبد منکشف ہوتے رہیں۔ اس کو سیرفی اللہ کہتے ہیں اور اس کی کوئی نہایت نہیں کہ حسب استعداد بشغل حق بتفرید (کسی چیز کو اپنی طرف منسوب نہ کرنے) وتجرید (دنیاوی اور اخروی اغراض کو ترک کر دینے کے ساتھ) ترقی ہوتی رہتی ہے۔

تنبیہ شیخ مرید کو سیرالی اللہ کے مرتبے پر پہنچنے کے بعد ہی مجاز بیعت کر دیتا ہے اور کبھی سیرفی اللہ کے حصول کا انتظار کرتا ہے۔ یہ مرید کے حال اور شیخ کے ذوق پر منحصر ہے۔

دوسرا شیخ تجویز کرنا اس کی چند صورتیں ہیں۔ شیخ اول کا متبع شرع نہ پانا یعنی بدعت یا اصرار کبیرہ پر دیکھنا یا شیخ اول سے باوجود متشرع، متبع سنت ہونے کے مناسبت کا نہ ہونا یا شیخ اول کا انتقال کر جانا۔ اس تیسری صورت میں بدون بیعت کسی دوسرے شیخ سے صرف اپنی اصلاح کی تکمیل کرانا یا دوسرے شیخ سے بیعت ہونے کے ساتھ اصلاح کیلئے متوجہ ہونا۔

چنانچہ ہمارے حضرت دادا پیر حاجی امداد اللہ صاحب نور اللہ

مرقدہٗ اول سلسلہ نقشبندیہ سے مجاز بیعت تھے اُن کا انتقال ہونے کے بعد چونکہ ابھی طبیعت کو سیری نہ ہوئی تھی۔ اس لئے سلسلۂ چشتیہ میں حضرت میانجیو نور محمد صاحب جھنجھانوی نور اللہ مرقدہٗ سے بیعت فرمائی اور حضرت میانجیو صاحب کی طرف سے مجاز بیعت ہوئے جن کے فیوض و برکات سے آج عرب و عجم فیض یاب ہیں

تنبیہ دوسرا شیخ تجویز کرنے پر پہلے شیخ کی شان میں کبھی سُوء ادبی قولاً فعلاً، غائباً، حاضراً ہرگز نہ کرے اگرچہ شیخ اول متشرع نہ رہا ہو کہ یہ سخت وبال ہے۔

موانع

یوں تو جتنے بھی معاصی اور تعلقات ماسوی اللہ ہیں سب اس راہِ سلوک کے رہزن ہیں۔ مگر چند ضرر رساں چیزوں کو بیان کیا جاتا ہے جن سے سالک کو بے حد پرہیز کرنا چاہئے ورنہ تو ساری محنت رائیگاں اور بے کار جائے گی۔

۱۔ ایک مانع مخالفتِ سنت ہے، افسوس اس زمانے میں رسوم و بدعات کی بڑی کثرت ہے اور تصوف بھی انہیں رسوم و بدعات کا نام رہ گیا ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے فرمایا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یُوْشِکُ اَنْ یَّاْتِیَ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ لَا یَبْقٰی مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اِسْمُهٗ وَلَا یَبْقٰی مِنَ الْقُرْاٰنِ اِلَّا رَسْمُهٗ (الحدیث رواہ بیہقی)

یعنی عنقریب لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آوے گا کہ نہ باقی رہے گا

گا اس میں اسلام سے مگر نام ہی نام اور نہ باقی رہے گا قرآن سے مگر صرف خطوط و نقوش۔

۲- یہ کہ غلطی سے کسی بے شرع پیر سے بیعت کرلی، اب ساری عمر اسی کو نباہتا رہے جب وہ خود واصل نہیں تو اس کو کیسے واصل کرے گا۔

۳- یہ کہ لڑکوں اور عورتوں کو دیکھنا یا اُن کے پاس بیٹھنا اٹھنا ہے جواہر غیبی میں لکھا ہے کہ ایک شخص طواف کرتا جاتا تھا اور کہتا تھا۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْکَ یعنی اے اللہ میں تجھ سے تیری پناہ میں آتا ہوں کسی نے اس کا حال دریافت کیا کہنے لگا ایک بار کسی حسین امرد کو نظر شہوت سے دیکھا اسی وقت غیب سے ایک طمانچہ لگا جس سے آنکھ جاتی رہی۔

یوسف بن حسین فرماتے ہیں۔

رَأَیْتُ اٰفَاتَ الصُّوْفِیَۃِ فِیْ صُحْبَۃِ الْاَحْدَاثِ وَ مُعَاشَرَۃِ الْاَضْدَادِ وَرِفْقِ النِّسْوَانِ۔

یعنی دیکھا میں نے آفات صوفیہ کو امردوں کے میل جول کرنے اور ناجنسوں سے ملنے میں اور عورتوں سے نرمی برتنے میں شہوت بالنسا سے زیادہ اشد امردوں (یعنی بے ریش) لڑکوں کی شہوت ہے آجکل امردوں کے ساتھ ابتلا عام ہو رہا ہے۔ یہ فعل حرمت میں سب سے بڑھا ہوا ہے، اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

بڑا ڈر مجھ کو اپنی اُمّت پر قوم لوط کے فعل کا ہے۔ (ابن ماجہ)

دوسری حدیث میں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سات قسم کے گنہگاروں پر ساتوں آسمان کے فرشتے لعنت کرتے ہیں یہ لعنت بھی اس کثرت سے ہوتی ہے کہ ملعون کو تباہ کرنے کے لئے کافی ہوجاتی ہے (ان میں سے اول) اغلام کرنے والا ملعون ہے آپ نے یہ تین بار فرمایا۔ (الحدیث طبرانی)

نیز ایک حدیث میں ہے، اللہ تعالیٰ اس مرد کی طرف دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے جو کسی مرد سے لواطت کرے (الحدیث)

بعض لوگ ایسے ہیں جو شہوت سے پاک وصاف ہیں، مگر ان میں بھی اکثر نظر کے مرض میں مبتلا ہیں۔ حالانکہ زنا آنکھوں سے بھی ہوتا ہے۔ اس میں بھی بہت کم لوگ احتیاط کرتے ہیں، حالانکہ نظر فعل کا مقدمہ ہے اور فقہ کا قاعدہ ہے کہ حرام فعل کا مقدمہ بھی حرام ہوتا ہے، خوب اچھی طرح سمجھ لیں۔

۴۔ ایک مانع زبان درازی اور دعویٰ کمالات اور شریعت یا اللہ تعالیٰ کے ساتھ گستاخی اور بے ادبی ہے، جیسے بعض جاہل پیر کرتے ہیں۔

۵۔ ایک مانع یہ ہے کہ شیخ کی تعلیم کے علاوہ از خود مجاہدہ کرنا کہ چند روز میں گھبرا کر وہ تھوڑا تعلیم کیا ہوا بھی چھوٹ جاتا ہے، چنانچہ بہت سے لوگوں کو ایسا اتفاق ہوا اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا کہ اعمال میں اتنا اختیار کرو کہ اکتا نہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ نہیں اکتاتا جب تک تم نہ اکتا جاؤ۔

۴۔ ایک مانع مجاہدات کے ثمرات میں عجلت اور تقاضہ کرنا ہے کہ اتنے دن مجاہدہ کرتے ہوگئے اب تک کچھ نتیجہ نہیں ہوا پھر اس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ یا تو شیخ سے بد اعتقاد ہوجاتا ہے۔ یا مجاہدہ کو ترک کردیتا ہے طالب کو سمجھنا چاہیے کہ کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو دفعتہً حاصل ہوجاتی ہو، دیکھو یہی شخص خود کسی وقت بچہ تھا کتنے دنوں میں جوان ہوا پہلے جاہل تھا، کتنے دنوں میں عالم ہوا غرض عجلت و تقاضہ اپنے شیخ پر فرمائش ہے جو بہت مضر ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر ایسا شخص اپنے رہبر پر قناعت نہیں رکھتا۔ ہرکس وناکس سے چارہ جوئی کرتا ہے اور پھر ہرجائی ہونے کی وجہ سے اس کے اوپر سے شیخ کی عنایت و لطف بھی جاتا رہتا ہے اور پھر مزید براں یہ کہ جس چیز کو جلدی چاہتا ہے اس کا حصول اختیار سے خارج ہوتا ہے اس سے اور بھی پریشانی بڑھتی ہے غرض ظاہراً و باطناً ہر طرح سے برائی ہی برائی ہاتھ آتی ہے۔

۵۔ ایک مانع شیخ سے محبت و عقیدت میں فتور ڈالنا یا اس سے بھی بڑھ کر شیخ کا رنجیدہ کرنا اور اس کو ایذا پہنچانا ہے کہ اس سے مناسبت باقی نہیں رہتی اور بدون مناسبت کے طالب کو نفع نہیں ہوسکتا اور مناسبت شیخ کے یہ معنی ہیں کہ شیخ سے مرید کو اس قدر موانست و عقیدت ہوجائے کہ شیخ کے کسی قول و فعل

د حال سے مرید کے دل میں طبعی نکیر نہ پیدا ہو گو یہ عقیدت عقلی ہی ہو یعنی شیخ کی سب باتیں مرید کو پسند ہوں اور یہی مناسبت بیعت کی شرط ہے لہٰذا اس کا بہت اہتمام چاہیے اس کی سخت ضرورت ہے جب تک یہ نہ ہو مجاہدات، ریاضات، مراقبات و مکاشفات سب بیکار ہیں، کوئی نفع نہ ہوگا۔ اگر طبعی مناسبت نہ ہو تو عقلی پیدا کر لی جائے۔ اس پر نفع موقوف ہے، اسی لئے جب تک پوری طرح مناسبت نہ ہو بیعت نہ کرنا چاہیے۔ جب پوری طرح محبت و مناسبت ہو جائے اُس وقت پیر سے بیعت زیادہ نافع ہے۔

فصل در مفاسد اُمورِ غیر اختیاریہ

منجملہ موانع طریق سلوک کے دو امراض خاص ہیں جو اس قدر کثیر الوقوع ہیں کہ شاید ہی کوئی سالک ان میں مبتلا ہونے سے بچا ہو بلکہ بعض اہل علم بھی ان میں مبتلا ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ بعض امور غیر اختیاریہ کی تحصیل کی فکر میں پڑ جاتے ہیں جیسے ذوق و شوق استغراق و لذت، یکسوئی و دفع خطرات و سوزش و انجذاب و عشق طبعی وغیرہ اور ان امور کو ذکر و شغل و مجاہدات کے ثمرات سمجھے جاتے ہیں اور ان کے حاصل نہ ہونے کو حرمان سمجھتے ہیں۔

دوسرا امر یہ ہے کہ بعض امور غیر اختیاریہ کے ازالہ کے اہتمام

میں لگ جاتے ہیں جیسے قبض ہجوم خطرات اور دل نہ لگنا یا کسی آدمی یا مال کی طبعی محبت یا شہوت یا غضب طبعی کا غلبہ یا قلب میں رقت نہ ہونا یا رونا نہ آنا یا کسی دنیوی غم کا غلبہ یا کسی دنیوی خوف کا غلبہ وغیرہ اور ان امور کو طریق کے لیئے مضر اور مقصود سے مانع سمجھتے ہیں اور ان کے زائل نہ ہونے کو اللہ تعالیٰ سے بُعد کا موجب سمجھتے ہیں یہ ہیں وہ دو امر جن میں عام طور پر اہل سلوک مبتلا ہیں اور امر مشترک ان دونوں امروں میں یہ امر ہے کہ امور غیر اختیاریہ کے درپے ہوتے ہیں حاصل کرنے میں یا ازالہ کرنے میں اور امور غیر اختیاریہ کے درپے ہونا بہت سے مفاسد پر مشتمل ہے ان میں سے ایک مفسدہ یہ ہے اور یہ اعتقادی مفسدہ ہے کہ درپردہ اس میں حق تعالیٰ کے ارشاد لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا کی مزاحمت ہے کیونکہ جب یہ غیر اختیاریہ ہیں تو انسان کی وسعت میں نہ ہوئے اور جس چیز کی تحصیل اختیار میں نہیں اس کا ازالہ بھی اختیار میں نہیں اسی طرح جس چیز کا ازالہ اختیار میں نہیں اس کی تحصیل بھی اختیار میں نہیں پس جب یہ انسان کی وسعت میں نہ ہوئے اور سالک نے ان کی تحصیل یا ازالہ کو موقوف علیہ مقصود کا سمجھا چونکہ مامور بہ ہے اور ظاہر ہے کہ مامور بہ کا موقوف علیہ مامور بہ ہوتا ہے تو اس نے ان امور کی تحصیل یا ازالہ کو مامور بہ سمجھا اور مامور بہ کیلئے وسعت کا شرط ہونا نص سے ثابت ہے اور یہ وسعت میں نہیں تو گویا یہ معتقد ہوا اس امر کا کہ مامور بہ کیلئے وسعت شرط نہیں تو صریح مزاحمت ہوئی ارشاد لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا کی اور یہ کتنی بڑی غلطی ہے۔

دوسرا مفسدہ یہ ہے اور یہ عملی مفسدہ ہے کہ جب یہ امور

اختیاری نہیں تو کوشش کرنے سے نہ حاصل ہوں گے اور نہ زائل ہوں گے اور یہ تحصیل اور ازالہ کے لیے کوشش کرے گا اور جب کامیابی نہ ہوگی تو روز بروز پریشانی ہی بڑھے گی۔ پھر اس پریشانی کے یہ آثار محتمل ہیں۔

اوّل پریشانی کے تواتر سے کبھی بیمار ہو جاتا ہے پھر بیماری میں بہت سے اوراد و طاعات سے محروم رہ جاتا ہے۔

دوم پریشانی و غم کے غلبہ سے بعض اوقات اخلاق میں تنگی ہو جاتی ہے اور دوسروں کو اس سے اذیت پہنچتی ہے۔

سوم غم و فکر کے غلبہ سے بعض اوقات اہل و عیال و دیگر اہل حقوق کے حقوق میں کوتاہی ہونے لگتی ہے اور معصیت تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔

چہارم کبھی یہ پریشانی اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ مقصود سے مایوس ہو کر خودکشی کر لیتا ہے اور خَسِرَ الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃ کا مصداق بن جاتا ہے۔

پنجم کبھی مایوس ہو کر اعمال و اطاعت کو بے کار سمجھ کر سب چھوڑ بیٹھتا ہے اور بطالت و تعطلِ محض کی نوبت پہنچ جاتی ہے۔

ششم کبھی شیخ سے بد اعتقاد ہو جاتا ہے کہ مقصود کا راستہ شیخ کو معلوم نہیں۔

ہفتم کبھی حق تعالیٰ سے ناراض ہو جاتا ہے کہ ہم اتنی کوشش اور

مجاہدہ کر رہے ہیں مگر کامیابی ہی نہیں ہوتی نہ ذرا رحمت نہیں فرماتے بالکل توجہ نہیں ہے خدا جانے وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا (الآیۃ) اور مَنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ اِلَیْهِ ذِرَاعًا (الحدیث) یہ تمام وعدے کہاں گئے تو نعوذ باللہ نصوص کی صریح تکذیب کرنے لگتا ہے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْهُ
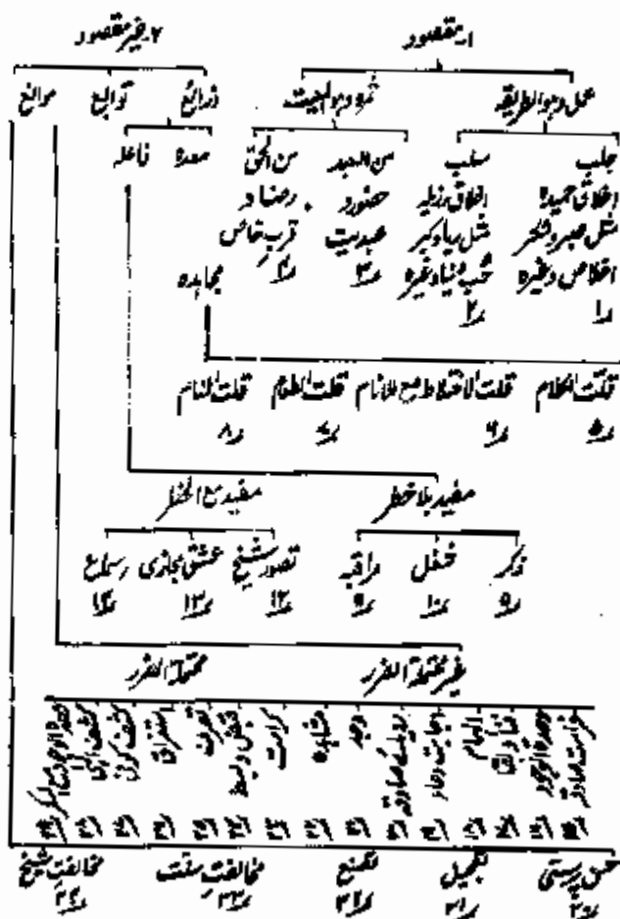
لطائفِ ستّہ کا بیان

لطائف جمع کا صیغہ ہے۔ اس کا واحد لطیفہ ہے۔ یعنی وہ چیز جس میں کثافت نہ ہو۔ مراد ان سے وہ چیزیں ہیں جو مادّی نہ ہوں۔ مادہ سے مجرّد اور خالی ہوں۔ غیر مادّی قوتیں جن کو انسانی اعضاء سے تعلق ہوتا ہے۔ ان کی تعداد چھ ہے۔ لطیفۂ نفس۔ لطیفۂ قلب۔ لطیفۂ روح۔ لطیفۂ سِرّ۔ لطیفۂ خفی۔ لطیفۂ اخفیٰ محققین اہل فنِ تصوف نے ان کے محل اور مواقع بھی متعین فرمائے ہیں اور ان کے رنگ و الوان بھی بیان فرمائے ہیں اور افعال و آثار بھی۔ چنانچہ کہا ہے کہ لطیفۂ نفس کا محل تحت السرہ ہے اور اس کا رنگ زرد ہے اور لطیفۂ قلب کا محل قلب صنوبری ہے جو بائیں پستان کے دو انگل نیچے ہے اور اس کا رنگ سرخ ہے اور لطیفۂ روح کا محل دائیں پستان کے دو انگل نیچے ہے قلب صنوبری کے محاذی ہے (اسی لئے لطیفۂ قلب اور لطیفۂ روح دونوں کو ذاکر بنانے کے لئے دو ضربی ذکر کیا جاتا ہے) اور لطیفۂ روح کا رنگ سفید ہے۔ لطیفۂ سِر کا محل ذقن کے نیچے سینہ کے بیچوں بیچ ہے۔

اس کا رنگ سبز ہے لطیفہ خفی کا محل دونوں ابروؤں کے درمیان ہے اس کا رنگ نیلگوں ہے۔ لطیفہ اخفیٰ کا محل ام الدماغ ہے جو کہ دماغ میں ایک نقطہ ہے۔ جس کو جوہر دماغ کا مرکز کہا جاتا ہے۔ اس لطیفہ کا رنگ سیاہ ہے جیسے مردمک چشم یہاں اگر کسی صاحب علم کو یہ شبہ ہو کہ لطائف جبکہ مادی نہیں، مجرد ہیں تو ان کے لئے الوان ہونا کیسے ثابت ہوا چونکہ الوان کے لئے تجسم یعنی ذی جسم ہونا لوازم سے ہے۔ پس لطائف جو کہ غیر مادی ہیں ان کے لئے الوان کا ثبوت مشکل ہے۔

سو سمجھنا چاہیے کہ یہ الوان عین لطائف کے نہیں ہیں بلکہ ان لطائف کی تجلیات مثالیہ کے الوان ہیں۔ چونکہ تجلی مثالی ہر مجرد اور بے کیف شئی کی ہو سکتی ہے حتیٰ کہ واجب تعالیٰ کی بھی۔ چنانچہ بہت واقعات ہیں کہ لوگوں نے باری تعالیٰ کو خواب میں دیکھا۔ حالانکہ اس عالم میں مرئی یعنی جس کو دیکھا جائے اس کے لیئے تجسم، جسم دار ہونا نہایت ضروری ہے تو یہ رؤیت یعنی خواب میں دیکھنا تجلی مثالی ہی پر محمول ہے۔ جیسا کہ بعض لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو کسی خاص شکل میں دیکھا ہے۔

سو حقیقت یہ ہے کہ واجب تعالیٰ شانہ کی مِثل تو ممتنع ہے چنانچہ ارشاد ہے لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ لیکن مَثَل و مثال کا اثبات ممتنع نہیں جیسا کہ ارشادِ ربانی و نصِ قرآنی ہے مَثَلُ نُوْرِهٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْهَا مِصْبَاحٌ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی تو مَثَل کا ہونا حق تعالیٰ کے لئے صراحتہً مذکور ہے اور مثال اس کا مرادف ہے۔

دونوں لفظوں کا صیغہ وشکل مختلف ہے مگر متحد المعنیٰ ہیں۔ دونوں کے معنی ایک ہی ہیں معلوم ہوا واجب تعالیٰ کے لئے مثل تو ثابت نہیں لیکن مثل اور مثال ثابت ہے اور راز اس میں یہ ہے کہ مثل کا اطلاق مشارک فی النوع پر ہوا کرتا ہے اور واجب تعالیٰ کے لئے کوئی نوع نہیں جس میں کسی کی مشارکت ہو سکے اس لئے واجب تعالیٰ کے لئے اثباتِ مثلیت محال ہے۔ بخلاف مثال کے کہ مثال کا اطلاق مشارک فی الوصف پر ہوتا ہے اور وصف کلی مشکک ہے جس میں افراد مختلف اور متفاوت ہوتے ہیں ان میں کمی بیشی کا تحقق ہوتا ہے۔ پس واجب تعالیٰ میں جو وصف اشدیت واکملیت کے ساتھ ہوتا ہے وہ مخلوق میں اضعفیت اور انقصیت کے ساتھ ہوتا ہے مثلاً حق تعالیٰ کے لیئے بھی سمع و بصر ہے اور مخلوق کے لئے بھی۔ تو مخلوق وصف سمع و بصر میں حق تعالیٰ کی مثال ہے کہ واجب تعالیٰ کا سمع و بصر اقویٰ و اعلیٰ ہے اور مخلوق کا سمع و بصر اضعف و ادنیٰ ہے۔ لیکن مطلق وصف میں تو مشارکت ہوگئی اس سے حدیث شریف خَلَقَ اللّٰہُ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ کے معنیٰ سمجھ لیجئے کہ صورت کے معنیٰ یہی مثال ہے مطلب یہ ہوا کہ خلق اللّٰہ آدم علیٰ مثالہٖ۔ اس لیے سمع و بصر وجہ وغیرہ آدم مخلوق ممکن اور واجب تعالیٰ میں مشترک ہیں اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وجہ پر مارنے سے منع فرمایا ہے تو حدیث میں صورت کے لفظ سے شکل مراد نہیں بلکہ ظہور و مثال ہے جیسے محاورہ میں کہا جاتا ہے کہ صورتِ مسئلہ اس طرح ہے یعنی اس کی وضاحت، ظہور و بیان یہ ہے۔

غرض لطائف کی تجلیات مثالیہ کسے الوان گویا لطائف کے الوان ہیں
تجلی مثالی کی حقیقت یہ ہے کہ ذی مثال کے مشابہ ایک ایسی شی ظاہر ہو
جس سے کسی قدر زائد وضاحت کے ساتھ ذی مثال کا تصور ہو جائے مثال
اور ذی مثال میں تمام وجوہ کے ساتھ تشابہ ضروری نہیں جیسے زید کا اسد
کہ زید شیر کے مثل ہے۔ اس سے مقصود صرف وصف شجاعت میں
دونوں کا شریک ہونا بتلانا ہے۔ اس کے سوا اور کچھ مقصود نہیں۔ اور یہ
بھی ظاہر ہے کہ وصف شجاعت ایک کلی مشکک ہے۔
شیر میں یہ وصف بہت زیادہ پایا جاتا ہے اور زید میں بہت کم ہے
اسی طرح جب باری تعالیٰ کو کسی شکل میں دیکھا جائے تو مثال تو حادث ہوتی
ہے لیکن ذی مثال واجب تعالیٰ قدیم ہے۔ لہٰذا تجلی مثالی بعض خاص
اوصاف کے اعتبار سے ہے۔ قدم و حدوث کے اعتبار سے نہیں اور
اس تجلی کے وقت صاحب واقعہ کو علم ضروری کے طور پر اس مثال کا مرأت
ہونا معلوم ہوتا ہے اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ
میدان قیامت میں حق تعالیٰ متجلی ہوں گے (تجلی فرمائیں گے) لیکن اہل
محشر پہچان سے عاجز رہ جائیں گے کیوں کہ حکمت ابتلاء سے ان کو اس
تجلی کا تجلی مثالی ہونا معلوم نہ ہوگا۔ اس کے بعد دوسری مرتبہ حق تعالیٰ
متجلی ہوں گے تو پہچان لیں گے اور پہچانتے ہی سجدہ میں گر پڑیں گے
یہ دونوں تجلیاں قیامت میں بالاتفاق امت، مثالی ہوں گی۔ کیوں کہ
موطن قیامت تو عالم ناسوت ہی کے اجزاء سے ہے اور عالم ناسوت

میں ذات مرئی نہیں ہوتی۔ لہٰذا یہ تجلیِ مثالی ہوگی۔ البتہ جنت میں جو تجلی ہوگی وہ تمام فرقِ اسلامیہ کے نزدیک ذاتی ہوگی۔ بے کیف ہوگی۔

بہرحال الوانِ لطائف کے ضمن میں یہ بات چلی تھی تو ثابت ہوگیا کہ یہ الوانِ نفسِ لطائف کے نہیں بلکہ درحقیقت ان کی تجلیاتِ مثالیہ کے الوان ہیں مجازاً لطائف کے الوان کہے جاتے ہیں لہٰذا اس طرح الوان کی نسبت لطائف کی طرف ہوتی ہے

افعالِ لطائفِ ستہ

لطائف کی تعداد اور ان کے محال اور الوان بیان ہوچکے اب ان کے افعال بیان کئے جاتے ہیں۔

نفس امّارہ، لوّامہ، مطمئنہ

اوّل لطیفہ نفس ہے جس کے تین درجے ہیں نفس امّارہ، نفس لوّامہ، نفس مطمئنہ۔ نفس کا اصل فعل غفلت ہے اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ نفس کا اصل فعل شہوت ہے چونکہ غفلت اور شہوت میں تلازم ہے۔ غفلت سے شہوت پیدا ہوتی ہے اور شہوت سے غفلت تو نفس کا فعل مجموعہ غفلت و شہوت ہے۔ یہ غفلت و شہوت کلی مشکک ہے اس لیے اس کے افراد شدت وضعف میں مختلف ہیں۔ نفس کی اصلاح مجاہدات و طاعات سے ہوتی ہے یعنی ریاضت و تقویٰ سے شہوت و غفلت میں کمی ہو جاتی ہے اس کمی کا نام سکون ہے جس کے تین درجے ہیں ۱۔ سکون کامل و تام ۲۔ غیر کامل و غیر تام ۳۔ عدم سکون مطلقاً۔ پہلے درجے میں نفس کا نام مطمئنہ ہے۔ دوسرے درجے میں اس کا نام لوّامہ ہے تیسرے درجہ میں اس کا نام

امارہ بالسوء ہے اس کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ نفس مجاہدہ اور ریاضت
اور زہد و طاعت، ورع و تقویٰ میں انسان کی مقاومت کرتا ہے۔
اسی طرح مقابلہ کرتے کرتے اگر نفس مغلوب ہوگیا اور اس میں بالکل
شانِ اطاعت پیدا ہوگئی تو نفس مطمئنہ کہلاتا ہے کیوں کہ یہ حالت اطمینان
کی ہے۔ صدور شر سے اطمینان ہوگیا اور اگر بالکل مغلوب نہیں ہوا۔ بلکہ
کبھی غالب، کبھی مطیع کبھی مطاع ہوتا ہے تو اس حالت میں نفس لوامہ
کہلاتا ہے کیوں کہ اس حالت اور اس درجہ میں نفس افعال شنیعہ کے
ارتکاب سے نادم بھی ہوتا ہے اور اپنے آپ کو ملامت بھی کرتا ہے
اور اگر نفس اس مقابلہ و مقاومت میں ہمیشہ غالب اور مطاع ہی رہتا ہے
تو اس حالت میں امارہ بالسوء کہلاتا ہے کیوں کہ ہمیشہ سوء اور قباحت
و شناعت کی راہ میں مبتلا رہتا ہے۔ یہ نفس کے تین درجے ہوئے۔

انتباہ نفس مطمئنہ امورِ خیر میں مزاحمت و مقاومت تو نہیں کرتا مگر اس
کو وساوس و خطرات پیش آجاتے ہیں جس سے انسان کی ترقی
اور اس کے کمال میں ازدیاد ہوتا ہے۔ جیسے شائستہ تعلیم یافتہ گھوڑا
کبھی کبھی شوخی کرتا ہے لیکن سوار کے اشارہ ہی سے درست ہوجاتا ہے
اسی طرح نفس مطمئنہ۔ وساوس و خطرات کے درجہ میں کبھی کبھی خفیف
و ضعیف مقاومت کرتا ہے لیکن سالک کے اشارہ پر درست ہو جاتا
ہے تو چونکہ نفس مقاومت کو کالعدم قرار دیا ہے اور اس حالت کو سکون
تام سے تعبیر کیا گیا ہے یہ لطیفہ نفس کے فعل کا حال بیان کیا گیا ہے۔

اب لطائف خمسہ باقیہ کا فعل جو سب میں مشترک ہے بیان ہوتا ہے وہ فعل مقصود حقیقی کی طرف توجہ اور اس کا تصور ہے اسی تصور کو ذکر، یاد، دھیان وغیرہ الفاظ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے تو ان لطائف خمسہ کے فعلِ تصور کی اصل حقیقت اس قدر ہے کہ نفسِ ذات باری تعالیٰ کا تصورِ ذہنی اور ذکر مفرد کیا جائے اور لفظ اللہ کے کیلئے کوئی محمول یا خبر کا ثابت ہونا جیسے اللہ قادر، اللہ علیم، اللہ سمیع، اللہ بصیر، وغیرہ کہنا اصل ذکر کے تحقق کے لئے لازم نہیں۔ بس لفظ اللہ ہی کافی ہے۔ کیوں کہ بالاتفاق ایسا ذکر، ایسا تصور جائز ہے۔ دیکھئے باتفاق علماء جب ذکر قلبی بغیر محمول وخبر جائز ہے تو ذکر لسانی بھی جائز ہے اور پھر یہ کہ حقیقتاً ذکر لسانی تو ذکر قلبی ہی کی حکایت ہے اور حکایت اگر محکی عنہ کے مطابق ہو تو اسمیں کیا محظور، کیا خرابی ہو سکتی ہے اس کو یوں سمجھو کہ تصور کے درجات مختلف ہیں۔

ذکر، حضور، مکاشفہ، شہود، مُعائنہ

مثلاً ۱ ایک شخص محبوب ہے جو موجود و حاضر نہ ہو بلکہ غائب اور غیر موجود ہو۔ اس کو یاد کیا جائے ۲ وہ محبوب سامنے موجود ہو لیکن مسافت بعیدہ پر ہو جس سے خط وخال اچھی طرح نظر نہ آسکیں اس کا تصور کیا جائے ۳ وہ سامنے مسافت قریبہ پر ہو جس سے خط وخال اچھی طرح نظر آسکیں اس کا تصور کیا جائے ۴ وہ شخص بالکل قریب موجود ہو اس کے تصور و دیدار میں اس قدر محویت ہو جائے کہ فرط عشق ومحبت کی وجہ سے اپنی بھی خبر نہ رہے ۵ پانچویں

وہ محویت یہاں تک ترقی کرے کہ بے خبری کی بھی خبر نہ رہے یہ تصور کے پانچ درجات ہیں۔ ان میں چوتھا اور پانچواں درجہ نُعاس اور نوم غرق سے مشابہ ہے۔ چوتھا نُعاس کے مانند ہے کہ نُعاس (اونگھ) میں صاحب نعاس کو یہ علم ہوتا ہے کہ میں نعاس میں ہوں لیکن جسم و دماغ پر ایک نیم شعوری کیفیت چھائی رہتی ہے گو دیگر اشیاء سے لاعلمی ہوتی ہے مگر اس لاعلمی کا علم ہوتا ہے اور پانچواں درجہ بالکل نوم غرق کے مانند ہے کہ صاحب نوم غرق کو اس کا بھی علم نہیں ہوتا کہ میں نوم میں ہوں بس لا یدری کا پورا مصداق ہوتا ہے ورنہ وہ صاحب نوم، غرق نہیں ہوگا۔ کیوں کہ نوم غرق کے خواص و لوازم سے ہے کہ لاعلمی و بے خبری سے بھی لاعلمی و بے خبری ہو۔ جب تمثیل سے اتنی بات سمجھ میں آگئی تو اب تصوف کے پانچوں اصطلاحی درجوں کو سمجھئے۔ صوفیاء کے یہاں درجہ اوّل کا نام ذکر ہے۔ کیونکہ اس میں محض یاد ہے۔ دوسرے درجہ کا نام حضور ہے کیوں کہ اس میں متصوَّر اور مرئی سامنے ہوتا ہے۔ تیسرے درجہ کا نام مکاشفہ ہے کیوں کہ مرئی کے غایت قرب کی وجہ سے حضور تام اور خط و خال کا کامل انکشاف ہوتا ہے چوتھے درجہ کا نام شہود و مشاہدہ ہے کیوں کہ صوفیاء کی اصطلاح میں شہود و مشاہدہ حضور اتم واکمل کو کہتے ہیں اور اس درجہ میں حضور اتم واکمل سے غایت شیفتگی و فریفتگی اور حالت ذوق، والہانہ اور والعانہ ہوتی ہے اس درجہ کا نام فناء بھی ہے کیوں کہ محویت کی وجہ سے اپنی ہستی کا علم نہیں ہوتا

پانچویں درجہ کا نام معائنہ ہے معائنہ سے مراد اصطلاحاً وہ حضور و معائنہ ہے جو شہود اصطلاحی سے زائد ہو اور اس درجہ میں نفی ائمہ شہود اصطلاحی سے زائد ہوتا ہے کیونکہ لاعلمی سے بھی لاعلمی ہوتی ہے اس وجہ سے اس کا نام فناء الفناء بھی ہے کیونکہ غایت محویت کی وجہ سے اپنی لاعلمی کا بھی علم نہیں ہوتا۔ اسی کو کسی نے کہا ہے ہے

تو در دگم شو وصال این است وبس ۔۔ گم شدن گم کن کمال این ست وبس

ہو فنا ذات میں کہ تو نہ رہے ۔۔ تیری ہستی کا رنگ و بو نہ رہے

تو تصوف مقصود حقیقی کے یہ پانچ درجات ہیں۔ ذکر، حضور، مکاشفہ، شہود و مشاہدہ و فنا معائنہ و فناء الفناء۔

اس کے بعد یہ سمجھئے کہ لطیفہ قلب کا فعل ذکر ہے۔ لطیفہ روح کا فعل حضور لطیفہ سر کا فعل مکاشفہ۔ لطیفہ خفی کا فعل شہود و مشاہدہ و فناء لطیفہ اخفیٰ کا فعل معائنہ اور فناء الفناء۔ ان افعال لطائف و درجات تصوف کے حاصل ہونے کیلئے حضرات مشائخ کی تعلیم مختلف طرق سے ہوتی ہے بعض حضرات، طالبین و سالکین کو ذکر کی مخصوص طرز کے ساتھ اس قدر مشق کرنے کو فرماتے ہیں کہ یہ لطائف خمسہ علیحدہ علیحدہ ذاکر ہو جائیں۔ یہ سب افعال ان سے صادر ہونے لگیں اور بعض حضرات، صرف قلب سے ذکر کی مشق کرنے کو فرماتے ہیں۔ جس سے ان سب افعال کا صدور ہونے لگے۔ اس کی بالکل ضرورت نہیں سمجھتے کہ یہ بتایا جائے کہ یہ فعل کس لطیفہ کا ہے۔ کیونکہ یہ حضرات لطائف کی طرف تفصیلی توجہ کو

حجاب سمجھتے ہیں۔ حدیث شریف میں بھی قلب کا ذکر وارد ہے فرمایا۔
اِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَۃً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ وَاِذَا فَسَدَتْ
فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ اَلَا وَھِیَ الْقَلْبُ تو ایسے امور میں صرف قلب ہی کا
ذکر وارد ہوا ہے۔

اور وہ حضرات جو لطائف کے ساتھ مشغول ہوتے ہیں ان کے نزدیک
بھی ان لطائف خمسہ میں باہم اتصال ہے اس لئے صرف ذکر قلب سے بھی
بقیہ لطائف میں آثار اور انفعال مذکورہ سرایت کرتے جاتے ہیں کیوں کہ
یہ لطائف آپس میں متعاکس طور پر ہیں کہ آپس میں ایک دوسرے سے انعکاسی
طور پر آثار و انفعال کو قبول کرتے ہیں جیسے ایک آئینہ پر آفتاب کی شعاعیں
واقع ہوں اس کے مقابلہ میں دوسرا آئینہ ایسی طرح رکھا جائے کہ آفتاب کا
عکس اس آئینہ میں اس آئینہ سے منعکس ہو۔ اسی طرح تیسرا پھر چوتھا آئینہ
رکھا جائے تو جیسے ایک آئینہ سے دوسرے متصل آئینوں میں نور آفتاب
درخشاں ہوتا ہے ایسے ہی ذکر قلبی سے دوسرے لطائف میں بھی آثار
مطلوبہ نمایاں ہوتے ہیں۔

حضرات صوفیہ کے نزدیک حدیث شریف میں جس قلب کا ذکر ہے
گو اس سے لطیفۂ قلب مراد نہیں، مضغہ ہی مراد ہے لیکن یہ حکم اصل
میں اس لطیفہ کا ہے جس کو اس مضغہ کے لئے غایت اتصال اور تعلق کی
وجہ سے ثابت فرمایا ہے جیسے حالت ادراکیہ کو صورت علمیہ سے تعبیر کر
دیتے ہیں۔

یہ مضغۂ قلب صنوبری جسدِ ظاہری کا جزو اور مادّی شے ہے اور جو قلب لطیفہ ہے وہ اور شے ہے۔ وہ مادّی نہیں ہے مجرد ہے اس لطیفہ کا قلبِ صنوبری سے تعلق افاضۂ آثار و انوار کا ہے جیسا کہ حکماء بیان کرتے ہیں کہ نفسِ ناطقہ مجرد ہے جزوِ بدن نہیں مگر اس کا تعلق بدن سے تصرف و تدبیر کا ہے تو جس طرح لطیفۂ قلب کو بدنِ مادّی کے ایک خاص جزو یعنی قلب صنوبری سے تعلق ہے اسی طرح بقیہ لطائف اربعہ کو بھی جسمِ انسانی کے خاص خاص مقامات سے افاضۂ آثار و انوار کا تعلق ہے اسی تعلق کی وجہ سے جب ذاکر لطائف سے ذکر کرنا چاہتا ہے تو ان لطائف کے خاص خاص مقامات جن کو ان لطائف سے تعلق ہے ان کی طرف بھی توجہ کرتا ہے۔ چنانچہ جب لطیفۂ قلب کو ذاکر بنایا جاتا ہے تو قلبِ صنوبری کی جانب توجہ کی جاتی ہے اسی طرح دوسرے لطائف کے ذاکر بنانے میں بھی ان کے محل و مقام کی طرف توجہ کی جاتی ہے البتہ توجہ کے طریقے مختلف ہیں جو عمل کرانے والے کی رائے پر موقوف ہیں وہ جس طریقہ کو مناسب سمجھتا ہے بتا دیتا ہے۔

اس ذکر لطائف کے سلسلہ میں اصل تو ذکر ہی ہے اگرچہ اس کے ساتھ دوسری چیزوں کو بھی بیان کیا جاتا ہے۔ جیسے فکر، شغل مراقبہ، تصور، یہ سب ذکر ہی کے انواع ہیں۔ ذکر ہی کے ذرائع ہیں۔ ذکر ہی کے رسوخ و ملکہ کے طرق ہیں۔ ان سب کے مجموعہ کو اہلِ فن اصطلاحاً ذکر کہتے ہیں۔ ذکر سے مراد وہی ذکر ہے جو شریعت

میں مذکور، ماثور اور منقول اور معمول بہ اور مقصود ہے اور شغل وغیرہ سے مراد ہیئت ذکر ہے گویا کہ وہ ذکر کی علت صوریہ ہے۔ یعنی یہ تصور کیا جائے کہ فلاں موقع جو فلاں لطیفہ کا محل ہے۔ مشغول ذکر ہے جیسے جارحہ لسان ذاکر ہے اسی طرح یہ محل بھی ذاکر ہے۔ مثلاً لطیفۂ قلب میں لسانی ذکر کے ساتھ یہ تصور کیا جائے کہ قلب صنوبری بھی ذکر کر رہا ہے تو لطائف کے ذکر میں یہ اصطلاحی شغل بھی ہوتا ہے یعنی لطیفوں کے محل کے متعلق یہ تصور کیا جاتا ہے کہ ذکر الٰہی میں یہ محل بھی ہم نوائے لسان ہیں اور اسی شغل کی تقویت اور اس کے کامیاب اور مؤثر بنانے کے لیے بعضے اور افعال بھی کیے جاتے ہیں۔ مثلاً کلمات ذکر کو سانس سے اوپر اٹھایا جاتا ہے پھر وہاں سے دماغ میں پہنچایا جاتا ہے اور وہاں پہنچا کر سانس روک لیا جاتا ہے اور یہ تصور کیا جاتا ہے کہ اُم الدماغ میں سانس بند ہے کیوں کہ تجربے سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ حبس دم کو دفع خطرات اور مطلوب کی جانب توجہ قوی ہونے میں زیادہ دخل ہے چنانچہ شکار میں ہدف کو سامنے رکھنے کے لیے حبس دم ضروری سمجھا جاتا ہے اسی طرح ذکر لسانی یا ذکر قلبی میں مشغول کی جاتی ہے کہ ذکر لسانی کے علاوہ ذکر قلبی بھی ہوتا ہے کہ الفاظ متخیلہ سے قلب کو ذاکر بنایا جاتا ہے جیسے آیت وَاذْکُرْ رَبَّکَ فِیْ نَفْسِکَ تَضَرُّعًا وَّخِیْفَۃً میں ذکر قلبی مراد ہے اور حدیث شریف کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَذْکُرُ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ اَحْیَانِہٖ سے علی الاطلاق ذکر اللہ سے ذکر ہی مستنبط ہوتا ہے کہ بول و غائط و جماع کی حالت میں ذکر لسانی

منفی و منہی عنہ ہے تو اس وقت ذکر قلبی ہی کا صدور ہوگا معلوم ہوا کہ ذکر جس طرح لسانی ہوتا ہے قلبی بھی ہوتا ہے بلکہ اگر غور کیا جائے تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ ذکر قلبی خود ذکر لسانی کی اصل ہے کیوں کہ ذکر قلبی کلام نفسی ہے اور ذکر لسانی کلام لفظی ہے اسی کو یوں کہا ہے اور یہ مسلم ہے کہ ؎

اِنَّ الْکَلَامَ لَفِی الْفُؤَادِ وَ اِنَّمَا
جُعِلَ اللِّسَانُ عَلَی الْفُؤَادِ دَلِیْلاً

ترجمہ: کلام درحقیقت دل ہی میں ہوتا ہے اور زبان تو اس پر دلالت کرنے والی، بتلانے والی ترجمان ہے۔

چنانچہ شریعت نے بہت سے مواقع پر ذکر قلبی کو معتبر مانا ہے چنانچہ بالاتفاق امت اخرس (گونگا) کے ایمان کے لئے اقرار باللسان ضروری نہیں صرف توحید و رسالت کا تخیل جازم و اعتقادِ کامل و تصدیق تام کافی ہے۔ اسی طرح جو شخص بالقصد والاختیار مضامین کفریہ کو الفاظ متخیلہ سے قلب میں جاگزیں و مستقر کرلے وہ شریعت میں کافر ہے تو معلوم ہوا کہ ذکر جس طرح لسانی ہوتا ہے قلبی بھی ہوتا ہے الفاظ متخیلہ سے قلب کو ذاکر بنایا جاتا ہے اور ذکر جاگزیں کیا جاتا ہے کہ قلب اللہ کے ذکر سے، اللہ کی یاد سے، اللہ کے خیال سے، اللہ کے تصور سے، اللہ کے دھیان سے غافل نہ ہو۔ دل میں اللہ کی یاد ایسی جم جائے کہ کسی آن اس سے نہ اترے۔ اِلَّا ماشاء اللہ۔

حاصل یہ کہ ذکر لطائف اصطلاحاً دو چیزوں سے مرکب ہے۔ ذکر و فکر

اسی فکر کو شغل سے تعبیر کر دیا جاتا ہے پس ان دونوں کے مجموعہ سے یعنی ذکر کی مزاولت اور فکر کی مواظبت سے لطائف کے محل میں مختلف اور نئے نئے آثار وکوائف محسوس ہوتے ہیں خواہ وہ آثار وکوائف ان محلوں میں پہلے سے موجود ہوں اور احساس وظہور اب ہوا ہو خواہ ان آثار وکوائف کا حدوث ہی اب بعد فکر ہوا ہو اور یہ آثار وکوائف کبھی حرکات کی شکل میں ظہور پذیر ہوتے ہیں اور کبھی اصوات (آوازوں) کے رنگ میں رونما ہوتے ہیں اور یہ اصوات کبھی غیر الفاظ ہوتے ہیں۔ اور کبھی خاص خاص الفاظ محل لطائف میں محسوس ہوتے ہیں اور یہ الفاظ بعض کے نزدیک صرف خیالی ہوتے ہیں اور بعض فرماتے ہیں کہ خیالی نہیں بلکہ حقیقتاً محل لطائف میں پہلے سے موجود ومحفوظ ہیں۔ جیسا کہ قرآن شریف میں ہے وَاِن مِّن شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِہٖ کہ ہر چیز اس کی حمد کی تسبیح کرتی ہے اور ذکر کرتی ہے۔ چونکہ لطائف کے محل بھی اشیاء ہیں۔ اس لئے وہ بھی آیت شریفہ کے منطوق کے موافق تسبیح میں مشغول ہوں گے اور یہ تسبیحات ہی وہ الفاظ ہیں جو ذاکر کو اب محل لطائف میں محسوس ومسموع ہو رہے ہیں اور کبھی یہ آثار وکوائف الوانِ مختلفہ کے رنگ میں نمایاں ہوتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ ذکر کی مزاولت اور فکر وشغل کی مواظبت پر بطریق منع الخلو یہ تینوں قسم کے آثار وکیفیات مرتب ہیں جو فکر کے سرایت کی علامت ہیں۔ حرکات محل لطائف۔ استماع الفاظ فی محل لطائف سے احساسِ الوانِ محل لطائف یہ تینوں آثار وکیفیات انتہائی مشق سے پیدا ہوتے ہیں اور سرایتِ ذکر کی علامات سمجھے جاتے ہیں۔

کبھی یہ تینوں آثار مجتمعۃً ذکر وفکر کی مزاولت پر مرتب ہوتے ہیں
کبھی ایک یا دو پائے جاتے ہیں لیکن واضح رہے کہ یہ آثار سرایت ذکر کی
محض علامات ہیں۔ سرایت ذکر کی حقیقت میں داخل یا اس کے خصائص
ولوازم میں سے نہیں ہیں۔ ان علامات ثلٰثہ کے ظہور سے ولایت
ومقبولیت پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ اصل مقصود تو ذکر وفکر وشغل
کی مداومت سے یہ ہے کہ ذہول وغفلت کم ہو اور اکثر اوقات تیقظ
ویاد اور مشاہدۂ جمال وکمال میں بسر ہو۔ ان آثار سے تقویت وتائید کا فائدہ
ہوتا ہے کہ بعض اوقات بعض طبائع کو وساوس وخطرات کا ہجوم ہوتا ہے
اور وہ یکسوئی و دفع وساوس کے طالب ہوتے ہیں اس لیے شیخ کامل اس
ذکر لطائف کی مشق کراتا ہے تاکہ سکون واطمینان حاصل ہو جائے اور طبیعت
سے انتشار ووساوس، تخیل کی پراگندگی دور ہو جائے۔

اس لئے بھی اہل طریق کبھی لفظ اللہ کاغذ پر لکھ کر اس پر نظر جماتے
ہیں اور کبھی عمل استکتاب تجویز کرتے ہیں یعنی لفظ اللہ برابر لکھتے چلے جائیں
حتیٰ کہ یہ اسم اعظم قلب وذہن میں کما حقہٗ مستقر ومتمکن ہو جائے لیکن
یہ سب طریق مقصود بالذات نہیں بلکہ صرف وسیلہ یکسوئی ہیں جو کہ
ایک درجہ میں شرعاً بھی مطلوب ہے اس شرعی مطلوبیت کا درجہ اس
سے واضح ہوتا ہے کہ کھانے کے تقاضہ کے وقت نماز سے قبل کھانے
سے فراغت حاصل کرنے کا حکم ہے تاکہ یکسوئی ہو جائے اور نماز اعتدال
واطمینان سے ادا کی جائے۔ تو کھانے سے فراغت مقصود بالذات نہیں

بلکہ یکسوئی کا وسیلہ ہے تاکہ نماز اطمینانِ قلب سے ادا ہو سکے سا سی طرح لفظ اللہ لکھ کر کاغذ پڑا اس پر نظر جمانا یا عملِ انتکاب مقصود بالذات نہیں بلکہ وسیلہ یکسوئی ہے مگر عبادت کا مقدمہ ہونے کی وجہ سے ان کا شمار حسنات ہی میں ہے اور یہ موجب اجر و ثواب ہیں جیسے فراغت از طعام بقصد یکسوئی واطمینان ور نماز باعث اجر و ثواب ہے۔ پس یہ بات خوب یاد رکھنے کی ہے کہ یہ کیفیات اگر مقدمہ عبادت نہ بنائی جائیں تو پھر ان کا کچھ اجر نہیں اور مقاصد میں سے تو کسی حال میں ہی نہیں۔ چنانچہ ان الوان وغیرہ کا انکشاف غیر مسلمین تک کو بھی یکسوئی سے حاصل ہو جاتا ہے حتیٰ کہ مجنونوں کو بھی جیسا کہ کتاب فن طب، شرح اسباب میں صراحتہً مذکور ہے کہ جنون میں کشف ہو جاتا ہے کیوں کہ بعض اوقات مجنون کے تخیلات بھی کسی ایک مرکز پر مجتمع ہو جاتے ہیں۔ نیز اگر کسی شخص کو معصیت کے ارتکاب میں یکسوئی ہو جائے تب بھی اس کو حقائقِ کونیہ کا کشف ہو سکتا ہے بلکہ بعض لوگوں میں فطرۃً کشف سے مناسبت ہوتی ہے ان کو اکتساب یکسوئی کی بھی ضرورت نہیں ہوتی چہ جائیکہ اسلام کی، اسی لئے غیر مسلم اور مسلم عاصی کے لئے ایسے امور کو ایسے کشفیات اور صوری کرامات کو کہانت اور استدراج کہا جاتا ہے۔

سُلطانُ الاذکار غرض انہیں اشغال میں سے ایک شغل ایسا بھی ہے کہ ذاکر تمام اعضاء و جوارح کے متعلق عین ذکر کے وقت، یہ اجمالی تصور کرتا ہے کہ یہ سب ذکر کر رہے ہیں۔ ایسے ذکر

وشغل کو اہلِ فن سلطان الاذکار کہتے ہیں۔ اس سلطان الاذکار سے کبھی
ایسی ہی حرکات والوان واصوات پیدا ہوجاتی ہیں کبھی چڑیوں کی سی
آوازیں سنائی دیتی ہیں کبھی رعد وصاعقہ کی خطرناک گرجیں سنائی دیتی ہیں
بعض دفعہ ذاکران آثار کے ہجوم سے خائف وپریشان ہوجاتا ہے ایسے
موقعہ پر شیخ کے کلمات تسلی اور الفاظِ تشفی سے ہی کشتی پار ہوتی ہے۔
مکتوبات قدوسیہ میں اس کیفیت کا بہت ذکر ہے۔ شیخ جلال الدین
تھانیسریؒ نے اپنے حالات میں ان کیفیات کو بار بار لکھا ہے اور حضرت
شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کی تشفیات وتسلیات بھی موجود ہیں، انہیں وساوس
وخطرات کے دفع ہجوم کے لئے اور سکون جمع خاطر کے لئے حبس دم سے بھی
کام لیا جاتا ہے کیوں کہ حبس دم سے یکسوئی میں اعانت ہوتی ہے البتہ حبس
دم باندازۂ ضبط وتحمل اور بقدر طاقت ہونا چاہیے اور وہ بھی شیخ کی تعلیم
پر، از خود نہیں۔ اس وقت اکثر نے اس کو ترک کر دیا ہے کہ اب قوی واعصاب
میں تحمل نہیں۔

انتباہ صوفیاء کے ان طرق تعلیمات پر اعتراض نہ ہونا چاہیے چونکہ
ان حضراتِ صوفیاء محققین کا کوئی اس قسم کا طریق تعلیم خلاف
شرع نہیں ہوتا بلکہ مستند الی الشرع ہی ہوتا ہے کہیں یقیناً کہیں ظناً کہیں
احتمالاً۔ اس لئے اس کو خلاف شرع نہیں کہہ سکتے۔ چنانچہ حدیث شریف
میں آتا ہے۔ اِجْعَلْ بَصَرَكَ حَيْثُ تَسْجُدُ کہ حالتِ قیام صلوٰۃ میں اپنی
نظر کو جائے سجدہ پر جمائے رکھو۔ تو یہ حکم جیسے ادب وتعظیم کی رعایت

کے لئے ہے اسی طرح یہ حکم جمعیتِ خاطر و اطمینانِ قلب اور یکسوئی حاصل کرنے کیلئے بھی ہے اسی سے حضراتِ صوفیاء کرام نے اشغال کی اصل کا استنباط فرمایا ہے اور ایسے امورِ ظنیہ میں احتمال بھی کافی ہوتا ہے جو اجتہاد کے انضمام سے راجح بھی ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ اس احتمال سے اس امر کا تو یقین ہو جاتا ہے کہ صوفیاء کا تجویز فرمودہ شغل شریعتِ مطہرہ میں بے اصل نہیں۔ جیسے حضرات مجتہدین فقہاء بدون نصوص صریحہ کے بعض احتمالات پر محض ذوق سے احکام ظنیہ ظاہرہ کا استنباط فرماتے ہیں۔ اسی طرح یہ حضرات بھی احکام ظنیہ باطنہ کا استخراج کرتے ہیں۔ کیوں کہ یہ حضرات بھی فنِ طریقت کے احکام باطنہ میں مجتہد ہیں۔

الغرض ذکر لطائف و سلطان الاذکار حبسِ دم وغیرہ سے مقصودِ اصلی یہ ہے کہ ذاکر کے دل و دماغ میں ایک راسخ ملکہ یا دداشت پیدا ہو جائے جس کے سبب اکثر اوقات مقصود سے ذہول و غفلت نہ ہو بلکہ ذکر میں مشغول رہے جو کہ مطلوب عند اللہ ہے۔

جس پر لَا يَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ، اور كُلُّ مُطِيعٍ لِلّٰهِ فَهُوَ ذَاكِرٌ نیز آیت شریفہ صریحہ منصوصہ فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ۔ صریح الدلالۃ ہیں اور پھر آیات و احادیث سے کثرت ذکر کا حکم ظاہر ہے حتیٰ کہ ارشاد ہے — اُذْكُرُوا اللّٰهَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ اسی کثرتِ ذکر کو حضرات صوفیاء دوام ذکر سے تعبیر فرماتے ہیں۔ پس جب تصریح قوم (صوفیاء) سے معلوم ہو چکا

کہ تمام اذکار و اشغال سے مقصودِ اصلی یہ ہے کہ ذاکر کے دل و دماغ میں ایک مستحکم اور راسخ ملکہ یادداشت پیدا ہو جائے جس میں اکثر اوقات ذہول و غفلت نہ ہو تو اسی ذکر میں قوت و ترقی ہو کر وہ درجات پیدا ہو جاتے ہیں جن کا ذکر کیا جا چکا ہے یعنی ذکر، حضور، مکاشفہ، شہود و معائنہ

انتباہ | حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کو ان اشغال و مراقبات وغیرہ تدابیر و طُرق کی ضرورت نہ تھی کیوں کہ وہ سیّد الانبیاء و المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے انفاسِ طیبہ کی برکات اور مصاحبتِ مُطہّرہ کے فیوض سے اپنے قلوب و اذہان میں ایسی قوی اور کامل استعداد رکھتے تھے کہ ان امور کو واسطۂ مقصود بنانے کی ان کو ضرورت نہ تھی۔ اعمالِ مامور بہا ہی ان اشغال کے ثمرات کے لئے ان کو کافی تھے۔ یہی راز ہے کہ یہ علوم مُروّجہ خیر القرون میں مُدوّن نہیں ہوئے۔ جوں جوں خیر القرون سے بُعد ہوتا گیا حلِ مشکلات اور فتحِ مُغلقات کے لئے تدوینِ علوم کی ضرورتوں کا احساس ہوتا گیا جس کو علمائے اُمت نے خیر القرون سے متصل ازمنہ متقاربہ میں باحسن وجوہ انجام کو پہنچا دیا اور چونکہ ضرورتیں مختلف تھیں اس لئے فطرتاً تقسیمِ عمل کی حاجت ہوئی۔ چنانچہ بعض حضرات نے علم ظاہر کی جانب توجہ مبذول کی اور اس کے مختلف شعبوں میں سے کسی خاص شعبہ کو اپنا مخصوص مرکزِ توجہات بنا لیا گو اور شعبوں کی جانب بھی بقدر ضرورت متوجہ رہے اور بعض حضرات نے امانتِ باطنی کو سنبھالا اور اس خاص شعبۂ شریعت کو مخصوص توجہات کا مرکز بنایا۔

اس طرح دونوں جماعتوں نے اُمّتِ مرحومہ کو رہین منت فرمایا پس چونکہ ہم ضعیف الاستعداد اور ضعیف الاعتقاد ہیں۔ ہمارے دل ودماغ میں دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اس کا حسن وجمال مرکوز اور جما ہوا ہے۔ حقائق ہم سے مستور ہیں اس لیئے ہم کو وصول الی اللہ کے لئے اور قرب حق کے لیئے ان ذرائع اور وسائل خاصّہ کی حاجت ہے اور شدید حاجت ہے اسی لیے کتبِ تصوف کی تدوین ہوئی اور ان میں امراضِ باطنہ، اسباب امراض، طریق تشخیص، معالجات تمامہا وکمالہا منضبط ومضبوط اور مبسوط ہیں، لیکن باوجود اس کے سالکین کو سلوک کے مراحل طے کرنے اور اصلاح نفس وتزکیۂ اخلاق میں شیخ کامل کی سخت ضرورت ہے بغیر تعلیمات وتنبیہاتِ شیخ کے وسوسۂ شیطانی سے محفوظ رہنا اور صحیح سالم منزلِ مقصود پر پہنچنا کارے دارد اور عادۃً محال ہے۔ شیخ مختلف اذکار واشغال وغیرہ میں سے اپنی فطانت اور فہم وفراست اور اپنے تجارب کی بنا پر کہ وہ شیخ کامل اس راہِ سلوک کے اطراف وجوانب کو بعلم الیقین وعین الیقین وحق الیقین طے کر چکا ہوتا ہے تو اب وہ ہر سالک کے مزاج اور خصوصیات کے موافق ذکر وشغل وغیرہ تجویز کرتا ہے جس سالک کو جس طریق سے مناسبت سمجھتا ہے اسی طریق کے ذریعے منزلِ مقصود کی جانب اس کی رہبری کرتا ہے۔ بالکل ایسی مثال ہے کہ طبِ ظاہری میں علاجِ ابدان کے لئے متعدد ادویہ ایک اثر ایک درجہ ایک کیفیت ایک مزاج کی ہوتی ہیں لیکن طبیب حاذق مختلف اصحاب کیلئے خفی مناسبت

کی بنا پر علیحدہ علیحدہ دوا تجویز کرتا ہے اس پر اعتماد نہیں کرتا کہ یہ دوائیں خواص میں متحد ہیں اس لئے سب مریضوں کے لئے جو ایک ہی مرض میں مبتلا ہیں ایک ہی دوا تجویز کردوں تو دیکھئے کتب طب طبری میں بھی نہایت شرح وبسط کے ساتھ یہ دوائیں موجود ہیں لیکن مریضوں کے لئے اپنے معاملات میں صرف ان کا مطالعہ کافی نہیں سمجھا جاتا بلکہ ضرور ماہر فن طبیب کی تلاش کی جاتی ہے خصوصاً پیچیدہ امراض میں حتیٰ کہ امراض شدیدہ میں تو خود اطباء بھی اپنے معالجات میں اکثر دوسرے اطباء سے مشورہ لیتے ہیں پس جو نسبت مرض جسمانی اور کتب طبیہ اور اطباء میں ہے وہی نسبت سالکین کے امراض روحانیہ ونفسانیہ اور کتب تصوف ومشائخ میں ہے

اصل ضرورت تعلیم شیخ کی ہے بیعت اصل نہیں ہے

لیکن یہ بات ضرور خیال رکھنے کی ہے کہ ضرورت شیخ کی تعلیم کی ہے نہ کہ بیعت کی۔ آج کل تمام دارومدار بیعت پر سمجھا جاتا ہے اور تعلیم کی جانب توجہ نہیں کی جاتی، حالانکہ اصل شئی تعلیم ہے اگر ایک شخص بیعت نہیں ہے لیکن اس کو شیخ کامل تعلیم دیتا ہے اور وہ اخلاص وصدق کے ساتھ اور فکر واہتمام کے ساتھ پورا پورا اتباع کرتا ہے عمل کرتا ہے تو اس کے کامل مکمل ہو جانے میں ذرہ برابر شک وشبہ نہیں۔ برخلاف اس شخص کے جو کسی قطب الارشاد سے بیعت ہے مگر نہ وہ تعلیم دیتا ہے اور نہ یہ عمل کرتا ہے تو یہ بیعت ہیچ ہے دیکھو کیا کوئی طبیب ظاہر کبھی معالجہ امراض میں مریضوں سے یہ شرط کرتا ہے

کہ تم میرے شاگرد ہو جاؤ ؟ تو اصلاح و تربیت ، تہذیب و اخلاق کے لیئے
بیعت کو شرط قرار دیا گیا ؟ حضراتِ صوفیاء کا مقصود بیعت سے صرف اتنا تھا
کہ شیخ و مُرید میں ایک طرح کی مناسبت پیدا ہو جائے جس سے فی الجملہ تعلیم
شیخ و تعلّم مرید میں سہولت ہو یعنی تعلیم کے لئے بیعت لَوْ لَاہُ لَامْتَنَعَ کے درجہ
میں نہیں ہے بلکہ صرف مُصحّح لِدخولِ الفاء کے درجہ میں ہے مگر ناواقفوں نے
عکس کر دیا بلکہ عکس سے بھی زائد کہ بیعت ہی کو مقصود بالذات سمجھتے ہیں چاہیے
تو یہ تھا کہ تعلیم شیخ پر پابندی سے عمل کیا جاتا۔ اور شیخ کو اپنے حالات و کیفیات
سے مطلع کیا جاتا کیوں کہ اطلاع احوال و کیفیات کو فطری طور پر شیخ کو مُرید کی
جانب متوجہ کرنے میں کافی دخل ہے اس لیے کہ اس کو اس سے مسرت ہوتی ہے
کہ یہ میری تعلیم پر عمل کرتا ہے اور میری تدابیر کو نگاہِ وقعت سے دیکھتا ہے جیسے طبیب
جب اپنے مریض کو متوجہ اور قدر دان پاتا ہے تو زائد متوجہ ہوتا ہے مگر اب بیعت
ہی مطمحِ نظر ہو گئی ہے۔ ع ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔

دیکھئے استاد و شاگرد کا تعلق کس قدر قوی ہوتا ہے ؟ بہت قوی ہوتا ہے
مگر محتاج بیعت نہیں۔ دکاندار پیروں نے عوام الناس کو ارادت کے دام میں پھنسانے
کے لئے بیعت کی ضرورت کے گیت گائے۔

پس شیخ و مُرید کے اس طرح کے تعلق سے کہ شیخ کی جانب سے تعلیمات
کا ہوتا رہنا اور مُرید کو تعلیمات پر کمال اعتماد اور جازم اعتقاد کے ساتھ اتباع اور
حالات و کیفیات سے اطلاع خلوص و صدق ہوتا رہنا نسبت مع اللہ کے حصول کا خاص طریق ہے

انتباہ یوں تو نسبتِ مطلق تعلق مع اللہ ثابت ہے اور ولایت عامہ میں داخل ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ اس پر دلیل ہے لیکن ولایت خاصہ اور نسبتِ خاصہ اس تعلق مع اللہ کو کہتے ہیں جس کے لوازم میں سے دو چیزیں نہایت ضروری ہیں اوّل کثرتِ ذکر دوسرے دوامِ طاعت بغیر ان دو چیزوں کی نسبتِ خاصہ حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس نسبتِ خاصہ میں سالک کو حق تعالیٰ سے ایسا قوی تعلق ہو جاتا ہے کہ ذہول کمًّا وکیفًا نہایت ہی خفیف ہوتا ہے اور یہ صاحبِ نسبت عدمِ نسیان اور عدمِ ذہول میں اور اوامر کے بجالانے اور نواہی سے پرہیز کرنے میں مثل عاشقِ مُولِع کے ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس صاحب نسبت کو طبعاً دینِ حق کی مخالفت ایسی گراں اور مکروہ ہوتی ہے جیسے عوام مومنین کو عقلاً جیسا کہ حدیث میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان کی حلاوت والے کو کفر کی طرف لوٹنے سے ایسی گھبراہٹ ہوتی ہے جیسے آگ میں ڈالے جانے سے گھبراتا ہے (یعنی نفرت وکراہت اور وحشت طبعی ہوتی ہے۔)

ایمان دو قسم پر ہے

تو ایمان دو قسم کا ہوا ایک وہ جو حلاوت کے ساتھ ہو یہ وہی ایمان

ہے جو نسبت خاصہ کے ساتھ ہوتا ہے اور دوسرا وہ جو بدون حلاوت ہو یہ وہ ایمان ہے جو نسبت عامہ کے ساتھ ہوتا ہے جس کو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری جگہ بیان فرمایا ہے کہ ایمان دو ہیں ایک وہ جس کا حاصل کرنے والا جہنم میں داخل نہ ہوگا اور دوسرا وہ جس کا حاصل کرنے والا جہنم میں داخل نہ رہے گا، ہمیشہ نہیں رہے گا یہ وہ ہے جو بغیر حلاوت ایمان کے ہے تو اس حلاوت ایمان کی تحصیل کے لئے ہی تمام اذکار واشغال کا طریق اختیار کیا جاتا ہے۔ تمام اذکار واشغال سے غایت مقصود اور غرض اصلی نسبت خاصہ کا اکتساب ہے اور اس نسبت کا اکتساب واجب ہے۔ پس کثرت ذکر اور دوام طاعت کا وجوب ظاہر ہے ذکر قلیل جو ذکر کثیر کا متضاد ہے اس کو حق تعالیٰ نے منافقین کی مذمت میں بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہے۔ لَا یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ اِلَّا قَلِیْلًا۔ معلوم ہوا کہ کثرت ذکر مطلوب ہے جس طرح دوام طاعت مطلوب ہے۔ پس بندوں کی جانب سے کثرت ذکر و دوام طاعت ہوتا ہے اور بندوں کے خالق کی جانب سے رضاء ہوتی ہے تو اس طرح رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ کا مصداق ہو جاتا ہے۔

پس ثابت ہوا کہ مرتکب معاصی کو نسبت خاصہ مصطلحہ کا حصول نہیں ہوتا الحاصل یہی نسبت وہ قرب ہے جو مامور بالتحصیل ہے اور اس کا طریق صرف اعمال صالحہ ہیں جو اختیاری ہیں نہ کہ کیفیات اور حالات غیر اختیار یہ جن کا قرب مذکور میں کچھ دخل نہیں مگر اکثر اصل طریق یعنی اختیاریات کو چھوڑ کر غیر اختیارات کے درپے ہوتے ہیں اور یہ سخت مضر اور مانع حصول نسبت

ہے۔ پس جو قرب افعال اختیاریہ پر مرتب ہوتا ہے وہ وہ قرب ہے جو مامور بالتحصیل ہے مطلق قرب نہیں۔ لہٰذا اعمالِ اختیاریہ، ظاہرہ و باطنہ اخلاقِ فاضلہ بلکہ قربِ مقصود کے لئے شرط ہیں۔

علومِ مکاشفہ ناقابلِ التفات ہیں

پس یہ بات نہایت ضروری اور اہتمام کے ساتھ خیال رکھنے کی ہے اور بہت ہی زیادہ قابلِ توجہ ہے کہ تصوف سے متعلق جو علوم مکاشفہ ہیں وہ بالکل ناقابلِ التفات ہیں اور کیوں نہ ہوں جب کہ خود کشف و کرامات ہی کو اہلِ فن حیض الرجال سے تعبیر کرتے ہیں۔ پس مقصود فوائد ہیں نہ کہ زوائد۔ اسی لئے میرے شیخ حضرت حکیم الامت مجددِ ملت محی الطریقت فرمایا کرتے تھے کہ علوم مکاشفہ کے بیان سے مجھے ذرہ برابر بھی حظ نہیں ہوتا۔ میں اس خدمت کو اصل کام اور باعث حظ سمجھتا ہوں کہ کسی طالب و عامل کو کچھ بتا دوں اور وہ اس پر اہتمام سے عمل پیرا ہو۔ باقی اس قسم کی تحقیقات و تدقیقات تو حقیقت میں نیبذی اور صدرا کی تقریروں کے مترادف ہیں اگر سچ پوچھئے تو ثمرات و برکات کا حصول ان تحقیقات و تدقیقات کے نسیاً منسیاً کر دینے پر موقوف ہے چونکہ ایسی تحقیقات اور تدقیقات حجاب اور مانع ہیں۔

اور فرمایا کہ جس زمانے میں میں کانپور کے مدرسہ جامع العلوم میں مدرسِ اول تھا ایک طالب علم نے درخواست کی کہ مجھ کو مثنوی مولانائے روم پڑھا دیجئے۔ میں نے دریافت کیا، کیا آپ تحصیل درسیات سے فارغ ہو چکے ہیں کہا کہ درسیات قریب الختم ہیں۔ کچھ باقی ہیں۔ میں نے

کہا مولوی صاحب مثنوی کے پڑھنے کے لئے ابھی دو درجے باقی ہیں پہلے درسیات کا اکمال اور پھر ان کا اہمال یعنی محو کرنا اور بھلانا۔ اسی لئے کہا گیا ہے العلم ہو الحجاب الاکبر۔ تو میرے نزدیک علوم مکاشفہ نا قابلِ التفات ہیں ان کو میں مخل مقصود سمجھتا ہوں پس سالک طالب کو یہ بس اور کافی ہے کہ اس طرح سلوک طے کرنے میں منہمک ہو اور یہی مطمح نظر ہو کہ ؎

قدم باید اندر طریقت نہ دم ۰۰ کہ اصلے ندارد دمِ بے قدم
قال را بگذار مرد حال شو ۰۰ پیش مرد کاملے پامال شو
کار کن کار بگذر از گفتار ۰۰ کاندریں راہ کار باید کار

اسی سلسلہ میں ایک ملفوظ السلسبیل لعابر السبیل کے نام سے مخفوظ و مطبوع ہے۔ فرماتے ہیں میں دیکھتا ہوں کہ آج کل ان باتوں کا کہیں تذکرہ نہیں نہ علماء کے یہاں نہ مشائخ کے یہاں بس تصوف کی ایک مجسم صورت بنا رکھی ہے اسی وجہ سے اس کی حقیقت مدت سے مستور چلی آتی تھی۔ مگر الحمد للہ اس وقت ایسی وضاحت ہو گئی کہ کوئی خفا اور التباس کسی قسم کا اس میں باقی نہیں رہا۔ مجھے تو بحمد اللہ کسی مسئلہ تصوف میں مطلق شبہ اور خلجان نہیں ہوتا نہ طالب کی کسی حالت کی حقیقت معلوم کرنے میں نہ اس کی اصلاح کی تدابیر تجویز کرنے میں خواہ کسی کی کیسی ہی الجھی ہوئی حالت ہو میں خیر خواہی سے عرض کرتا ہوں عملاً بقولہ علیہ السلام اَلدِّیْنُ اَلنَّصِیْحَۃُ کہ اس وضوح کو اس زمانہ میں غنیمت سمجھ کر اس کی قدر کرنا چاہیے اور اس سے منتفع ہونا چاہیے ؎

ہر وقت خوش کہ دست دہد مغتنم شمار ۔ کس را وقوف نیست کہ انجام کار چیست کہیں ایسا نہ ہو کہ قیامت میں اس بیش بہا نعمت کی ناقدری پر باز پرس ہو ابھی وقت ہے کہ خوش نصیبان اسلام اس نعمت غیر مترقبہ سے مالا مال ہوں

حضرت قدس سرہ العزیز کے اس ارشاد پر کہ مجھے تو بحمد اللہ مسئلہ تصوف میں مطلق شبہ اور خلجان نہیں ہوتا۔ حضرت کی تصانیف مافی التصوف مسائل السلوک التکشف خود دلیل ہیں اور اس ارشاد پر کہ نہ طالب کی کسی حالت کی حقیقت معلوم کرنے میں نہ اس کی اصلاح کی تدابیر کرنے میں خواہ کسی کی کیسی ہی الجھی ہوئی حالت ہو۔ کتاب تربیت السالک کھلی شہادت ہے۔

خلاصۂ بیان لطائف ستہ

یہ لطائف کے سلسلے میں بیان تھا مگر طویل ہو گیا اس لیے اب خلاصہ کے طور پر لطائف کی تعداد اور ان کے نام اور ان کے محال اور الوان اور انوار لکھے جاتے ہیں۔

لطائف چھ ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں۔ لطیفۂ نفس۔ لطیفۂ قلب لطیفۂ روح۔ لطیفۂ سر۔ لطیفۂ خفی۔ لطیفۂ اخفیٰ۔ ان کے محل یہ ہیں۔ لطیفۂ نفس کا محل زیر ناف ہے۔ لطیفۂ قلب کا محل، قلب صنوبری ہے جو بائیں پستان کے دو انگل نیچے ہے۔ لطیفۂ روح کا محل دائیں پستان کے دو انگل نیچے لطیفۂ قلب کے محاذی ہے۔ لطیفۂ سر کا محل ذقن کے نیچے سینہ کے بیچوں بیچ ہے۔ لطیفۂ خفی کا محل دونوں ابروؤں کے درمیان ہے۔ لطیفۂ

اخفیٰ کا محل ام الدماغ ہے۔ لطائف کے الوان یہ ہیں۔ لطیفۂ نفس کا لون ورنگ زرد ہے۔ لطیفۂ قلب کا رنگ سُرخ ہے۔ لطیفۂ روح کا لون ورنگ سفید ہے۔ لطیفۂ سر کا لون سبز ہے لطیفۂ خفی کا لون نیلا اور لطیفۂ اخفیٰ کا رنگ سیاہ ہے۔

لطائف کے افعال و آثار یہ ہیں۔

لطیفۂ نفس کا اصل فعل غفلت وشہوت ہے۔ مقاومت ومخالفت نفس کے ذریعہ انقطاع عن الخلق ہے۔ لطیفۂ قلب کا فعل ذکر ہے لطیفۂ روح کا فعل حضور ہے۔ لطیفۂ سر کا فعل مکاشفہ ہے۔ لطیفۂ خفی کا فعل شہود ومشاہدہ اور فناء ہے لطیفۂ اخفیٰ کا فعل معائنہ اور فناء الفناء ہے۔

ذِکر

ذکر صوفیاء کی اصطلاح میں یہ ہے کہ انسان خدا کی یاد میں تمام غیر خدا کو بھول جاوے اور بحضورِ قلب خدا کا قرب نزدیکی اور معیت حاصل کرے جیسا کہ ارشادِ خداوندی بلسانِ جبریلؑ و رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم بحدیث قدسی ہے۔

اَنَا مَعَ عَبْدِیْ اِذَا ذَکَرَنِیْ وَتَحَرَّکَتْ بِیْ شَفَتَاہُ۔ اَنَا جَلِیْسُ مَنْ ذَکَرَنِیْ کہ جب میرا بندہ مجھ کو یاد کرتا ہے اور میرے نام سے اس کے ہونٹ ہلتے ہیں میں اس کے ساتھ ہو جاتا ہوں اور جو مجھ کو یاد کرتا ہے میں اس کا ہم جلیس ہمنشین ہوں اور ارشادِ ربانی بنصِ قرآنی ہے۔ تُسَبِّحُوْہُ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًا خدا کی صبح شام تسبیح کیا کرو۔ نیز فرمایا۔ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِکُمْ۔ پس خدا کو یاد کرتے رہو، اٹھتے بیٹھتے، لیٹتے یعنی ہر وقت (کما ہو المحاورۃ) ان آیات واحادیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو ہر وقت ذکر مطلوب ہے۔ اس کی مدح بھی ہے اور فضیلت بھی ہے اور ترغیب بھی ہے

پس پوری توجہ سے یادِ الٰہی میں اسطرح منہمک ہوجاوے کہ اپنے نفس سے بالکل بے خبر ہوجاوے۔ یہ ذکر ہے کہ بھولے نفس سے کچھ نہ کرے کُلُّ مُطِیْعٍ لِلّٰہِ فَھُوَ ذَاکِرٌ کے مطابق ہر عمل میں ذکر کا ظہور ہو۔

اقسامِ ذکر

ذکر کی بہت سی قسمیں ہیں لیکن مقصود ذکر سے مطلوب کا حاصل کرنا ہے اس لئے جس ذکر سے یہ فائدہ ومقصود حاصل ہو جاوے وہی ذکر ہے خواہ وہ نماز و روزہ ہو یا ادعیۂ ماثورہ و درود شریف ہوں لیکن یاد رہے کہ مقصود اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتا جب تک کبر سے نکل جائے، ذاکر اپنے کو مٹا نہ دے طالبِ خدا اس کے ذکر میں اس طرح منہمک ہوجاوے کہ اپنے کو اور تمام ماسوی اللہ کو بھول جاوے۔ جب اس طرح ہوجائے گا تو اس پر انوارِ الٰہیہ کی اس قدر تجلیات ہوں گی کہ اس کے حواسِ خمسہ مغلوب اور مستور ہوجائیں گے۔ ذکر و ذاکر دونوں فنا ہوکر صرف مذکور ہی رہ جائے گا اور جو شَہِدَ اللّٰہُ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ میں اقرار کیا تھا اس کا مصداق ہوکر عین الیقین بلکہ حق الیقین تک ہوجائے گا۔

انتباہ

یوں تو ذکر کے اقسام بہت ہیں جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا لیکن چونکہ حدیث شریف میں اَفْضَلُ الذِّکْرِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ آیا ہے اس لئے اکثر مشائخ اسی ذکر سے ابتدا کرتے اور اسی کی تعلیم دیتے ہیں۔ اسی میں چار قسمیں نکلتی ہیں

ذکرِ ناسوتی، ملکوتی، جبروتی، لاہوتی

اول نفی و اثبات لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ دوسرے اثبات

الاّ اللہ تیسرے اللہ چوتھے ھُو۔

اور عالم بھی چار ہیں۔

ناسوتی ۔ ملکوتی جبروتی ۔ لاہوتی

اول ذکر ناسوتی ہے۔ دوسرا ملکوتی۔ تیسرا جبروتی ، چوتھا لاہوتی اور وہ ہُو ہُو ہے۔ یوں بھی (یعنی اس طرح بھی) کہا ہے کہ تیسرا مکرر اللّٰہُ اللّٰہْ (اول پیش کے ساتھ دوسرا جزم کے ساتھ) اور چوتھا صرف اسم ذات بسیط غیر مکرر اللّٰہْ (جزم کے ساتھ) ہے۔

ذکر لسانی کو ناسوتی۔ ذکر قلبی کو ملکوتی۔ ذکر روح کو جبروتی۔ ذکر سِر کو لاہوتی اور یہ بھی ہے کہ ذکر لسانی کو جہری اور فکر کے ذکر کو نفسی۔ اور مراقبہ کو ذکر قلبی اور مشاہدہ کو ذکر روحی اور معائنہ کو ذکر سِرّی کہتے ہیں۔

ذکرِ ناسوتی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہے کہ اس میں امور ناسوت ، شہوات ولذات و خواہشات جو ناسوت یعنی عالم دنیا سے متعلق ہیں نفس کو مشغول کرتے ہیں ان سے نفی ہے ان سے نکل جانا اور انقطاع ہوئی و لذائذ ہو کر ذکر ناسوتی باعث حصولِ محبت حق ہو اور ذکر ملکوتی اِلَّا اللّٰہ سے حصولِ رضا ہو اور ذکر جبروتی اللّٰہُ اللّٰہُ سے مراقبۂ ذات مع صفات عظمت واحسان ورحمت وشفقت وغیرہ ہو اور ذکر لاہوتی اللّٰہْ سے توجہ الی الذات البحت مع قطع النظر عن الصفات ہو۔

اشغال ان ہی اذکار کی انواع میں سے اصناف بھی ہیں جو حصولِ مقصود میں خاص تاثیر رکھتے ہیں ان کا نام شغل اور مراقبہ ہے۔

شغل یہ ہے کہ آنکھ کھول کر آسمان کی طرف یا اپنے سامنے کسی چیز کو مثلاً لفظ اللہ کو دیکھتے ہیں اور پلک بند نہ ہونے کی کوشش کرتے ہیں شغل کئی طریق پر ہوتا ہے شغل پاس انفاس بلا حبس دم اور بحبس دم شغل جاروب۔ شغل حدادی۔ شغل ارّہ۔ شغل سہ پایہ۔ شغل سلطاناً نصیراً۔ شغل سلطاناً محموداً شغل سلطان الاذکار۔ شغل سرمدی۔ شغل بساط۔ شغل قلندری ان میں سے بعض کو ذکر سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

تنبیہ اذکار واشغال اور مراقبات مع حبس دم بہت طریقوں پر ہے جن کا تحمل بوجہ قویٰ واعصاب اور دل ودماغ کے کمزور ہونے کے نہیں ہے اندیشہ ضرر جسمانی وفتور دماغ، جنون وخشکی دماغ ہو کر مختل الحواس ہونے کا ہے اس لیے یہاں ان کا بیان نہیں کیا جاتا۔ بس سادہ اور آسان طریق کے بیان پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

ذکر اسم ذات اللہ بلا پیش تو کے جزم کے ساتھ۔ ہر طالب کو چاہیے کہ پاس انفاس کے ساتھ اسم ذات اللہ کا ورد ایک لاکھ چوبیس ہزار مرتبہ روزانہ کر لیا کرے (یہ مرتبہ انتہائی مرتبہ ہے) اگر اس پر قدرت نہ ہو تو چوبیس ہزار مرتبہ کرے اس میں حکمت یہ ہے کہ آدمی دن رات میں چوبیس ہزار سانس لیتا ہے ہر سانس میں ایک ذکر ہو جائے گا اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو کم از کم بارہ ہزار بار ضرور کیا کرے یہ ادنیٰ مرتبہ ہے، اس ذکر میں ذکر زبانی یقیناً ذکر قلبی کا وسیلہ ثابت ہوگا اگر بارہ ہزار مرتبہ بھی نہ ہو سکے تو مرید کو چھ ہزار بار اسم ذات کا ورد کر لینا ہی چاہیے۔

ذکر نفی واثبات طریق یہ ہے کہ لَآ اِلٰہ کے لا کو ناف سے ذرا طاقت

سے کھینچ کر لفظ اِلٰہ کو داہنے بازو تک لیجا کر سر کو پیٹھ کی طرف تھوڑا سا جھکا کر یہ خیال کرے کہ میں نے غیر سے اپنے دل کو پاک کر کے تمام اغیار کو پس پشت ڈال دیا پھر اِلَّا اللّٰہ کی ضرب ذرا زور سے دل پر لگائے یہ دو سو بار کہے اس طرح کہ ہر دس بار یا سانس ٹوٹنے پر مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہے۔

انتباہ لَآ اِلٰہ کہتے وقت مبتدی لا معبود اور متوسط لا مقصود یا لا مطلوب اور منتہی کامل لا موجود کا تصور کرے اور تھوڑی دیر مراقب ہو کر خیال کرے کہ فیوضاتِ الٰہیہ قلب میں ہر وقت حاصل ہوتے رہتے ہیں اور تصور کرے کہ فیضانِ الٰہی عرش سے میرے سینہ میں آتا ہے خواہ چار زانو بیٹھے یا دو زانو جیسی سہولت و ذوق ہو۔

ذکرِ اثبات مجرّد اِلا اللہ ہے۔ اس کا طریق یہ ہے کہ پہلی بار لَآ اِلٰہ کہتے وقت ناف سے کھینچ کر سر کو دائیں شانہ کی طرف لیجا کر اِلَّا اللّٰہ کی ضرب دل پر لگائے اور پھر دل پر ہی بائیں جانب ضرب لگاتا رہے چار سو بار پھر مثل نفی اثبات مُراقبہ کرے۔

ذکرِ اسم ذات دو ضربی اَللّٰہُ اَللّٰہ اول ہ پیش کے ساتھ اور دوسرا اللہ کی جزم کے ساتھ اس کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں آنکھیں بند کر کے سر داہنے کندھے کی طرف لے جا کر اَللّٰہُ پیش کے ساتھ لطیفہ روح پر ضرب لگائے اور دوسرے لفظ اَللّٰہ جزم کے ساتھ سے دل پر ضرب لگائے یہ چھ سو بار ہے پھر اس طرح مراقبہ کرے کہ ہر لک

بار بار اس کے بعد اَللّٰہُ نَاظِرِی، اَللّٰہُ حَاضِرِی، اَللّٰہُ مَعِی کہتا رہے تاکہ کیفیت و لذت اس کی حاصل ہو۔

ذکر اسم ذات یک ضربی اس کا طریقہ یہ ہے کہ لفظ اللہ جزم کے ساتھ سر بائیں جانب سے جا کر دل پر ضرب کرے یہ سو بار ہے۔ پھر مراقب ہو کر اس طرح کہے۔ اَللّٰہُ نَاظِرِی۔ (اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔) اَللّٰہُ حَاضِرِی (اللہ میرے پاس ہے۔) اَللّٰہُ مَعِی (اللہ میرے ساتھ ہے) اور معنی کا خیال کرے۔

انتباہ ذکر نفی و اثبات لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ میں اس قدر مشغول ہو کر سوائے ذکر کچھ نہ رہے۔ کوئی سانس بغیر ذکر نہ نکلے۔ جب اس حالت کو سالک پہنچ گیا تو عالم مادیت، عالم اجسام سے تجاوز کر کے مرتبہ لطیفہ پر پہنچ جانے اور اب بجز اِلَّا اللّٰہ کے اثبات کے تمام کی نفی ہو جاتی ہے اب یہ مرتبہ نفس سے نکل کر لطیفۂ قلب کے مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے چونکہ یہ ذکر اِلَّا اللّٰہ دل کا ذکر ہے اس لیے اب اِلَّا اللّٰہ کا تصور بحضور قلب چاہیے کہ اپنی ذات و صفات کو اللہ کی ذات و صفات کے ساتھ ربط ہو جاوے۔ جب سالک اس مرتبہ کو پہنچ جاتا ہے تو مرتبۂ دل سے گزر کر مرتبۂ رُوح پہ پہنچ جاتا ہے اور رُوح کا ذکر اسم ذات اللہ کا ذکر ہے اس واسطے اس ذکر اسم ذات میں اسطرح انہماک ہو کہ الف لام جو اللہ پہ داخل ہے باقی نہ رہے صرف ھو رہ جائے۔ اس مرتبہ پر پہنچنے سے سالک سراپا ذکر ہو جائے گا اور روح سے ترقی کر کے مرتبہ سر پہ پہنچ جائے گا اور مقام فناء الفناء پر فائز ہو جائے گا۔ اب سالک کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا تعلق

ہو جاتا ہے کہ اب وہ مصداق حدیث شریف بِیْ یَسْمَعُ وَبِیْ یُبْصِرُ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اب وہ میرے ساتھ سنتا ہے میرے ہی ساتھ دیکھتا ہے وَبِیْ یَبْطِشُ میرے ہی ساتھ پکڑتا ہے وَبِیْ یَمْشِیْ میرے ہی ساتھ چلتا ہے یعنی اس کا ہر حرکت و سکون خدا کی مرضی کے مطابق وجود میں آتا ہے۔ (دیکھنے میں بشر ہے لیکن بے شر ہے۔ سراپا نور ہے) اب اس کو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی خوب معرفت ہو جائے گی۔ عبدیت کاملہ حاصل ہو جائے گی۔ عبدیت میں درجہ کمال اور بصرف ہمت عبادت میں مشغول ہوگا۔ حفظ مراتب اور احکام شریعت کا امراً و نہیاً امتثال کرے گا۔

ذکر جلی و خفی | ذکر لسانی کو جلی اور ذکرِ قلبی کو خفی کہتے ہیں اور یہ بھی ہے کہ لسانی کے جہر کو جلی اور غیر جہر کو خفی کہتے ہیں۔ ذکرِ جلی کی ادنیٰ حد تو متعین ہے وہ زبان کو حرکت دینا یا اپنے آپ کو سنانا ہے لیکن اکثر کی کوئی حد نہیں یہ اپنے نشاط پر ہے مگر اس کا خیال ضروری ہے کہ کسی نمازی یا سونے والے کو ایذا نہ ہو۔

[تاخیر وصل سے آتش شوق میں التہاب پیدا ہوتا ہے]

انتباہ | دستور ہے کہ وصالِ محبوب کے حاصل ہونے میں جس قدر دیر ہوتی ہے اسی قدر وصل کے سچے طالب کو آتش شوق میں التہاب اور طلب و خواہش وصل میں زیادتی ہوتی ہے سو جو شخص استقلال و مردانگی سے جد و جہد کرے گا اس کے متعلق خدا کے فضل و کرم سے کامیابی کی امید ہے۔ وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ

سُبُلَنَا ؕ وَاِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ ۝

شغل پاسِ انفاس

پاس انفاس نفی واثبات لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے ساتھ بھی ہے اور اسم ذات اللہ کے ساتھ بھی ہے اور شغل کے بہت طریق ہیں جن کے نام پہلے لکھے گئے ہیں۔ یہاں اُن کے نام ہی پر اکتفا کیا گیا ہے کیوں کہ یہ بتلایا جا چکا ہے کہ اب وہ سب بسبب ضعف اعضا وشرائین وامعاء ومعدہ اور ضعفِ دل ودماغ قابلِ تحمل نہیں۔ بس ذکر کی تکثیر حسب فرصت وصحت باخلاص وصدق بطلب صادق ومحبت کافی ہے مع اہتمام تقویٰ واجتناب مشتبہات انشاء اللہ تعالیٰ وہ سب آثار کم وبیش حاصل ہوں گے اگرچہ وہ مطلوب نہیں ہیں اس لئے نہ تفصیلی التفات کی ضرورت نہ رغبت کی ضرورت چونکہ وہ سب آثار مخلوقات میں سے ہیں طالب خالق کو مخلوق کیطرف التفات ہی کیوں اور کہاں ہے۔

اوپر بتایا گیا ہے کہ حسبِ طریق ذکر نفی واثبات، ذکر اثبات ذکر اسم ذات دو ضربی ویک ضربی اور ذکر ہُو ہُو کی مداومت کرنا۔ مقام فناء اور فناءُ الفناء، اور کمالِ عبدیت پر پہنچا دیتا ہے بفضلہ وتوفیقہ تعالیٰ اور مقصد وصول وقبول ہے جو سب سے حاصل ہوجاتا ہے۔ پھر اشد مجاہدات وریاضیات کیوں ہوں جب کہ اب عادۃً نباہ بھی نہیں ہو سکتا اور باعث ضعف اور تنفر جسم بھی ہے۔ پس ذکر حسب بیان وتعلیم سابق اور یہ سادہ شغل پاسِ انفاس کافی ہے۔

طریق شغل پاسِ انفاس نفی واثبات

سانس لیتے وقت اور سانس باہر کرتے وقت اس طرح ذکر کرے کہ سانس باہر آتے لَآ اِلٰہَ کہے اور سانس لیتے وقت اِلَّا اللّٰہُ کہے اور دونوں سانسوں کے وقت ناف کو دیکھے اور منہ بالکل بند رکھے اور زبان کو بالکل حرکت نہ دے۔ اس قدر پابندی یا استقلال چاہیے کہ طبعی سانس خود بخود بلا ارادہ ذکر کرنے لگے۔

طریق شغل پاسِ انفاس بذکر اسم ذات اللہ

اس کا طریق یہ ہے کہ لفظ اللہ کو سانس باہر آتے وقت اور ھُو کو سانس لیتے وقت اندر لائے اور تصور کرے کہ ظاہر و باطن ہر جگہ اللہ ہی کا ظہور ہے اور ذاکر اس قدر زیادتی بلحاظ صحت و فرصت کرے کہ سانس ذکر کا عادی ہو جائے اور حالتِ بیداری میں فراغ و مشغولی میں ذاکر رہے اور ماسویٰ اللہ سے قلب بالکل صاف ہو جائے۔

چونکہ یہ ذکر قلب کو بالکل صاف، کدورتوں سے پاک کر کے انوار الٰہیہ کا مہبط یعنی نزول کا محل بنا دیتا ہے اس وجہ سے اس کو صوفیاء کی اصطلاح میں جاروبِ قلب بھی کہتے ہیں۔

انتباہ: صحت مند اور قوی الاعصاب اصحاب کیلئے چند اشغال مزید لکھے جاتے ہیں جو تجربۂ حال سے مفید ثابت ہوئے۔

طریق سلطان الاذکار اس کے کئی طریقے ہیں۔ ایک طریق یہ ہے کہ چھوٹے سے حجرہ میں جہاں شوروغل نہ ہو داخل ہوکر درود شریف اور استغفار اور اعوذ باللہ پڑھ کر اللّٰھُمَّ اَعْطِنِیْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ لِّیْ نُوْرًا وَّ اَعْظِمْ لِیْ نُوْرًا وَّاجْعَلْنِیْ نُوْرًا تین بار حضور قلب و تصور کیسا تھ کہے پھر خواہ لیٹ کر یا بیٹھ کر یا کھڑے ہوکر بدن کو ہلکا کرے اور مردہ تصور کرے اور پورا متوجہ اور باہمت ہو جاوے اس کے بعد سانس لیتے وقت اللہ کا اور سانس باہر نکالتے وقت ہُو کا تصور کرے اور خیال کرے کہ سانس لیتے وقت اور باہر آتے وقت ہر بال بال سے ہو نکل رہا ہے یہاں تک مشغول ہوکر اپنا خیال بھی جاتا رہے اور ھُوَالْحَیُّ الْقَیُّوْمُ کا ہر وقت تصور قائم ہو جاوے انشاء اللہ تعالیٰ اس طرح سے کچھ عرصہ بعد جسم کا ہر ہر رواں ہر ہر بال ذاکر ہو جلئے گا اور انوارِ تجلی سے منور ہو جاوے گا۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ حواسِ خمسہ کو روئی سے یا انگلیوں سے اسطرح بند کرے کہ دونوں انگوٹھے دونوں کانوں کے سوراخوں میں دے اور دونوں انگلی شہادتین کی دونوں آنکھوں کے پپوٹے پر رکھے اور دونوں انگلی بیچ کی دونوں نتھنوں پر رکھے اور دونوں انگلی چھنگلی کے پاس کی اوپر کے ہونٹ پر اور چھنگلی نیچے کے ہونٹ پر رکھے اور دونوں انگلی چھنگلی کے پاس کی اوپر کے ہونٹ پر اور چھنگلی نیچے کے ہونٹ پر رکھے اور اکڑوں بیٹھ کر یا جس طرح بیٹھنے میں سہولت ہو بیٹھ کر زبان

تو تالو سے لگالے اور آہستہ آہستہ سانس لے کر حبسِ دم کرے یعنی سانس کو روکے اور لفظ اللہ خیال سے بلا حرکتِ لسان ناف سے کھینچ کر اُمّ الدماغ یعنی تیچ سر میں روکے جب تک بلا تکلف رک سکے اور وہاں سے دلِ مدوّر میں لے جاکر اسمِ ذات اللہ خیال سے کہتا رہے جب سانس لینے کا تقاضہ ہو تو صرف نتھنوں سے انگلیاں ہٹا کر ناک سے آہستہ سانس چھوڑے۔ تین سانس لے کر پھر حبسِ دم کرے اور پھر ایک ایک سانس بڑھا کر تحمل کی مقدار کو پہنچا دے۔

شغل سُلطاناً نصیراً اس کا طریقہ یہ ہے کہ صبح و شام رُو بہ قبلہ دو زانو بیٹھے اور اطمینانِ خاطر سے دونوں آنکھیں یا ایک آنکھ بند کرکے دوسری آنکھ سے ناک کے نتھنے پر نظر ڈالے اور بغیر پلک جھپکائے جس طرح چراغ یا ستارہ کی روشنی کو دیکھتا ہے غیر مُتعیّن نور کا تصور کرے اور استغراق ایسا ہو کہ وہ محو ہو جاوے۔

انتباہ ابتدا میں تو آنکھوں میں ضرور تکلیف ہوگی اور پانی بہیگا لیکن چند دن کے بعد جب عادت ہو جائے گی تو یہ تکلیف جاتی رہے گی اور اس کو اپنی صورت جس طرح آئینہ میں نظر آتی ہے نظر آنے لگے گی اور نورِ الٰہی سے منوّر ہو جائے گا۔ خواجہ معین الدین چشتیؒ نے فرمایا کہ اس شغل کے فوائد بہت ہیں خصوصاً خطرات کے انسداد میں عجیب و غریب تاثیر رکھتا ہے۔

شغل سُلطاناً محموداً اس کا طریقہ یہ ہے کہ جس طرح سُلطاناً نصیراً کے ذکر میں نتھنوں پر نظر رکھتے ہیں اسی طرح اس

شغل میں دونوں بھوؤں کے بیچ نظر رکھتے ہیں۔

انتباہ اس شغل کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ذاکر کو اپنا سر نظر آنے لگتا ہے اور جب سر نظر آنے لگتا ہے تو عالم بالا کے حالات سے مطلع ہو جاتا ہے۔

شغل سہ پایہ[۱] شغل سہ پایہ اَللّٰہُ سَمِیْعٌ، اَللّٰہُ بَصِیْرٌ اَللّٰہُ عَلِیْمٌ کا ذکر ہے طریقہ اس کا یہ ہے کہ چار زانو بیٹھ جائے اور سُفلاً نا لِقِفر کا تصور کرے اور سانس کو روک کر ناف سے لے کر اُمّ الدماغ تک پہنچا لے جب سانس اُمّ الدماغ میں پہنچے تو اَللّٰہُ سَمِیْعٌ کہے اور بی یَسْمَعُ کا تصور کرے پھر اَللّٰہُ بَصِیْرٌ کہے اور بی یَبْصُرُ کا تصور کرے پھر ناف پر اَللّٰہُ عَلِیْمٌ کہے اور بی یَنْطِقُ کا تصور کرے پھر اس کے بعد اس طرح شروع کرے کہ اُمّ الدماغ میں اَللّٰہُ عَلِیْمٌ اور ناف پر اَللّٰہُ سَمِیْعٌ عروج و نزول کے طریقہ پر کہے یہاں تک کہ ایک سانس میں ایک سو ایک بار شغل سہ پایہ کرنے لگے۔

انتباہ یہ شغل لکھ دیئے ہیں جس کی صحت عمدہ ہو، اعصاب میں ضعف نہ ہو اور سالک چاہے تو کرے لیکن شیخ کی تجویز ہر حالت میں ضروری اور مقدم ہے، اطلاع اور اتباع اصل ہے۔

---

[۱] یہ شغل سہ پایہ اکثر مشائخ کا معمول رہا ہے۔ چنانچہ شیخ نظام الدین بلخیؒ نے جو کہ شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے خلیفہ تھے انہوں نے حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے پوتے ابو سعیدؒ کو یہ شغل تجویز کیا تھا۔[۲] یعنی مددگار محمود بادشاہ کا تصور کرے۔

انتباہ ذکر و شغل یک ضربی، چہار ضربی، پنج ضربی، شش ضربی، ہفت ضربی بھی ہیں۔ لیکن بس اب یکضربی دو ضربی پر کفایت ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ حسب بیانِ سالق کافی و وافی ہے۔

انتباہ انسان کو ہر سانس پر ہوشیار و بیدار رہنا چاہیے بغیر پاس انفاس کی مدد کے انسان کا دل کدورتوں ظلمتوں سے ہرگز صاف نہیں رہ سکتا۔

مُراقبات جب ذکر جہری یا سری کی تکثیر سے سالک منور ہو جاتا ہے اور اس کی رگ رگ، رونگٹے رونگٹے میں ذکر سرایت کر جاتا ہے۔ اور ایک محویت کی سی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ تب مراقبات کی تعلیم کی نوبت آتی ہے اصل یہی ہے۔ لیکن اب عوارض کے سبب ذکر کے ساتھ ساتھ ہی مراقبات بھی تعلیم کر دیئے جاتے ہیں اس لیے اب آگے مراقبات کا بیان کیا جاتا ہے۔

مُراقبہ کا بیان

مُراقبہ کسی ایسے مضمون کو سوچنا، جو مطلوبِ حقیقی اللہ تعالیٰ کیطرف انجذاب کا سبب ہو، اس تک پہنچانے والا ہو۔ اس کی یاد و دھیان کا سبب ہو۔ سیدھے سادے لفظوں میں یوں کہنا چاہیے کہ جو چیز مطلوبِ حقیقی، اللہ جل شانہٗ تک پہنچانے والی ہو

اس کے خیال رکھنے کو مراقبہ کہتے ہیں۔ لہٰذا مراقبہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے مدنظر رکھنے کو کہتے ہیں۔

اور مراقبہ خاص یہ ہے کہ خدا کی ذات میں اس قدر فکر کرے کہ اپنے سے بے فکر اور بے خبر ہو جاوے، کبھی یاد دل سے نہ اترے خواہ جمالاً یا جلالاً یا اُنسیتہً یا خَشیتہً یا خوفاً یا رحمتہً و محبتہً یا شوقاً الی لقائہٖ طریق اس کا یہ ہے کہ دو زانو، نمازی کی طرح سر جھکا کر بیٹھے اور دل کو غیر اللہ سے خالی کرے۔ اللہ جل جلالہ کی حضوری میں حاضر کرے اور اعوذ و بسم اللہ پڑھ کر تین بار اَللّٰہُ حَاضِرِیْ، اَللّٰہُ نَاظِرِیْ، اَللّٰہُ مَعِیْ زبان سے کہہ کر ان کے معنوں کو دل میں ملاحظہ کرے، تصور کرے کہ اللہ تعالیٰ حاضر و ناظر ہے اور میرے پاس ہے اس جاننے اور تصور کرنے خیال کرنے میں اس قدر محو ہو کہ غیر حق کا تصور نہ رہے حتیٰ کہ اپنی بھی خبر نہ رہے۔

مُراقبہ کی کئی قسمیں ہیں

مُراقبہ کے متعدد طریق ہیں جس طریق سے جس قسم سے طالب کو نفع ہوا ہے منزلِ مقصود تک پہنچائے۔ اس پر مزاولت کرے، چند اہم قسمیں یہ ہیں۔

مراقبہ رویت۔ مراقبہ معیت۔ مراقبہ اقربیت۔ مراقبہ وحدت۔ مراقبہ تناد

مراقبہ رُویت

خدا کی رویت کا تصور کرے اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰہَ یَرٰی (کیا نہیں جانا کہ اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے) اس میں غور کرے اور اس پر مواظبت کرے اور یہاں تک مشغول ہو کہ اس

صورت کے دیکھنے کا ملکہ پیدا ہو جائے۔

مراقبہ معیت هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ تم جہاں کہیں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔ اس کے معنی کے ساتھ تصور اور یقین کرے کہ خلوت اور جلوت، بیماری تندرستی ہر حالت میں اللہ میرے ساتھ ہے اسی خیال میں مستغرق ہو جاوے۔

مراقبہ اقربیت نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (ہم انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں) اس آیت پر معنی کے ساتھ غور کرے اور اس خیال میں محو ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے قریب ہے۔

مراقبہ وحدت هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ (اس کا وجود ہر جگہ جلوہ فرما ہے ابتدا، اور انتہا میں وہی ہے) اس کو زبان سے کہے اور تصور کرے کہ اس کے سوا کوئی نہیں ہے اسی خیال میں مستغرق ہو جائے۔

مراقبہ فناء كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ (دنیا کی تمام چیزیں فانی ہیں اور اللہ بزرگ تر باقی رہے گا) اس کے معنیٰ کا تصور کرے کہ تمام چیزیں فناء ہو جائیں گی اور ذات باری ہی ہمیشہ رہے گی اور دل کی آنکھ سے دیکھے اور اس خیال میں محو ہو جائے تاکہ اس کے معنی خوب منکشف ہو جائیں اور اپنے وجود کو فنا اور علم و عقل کو اضمحلال ہو سے

ہو فنا ذات میں کہ تو نہ رہے ۔۔ تری ہستی کا رنگ و بو نہ رہے

علم حق در علم صوفی گم شود ⁂ این سخن کے باور مردم شود
تو درین گم شو کہ توحید این بود ⁂ گم شدن گم کن کہ تفرید این بود

فنا کے مراتب

فنا کے چند مرتبے ہیں اور ہر درجہ کی ایک حد متعین ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جس طرح ذکرِ جسم، ذکرِ نفس، ذکرِ دل، ذکرِ روح، ذکرِ سر، پانچ درجے ذکر کے ہیں جن کو پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ اسی طرح فنا کے بھی پانچ درجے ہیں اوّل مرتبہ غلبۂ ذکرِ زبانی جس کو ذکرِ جسمی بھی کہتے ہیں اس کے غلبہ سے بُرے اخلاق جو نفسِ امارہ کی صفات ہیں یہ صفاتِ حمیدہ میں جن کا شریع نے حکم دیا ہے فنا ہو جاتے ہیں۔

دوسرے ذکرِ فکری جس کو ذکرِ نفسی کہتے ہیں۔ اس کے غلبہ سے نفسانی خواہشیں اور نفسِ لوّامہ کی صفات فنا ہو جاتی ہیں کہ نفس جس کے اثر سے انسان بُرے کاموں میں مشغول ہو جاتا ہے اور اپنے پروردگار کو بھول جاتا ہے تو یہ نفس مر جاتا ہے اور اب انسان کوئی ایسی خواہش نہیں کرتا جو ناجائز اور مذموم و قبیح ہو بلکہ اس کی خواہشیں وہی ہو جاتی ہیں جو خدا کی خواہشیں ہیں اب وہ احکام شرع کی مضبوطی سے پابندی کرتا ہے اور مکاشفہ اور الہام

کا طریقہ جو نفسِ علیم کا مقام ہے منکشف ہو جاتا ہے۔

تیسرے ذکرِ قلبی۔ اس کے غلبہ سے موجودات کے اوصاف و افعال، موجودِ مطلق اللہ تعالیٰ کے اوصاف و افعال میں فنا ہوں تاکہ ہر شے میں افعالِ حق کا جلوہ نظر آئے اور اطمینانِ قلبی جو کہ نفسِ مطمئنہ کا مقام ہے حاصل ہو جاوے۔

چوتھے ذکرِ رُوح۔ اس کے غلبہ میں مشاہدہ کا حصول ہے کہ کثرتِ خدا کی یکتائی میں فنا ہو جاوے یہاں تک کہ سالک کے مشاہدہ میں ذاتِ مطلق کے مشاہدہ کے سوا کچھ نہ ہو۔ یہ مرتبہ مشاہدہ کا ہے۔

پانچویں ذکرِ سِرّی۔ اس کی تکثیر و غلبہ میں لذتِ اذکار اور معائنہ حاصل اور خلق سے نفرت ہوتی ہے اس مرتبہ میں مشاہدہ رُوح سے ترقی کر کے معائنہ کے درجہ کو پہنچتا ہے اور ذکر روح میں فنا ہو کر فناء الفناء کا درجہ ہوگا اور یہ تفرید ہے۔ سالک اس مرتبہ میں سیر الی اللہ جو اس کا مقصد ہے اور سیر فی اللہ جس کا اس کو تصور ہے تمام کر کے وجودِ سالک بالکل فنا ہو جاتا ہے لیکن یہ مرتبہ بہت کم ظاہر ہوتا ہے۔ بعض حضرات کو ایک ہفتہ میں ایک یا دو لمحہ یا ایک دن میں ایک دو لمحہ یا دو تین دن میں یا کم زائد میں۔ اس مرتبہ فناء کے بعد خدا تعالیٰ سالک کو فناء سے بقا دیتا ہے اور اکثر بعد الفناء بقاء ہوتا ہے اور اس مرتبہ کو جمع الجمع کہتے ہیں۔ اور یہ بقاء باللہ رجوع الی البدایت کا نام ہے لیکن اُس وقت اور اِس وقت میں یہ فرق ہے کہ بندہ کی نظر پہلے مظاہر پر سطحی پڑتی تھی۔ اب اس وقت

سب سے پہلے ذاتِ مطلق پر نظر پڑتی ہے۔ اس کی ذاتِ مطلق کے نور سے تعینّاتِ مظاہر کو دیکھتا ہے کیوں کہ عارف ہر حالت اور ہر وقت میں خدا کے وجود کا تصور کرتا ہے اور کوئی چیز اس کو خدا کے دیکھنے سے اور خدا کا دیکھنا دوسری چیزوں کو دیکھنے سے نہیں روکتا۔ کیوں کہ عارف حقیقتِ انسانی تک جو کہ وہ اُلوہیت ہے پہنچ گیا۔ اس کو خلق معدوم اور خدا موجودِ مطلق معلوم ہوتا ہے اور خدا کے علم کے ذریعہ سے اپنے کو مطلق قید میں آیا ہوا تصور کرتا ہے اور قیود کی وجہ سے اپنے کو بندہ سمجھتا ہے اور کہہ اُٹھتا ہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اس میں خدا تعالیٰ کے اوصاف پائے جاتے ہیں۔ اس میں وہ خدا تعالیٰ کے اخلاق سے مزیّن ہے۔ اس نے جمال اَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّ بَاطِنَةً کو دیکھا ہے اور نورٌ علیٰ نور ہوگیا ہے اور نور کی انتہا نہیں ہے۔ اسی لئے کہا ہے ؎

ہیچکس ایں درد را درماں نیافت ٭ ہیچکس ایں راہ را پایاں نیافت

آنچہ اور بے نہایت درگہ است ٭ ہرچہ بروے میرسی بروے مایست

ترجمہ:۔ کسی نے اس درد کی دوا نہیں پائی۔ اس میں راہ کی کوئی انتہا نہیں پائی اس درگاہ کی کوئی نہایت نہیں ہے جس پر تم پہنچو اس پر رک نہ جاؤ یعنی عشق کا کوئی علاج نہیں سوائے وصل کے پس سالک جس انتہائی درجہ پر پہنچ جاتے وہی انتہائی مرتبہ نہیں ہے بلکہ اللہ کی ذات اس سے بھی بلند تر ہے۔

انتباہ سالک کو ذکر لسانی و قلبی میں تنہائی میں مجمع میں رات و دن مشغول رہنا چاہیے تاکہ اپنے کو اور اپنے ذکر کو بھول جاوے اپنے کو محو کر دے انشاء اللہ تعالیٰ ذاکر کے قلب پر انوار و اسرار الٰہی جلوہ فرما ہوں گے اور ان انوار کی روشنی میں جمال و تجلیٔ حق حاصل ہوگی۔ لیکن اس نور کی طرف متوجہ نہ ہو کہ وہ بھی مخلوق ہی ہے اور مطلوب نہیں ہے اور حفظِ مراتب ضروری ہے اور اچھے بُرے میں امتیاز لازم ہے اس لیے اچھے اور بُرے انوار کے آثار و علامات بھی معلوم ہونا اور ان پر مطلع ہونا ضروری ہے۔

علاماتِ انوار کا بیان

جب ذاکر باہتمام تقویٰ خدا کا ذکر کرنے لگتا ہے اور ذکر تمام اعضاء میں سرایت کر جاتا ہے اور غیر خدا سے دل پاک و صاف ہو جاتا ہے اور روحانیت سے تعلق خاص پیدا ہو جاتا ہے تو انوارِ الٰہی کا ظہور ہونے لگتا ہے اور وہ انوار کبھی خود اپنے میں دکھائی دیتے ہیں اور کبھی اپنے سے باہر۔ اچھے انوار وہی ہیں جن کو سالک دل سینہ و سر یا دونوں طرف اور کبھی تمام بدن میں پائے یا کبھی داہنے بائیں کبھی سامنے سر کے پاس ظاہر ہوں وہ بھی اچھے ہیں۔ لیکن ان کی طرف توجہ نہ کرنا چاہیے کہ کہیں

لطف اندوز و متلذذ ہو کر خسارہ اٹھائے۔

تفصیل یہ کہ اگر کسی رنگ کا نور داہنے شانے کے برابر ظاہر ہو تو وہ فرشتوں کا نور ہے۔

۱۔ اگر سفید رنگ کا ظاہر ہو تو کراماً کاتبین کا ہے۔

۲۔ اگر سبز پوش خوبصورت آدمی یا کوئی اچھی صورت ظاہر ہو تو وہ فرشتہ ہے جو ذاکر کی حفاظت کے لئے آیا ہے۔

۳۔ اگر داہنے شانے سے کچھ ہٹا ہوا آنکھ کے برابر ہے تو مرشد کا نور ہے

۴۔ اور سامنے ہے تو وہ نورِ محمدی ہے جو راہ مستقیم کی تعلیم فرماتا ہے۔

۵۔ اگر بائیں شانے کے متصل ظاہر ہو تو کاتب فرشتوں کا سیئہ ہے۔

۶۔ اگر بائیں شانے سے دور ظاہر ہو خواہ کسی رنگ کا ہو شیطان کا نور ہے یا دنیا کا نور ہے۔

۷۔ اگر پیچھے یا بائیں طرف آواز ہو یا صورت ہو وہ شیطان کا دھوکہ ہے۔ لاحول الخ پڑھنا چاہیے۔ اعوذ الخ پڑھے توجہ نہ کرے۔

۸۔ اگر نور اوپر سے یا پیچھے سے آوے تو وہ نور ان فرشتوں کا ہے جو حفاظت کے لئے مقرر ہیں۔

۹۔ اگر بلا کسی جہت کے نور ظاہر ہو اور دل میں خوف پیدا کرے اور اس کے رفع ہو جانے کے بعد باطنی حضور نہ رہے تو وہ نور شیطان کا ہے۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ ٥ پڑھنا چاہیے۔

۱۰۔ اگر بلا کسی جہت نور ظاہر ہو اور اس کے زوال کے بعد حضور باطنی کی لذت نہ جائے اور اشتیاق و طلب اسی طرح غالب رہے تو وہی مطلوب نور ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

۱۱۔ اگر دھویں یا آگ کے رنگ کا نور سینہ یا ناف کے اوپر سے ظاہر ہو تو وہ خناس کا نور ہے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھنا چاہیے

۱۲۔ اگر سینہ کے اندر یا دل پر ظاہر ہو تو وہ صفائی قلب کا نور ہے

۱۳۔ اگر سرخ یا سفید زردی مائل نور دل سے ظاہر ہو تو دل کا نور ہے۔

۱۴۔ اگر خالص سفید ہے تو روح کا نور ہے جس نے طالب کے دل میں تجلی کر کے اپنی ہستی کو ظاہر کیا ہے۔

۱۵۔ اگر سر کی جانب سے ہے تو وہ نور بھی روح کا ہے۔

۱۶۔ اگر آفتاب کے رنگ کا نور ہے تو وہ بھی روح کا نور ہے اگر سامنے سے ہو۔

۱۷۔ اگر اوپر سے آفتاب کے رنگ کا نور ہے تو نورِ ذات ہے۔

۱۸۔ اگر چاند جیسا نور ہے تو دل کا ہے۔

۱۹۔ اگر چاند جیسا نور ہے اور سامنے سے ہے تو نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

۲۰۔ اگر کاجل کی سیاہی کی طرح تاریک اور اس کے گرد باریک اور بکثرت نورانی خطوط ہوں تو وہ نور نفی کا ہے۔ اس طرف توجہ کرنے سے نفی حاصل ہوگی اور ماسوی اللہ سے قلب کا صاف ہونا اور تجلی افعالی

اور تجلی صفاتی میں محویت اور فناء کا حصول ہے جو کہ مقصد اصلی ہے

۲۱۔ اگر آنکھ کی سیاہی کے مانند بلا گرد اگرد باریک مکدر نورانی خطوط کے ہے تو وہ نور تجلیِ ذاتی کا نور ہے اس میں عارف کا فناء الفناء ہے اور بقاء کا حصول ہے۔

انتباہ پہلے کہا جا چکا ہے اب پھر تاکید کی جاتی ہے کہ سالک کو چاہیے کہ انوار میں سوائے مطلوب کے کسی طرف نہ متوجہ ہو اور سرور و لطف حاصل نہ کرے بلکہ صرف نورِ الٰہی میں ترقی کرے کیونکہ خدا کی تجلی کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

ذکر کے ساتھ

جامع اذکار، تلاوتِ کلام پاک اور نماز کی کیفیت کا بیان لازم ایمان ہے

سلوک الی اللہ کے تین طریقے تعلیم ہوتے ہیں۔ اوّل کلمۂ طیبہ

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا ذکر۔ دوسرے قرآن پاک کی تلاوت تیسرے نماز۔

ان تینوں کا ذکر اس آیت شریفہ میں ہے۔

اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں یہی تین طریقے وصول الی اللہ کے رائج تھے۔

باقی تمام اذکار ان میں شامل ہیں جن کی خوبیاں قرآن پاک، احادیث شریفہ اور آثار صحابہ سے ثابت ہیں اور یہ خوبیاں اور فضائل و برکات لامتناہی ہیں انسان ان کے بیان سے عاجز ہے ان کا پورا بیان نہیں ہو سکتا۔ خلاصہ کے طور پر مختصر یہ ہے کہ کلمہ طیبہ کی فضیلت اس درجہ ہے کہ ایک قدم لا الٰہ سے غیر خدا کی نفی پر ہے تو دوسرا قدم الا اللہ سے جناب الٰہی میں رکھ کر خدا سے مل جائے اور قرآن شریف کی خوبیوں سے یہ جان لینا چاہیے کہ اس کے پڑھنے سے اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں حضوری اور اس سے ہمکلامی ظاہر ہوتی ہے اور نماز میں یہ دونوں اور تمام دعائیں اور عبادتیں و تسبیحات اور اذکار ہیں اس کے مراتب لاتعداد ہیں ان کو بھی انسان بیان نہیں کر سکتا۔

انتباہ اس سے یہ سمجھ میں آگیا ہوگا کہ جو سالک استغراق اور جذبہ کی زیادتی میں نماز نہیں پڑھتے وہ بہت سے مرتبوں سے محروم

ہو جاتے ہیں۔ بلکہ ان کو مقصدِ اصلی بھی حاصل نہیں ہوتا ؎

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید ٭ کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

جو شخص پیغمبرؐ کے خلاف راستہ چلے گا ہرگز منزل کو نہ پہنچ سکے گا۔

نماز بندہ اور خدا کے درمیان ایک سیر ہے کہ مسلمان اس میں مشغول ہونے سے غیر خدا سے جُدا اور خدا سے قریب ہو جاتا ہے سلوک کا وہ طریقہ جو کلمۂ طیبہ کے ذریعہ سے ہے۔ اس کا بیان تو ہو چکا اب قرآن پاک کی تلاوت کی کیفیت اور نماز کی کیفیت کا بیان کیا جاتا ہے۔

قرآن شریف کی تلاوت کا طریقہ

قرآن شریف پڑھنا بڑی عبادت ہے اور خدائے تعالیٰ کے قرب کے لئے سوائے فرض کے ادا کرنے کے، اس سے بہتر کوئی چیز نہیں اس لئے اس کے آداب و مستحبات تلاوت کے وقت بہت ہی ملحوظ رکھ کر تلاوت کا ارادہ کیا جائے اور پوری طہارت سے نہایت اخلاص کے ساتھ کعبہ کی طرف منہ کر کے اعوذ باللہ الخ اور بسم اللہ الخ کے بعد خشوع و خضوع سے ترتیل کے ساتھ پڑھے یعنی اس طرح پڑھا جاوے کہ ہر ہر لفظ آسانی سے سمجھ میں آ جائے ایک ایک حرف علیحدہ علیحدہ ہو خلط ملط نہ ہو۔ کیسے کٹے حرف نہ ہوں ایسا نہ ہو کہ کچھ حرف سمجھ میں آئیں

اور کچھ نہ آئیں۔ صاف صاف پورے پورے حروف ادا ہوں۔ ہر حرف
کو صحیح مخرج سے ادا کیا جاوے اور اگر خوش الحانی خوش آوازی سے پڑھا
جاوے تو بہت خوب ہے اور یہ خیال کرے کہ میں خدا سے باتیں کر رہا
ہوں اور اس کو دیکھ رہا ہوں اگر اس پر قدرت نہ ہو تو یہ جانے کہ خدا مجھ
کو دیکھ رہا ہے اور امر و نہی کا حکم دے رہا ہے اور بشارت کی آیت پر سرور
ہو اور وعید کی آیت پر ڈر ہو اور روئے اور ذرا آواز کے ساتھ خوش
آوازی کے ساتھ پڑھے کہ اس سے لطف آتا ہے اور غفلت دور ہوتی ہے

تلاوت کا خاص طریقہ

خاص طریقہ تلاوت کا یہ ہے کہ جب طریق مذکور سے تلاوت میں
ملکہ ہو جاوے تو اب اس کیفیت کے ساتھ تلاوت ہو کر خلوت میں دو نفلیں
ادب سے پڑھ کر بحضور قلب غنازد بیٹھے کلام الٰہی کی حقیقت کہ وہ کلام
نفسی ہے، خدا کی خاص اور ذاتی صفت ہے) اور اس کی عظمت کا اور
اپنی ذلت کا تصور کرے اور اسی مراقبہ میں تھوڑی دیر رہے۔ تا کہ اطمینان
حاصل ہو اور حضور حق حاصل ہو جاوے پھر اعوذ و بسم اللہ کے ساتھ ترتیل
و تجوید کے ساتھ قرأت کرے اور یہ خیال کرے کہ تن کی زبان اور
دل کی زبان برابر تلاوت میں مشغول ہیں۔ اس خیال سے غافل نہ ہو

اور اگر غفلت ہو جاوے تو ضروری ہے کہ قلب کو اعوذ بسم اللہ پڑھ کر حاضر کرے۔ جب اس طرح اطمینانِ خاطر اور حضوری حق حاصل ہو جاوے تو اب ترقی کرے اور خیال کرے کہ ہر ہر رونگٹا جسم کا قرآن شریف پڑھ رہا ہے جسم کے ہر حصہ سے الفاظ نکل رہے ہیں تمام جسم درخت موسوی کا حکم رکھتا ہے عین تلاوت کے وقت اس حالت میں خیال میں مستغرق ہو جب یہ کیفیت راسخ ہو جاوے تو اس کے بعد اور ترقی کرے کہ خیال کرے کہ اللہ تعالیٰ میری زبان سے پڑھ رہے ہیں اور سُن رہے ہیں۔ جب اس میں ملکہ پیدا ہو جاوے تو اپنے پڑھنے میں خیال کرے کہ خود خدا تعالیٰ پڑھتا ہے اور خود ہی سُنتا ہے نہ سالک کا وجود ہے اور نہ دنیا کے دوسرے موجودات کا۔ بلکہ ایک آواز ہے جو ہر طرف سے آتی ہے اور سالک اس میں محو ہے۔

عزیز من! جب اس مرتبہ میں کمال ہو جاوے گا تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے بعید ہے کہ حقیقی معنیٰ اور قرآن پاک کے اسرار عبد پر ظاہر نہ ہو جائیں۔

نماز پڑھنے کا طریقہ

ہر مسلمان کو عموماً اور سالک کو خصوصاً لازم ہے کہ ہر عمل میں اور نماز میں ان کی روح مغز یعنی محبت قلبی کے ساتھ خلوص نیت اور

درگاہِ الٰہی میں قبولیت خدا کے حضور محبوبیت کی حفاظت کرے۔ گو یہ حقیقتِ صلوٰۃ اور رُوحِ صلوٰۃ مشکل ہے لیکن ہمت اور کوشش کرنا چاہیے۔ خدائے تعالیٰ آسانی پیدا فرما دیں وعدہ ہے۔
وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ کہ جو ہمارے راستہ میں کوشش کرتا ہے ہم خود اپنا راستہ دکھا دیتے اور مطلوب تک پہنچا دیتے ہیں۔ اس لئے اس طریق پر ہمت سعی کرے۔

طریق کئی ہیں ان میں ایک طریق یہ ہے کہ خیال کریں کہ نماز کا دل خالص نیت ہے، اس کی روح حضورِ قلب ہے اور نماز کا جسم قیام رکوع قومہ سجدہ، جلسہ وقعدہ ہیں اور اس کے اعضائے رئیسہ ارکان اور حواس ترتیل قرأت کی درستی ہے اور نماز کے لئے پوری پاکی بھی شرط ہے بغیر اس کے نماز نہیں ہوتی اور وہ دل کی پاکی ہے۔ یعنی غیر خدا سے دل کو صاف کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نظر اور قبولیت دل پر ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ اِلٰى صُوَرِكُمْ وَاَمْوَالِكُمْ وَلٰكِنْ يَّنْظُرُ اِلٰى قُلُوْبِكُمْ وَنِيَّاتِكُمْ تو جب قلب ناپاک ہو جسم کس طرح پاک ہو سکتا ہے کیوں کہ جسم قلب کے تابع ہے اس لیئے چاہیے کہ دل غیر خدا سے پاک ہو جائے امید و خوفِ مخلوق سے دل پاک ہو تاکہ اللہ اکبر کہنا درست ہو۔

جب تکبیر کے لئے ہاتھ اٹھائے تو خیال کرے کہ میرا دل دونوں جہاں سے دست بردار ہو گیا اور پورا پورا اللہ کی طرف جھک گیا اور

یہ تصور کرے کہ اللہ اکبر کہہ کر میں نے اپنے نفس کو تکبیر سے ذبح
دے کے فنا کر دیا اور دونوں ہاتھوں کو زیر ناف سختی کے ساتھ دبا کر باندھے
کہ وہ مقام لطیفۂ نفس کا ہے تو اس طرح گویا نفس کو دبا دیا اور نگاہ سجدہ
گاہ پر رکھے اور مستغرق ہو جائے۔ رکوع میں نگاہ پاؤں کی پشت پر ہو
اور خدا کی بڑائی، کبریائی اور اپنی ذلت کا تصور کرے اور سجدہ میں ناک
کے نتھنے پر نظر کرے اور اس کی بلندی اور اپنی حقارت و خاکساری کا اور
اپنے فنا کا تصور کرے اور بیٹھنے میں سینہ پر نظر رکھے اور اپنی محویت کے
خیال میں مستغرق ہو جاوے اور التحیات کے معنیٰ کا خیال کرے یہ خیال
کرے میں خدا کے سامنے مجلس میں داخل ہو گیا ہوں اور ہر نماز میں مقام
احسان اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ کا تصور کرے۔ یعنی اللہ کی عبادت
اس طرح کرے گویا کہ اللہ کو دیکھ رہا ہے اگر یہ بات حاصل نہیں تو یہ
تو ہے ہی کہ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ وہ مجھے دیکھ رہا ہے اس پر بھی کوئی خیال
ذہن میں آوے تو لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ کے تصور سے دفع
کرے اور اس قدر آواز سے پڑھے کہ خود خوب سن سکے جب اس طرح
نماز میں مشق کرے گا تو خدا کی مدد سے نماز حقیقی حاصل ہو جائے گی
اور حقائق و معارف ظاہر ہوں گے اور اَلصَّلٰوةُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِيْنَ
کا یہی مرتبہ ہے کہ دنیا و مافیہا کا چھوڑ دینا اور خدا سے مل جانا ہے
اور قرأت و نماز میں قبولیت کا تصور کرے کیوں کہ حدیث شریف
میں ہے کہ بندہ جب اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کہتا ہے تو خدا تعالیٰ

فرماتے ہیں کہ میرے بندے نے میری حمد کی یعنی تعریف کی اور جب اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کہتا ہے تو فرماتے ہیں کہ یہ میرے بندے نے میری بڑائی کی اور جب اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کہتا ہے تو فرماتے ہیں کہ یہ میرے اور میرے بندہ کے درمیان ہے اور جو اس نے مانگا خاص اسی کے واسطے ہے اور جب اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ کہتا ہے تو فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کہ یہ میرے بندہ کے واسطے ہے اور جو کچھ اس نے مانگا وہ سب اس کے لئے ہے پس اس وقت جواب کے تصور میں محو ہو جاوے اور قبولیت کا تصور کرے۔

بیعت کا طریقہ

پیر جس وقت بیعت کرنے لگے تو مرید کو اپنے سامنے باادب بٹھلائے اور خطبہ پڑھے پھر آیت یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ وَجَاھِدُوْا فِیْ سَبِیْلِہٖ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ پڑھے پھر اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ ــــــ پڑھے اور اپنا ہاتھ مرید کے ہاتھ پر رکھے اور پھر خود یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ فَمَنْ نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنْکُثُ عَلٰی نَفْسِہٖ وَمَنْ اَوْفٰی بِمَا عٰھَدَ عَلَیْہُ اللّٰہَ فَسَیُؤْتِیْہِ اَجْرًا عَظِیْمًا وَنَفَعَنَا وَاِیَّاکُمْ وَبَارَکَ اللّٰہُ لَنَا وَلَکُمْ۔ پڑھے۔ اگر عورت مرید ہونے والی ہو تو پردے میں جہاں اس کا کوئی محرم بھی ہو بجائے ہاتھ کے

رومال یا چادر کا کونہ اس کے ہاتھ میں دیدے۔ مرید زیادہ ہوں تو
تو سب کو کپڑا دے کر پکڑوادے اور خود ایک کو نہ پکڑے پھر توبہ
وغیرہ کرائے۔ اس طرح کہے جو میں کہتا ہوں آپ بھی کہتے رہیں۔ میں توبہ کرتا ہوں کفر کی
باتوں سے شرک کی باتوں سے تمام رسموں اور بدعت کی باتوں سے اور توبہ کرتا ہوں تمام بڑے
گناہوں سے اور تمام چھوٹے گناہوں سے اور کہے رَضِیتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَّ بِالْاِسْلَامِ
دِیْنًا وَّ بِمُحَمَّدٍ نَّبِیًّا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کہ راضی ہوا میں اللہ رب
العزت کے ساتھ اور راضی ہوا میں دین اسلام کے ساتھ اور راضی ہوا
میں نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ۔ اس کے بعد کلمہ شہادت
پڑھے پھر کہے کہ میں عہد کرتا ہوں کہ جہاں تک ہوسکے گا میں پانچوں وقت
کی نماز جماعت سے پڑھوں گا۔ عورت مرید ہو تو جماعت کا نام نہ لیں
رمضان المبارک کے روزے رکھوں گا۔ زکوٰۃ کے قابل مال ہوگا تو زکوٰۃ
دوں گا۔ حج کے قابل روپیہ ہوگا تو حج کو جاؤں گا۔ اگر عورت ہو تو
کہے کہ اگر حج کے قابل روپیہ ہوگا اور محرم بھی ساتھ ہوگا تو حج کو جاؤں
گی اور جہاں تک ہوسکے گا ہر چھوٹے گناہ اور بڑے گناہ سے بچوں گا۔
اگر اچانک خدا نخواستہ کوئی گناہ ہوجائے تو فوراً توبہ کروں گا۔ حقوق اللہ
نماز روزہ قضا ہوں گے ان کو ادا کروں گا ۔۔

حقوق العباد میں کسی کا مالی حق اپنے ذمہ
ہوگا اس کو ادا کروں گا یا معافی مانگوں گا اور معافی مانگنے میں کبھی عار نہ
کروں گا۔ سب سے دل صاف رکھوں گا۔ غصہ سے سخت پرہیز کروں گا

آنکھ کان زبان منہ کی شدت سے نگرانی کروں گا پھر کہے کہ بیعت ہوتا ہوں فلاں[1] شخص کے ہاتھ پر سلسلۂ چشتیہ نقشبندیہ قادریہ سہروردیہ میں۔
پھر دُعا کرے کہ اے اللہ ایمان کامل نصیب فرمائیو! آخر دم تک ایمان قائم رکھیو!

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ۔

اللہ تعالیٰ سلسلہ کے برکات سے نوازیں۔ آمین

انتباہ ان مضامین کے بھروسے شیخ سے مستغنی نہ ہو جائیں۔ تجربہ سے ثابت ہے کہ فوائدِ باطن کے لئے اصلاحِ نفس، حصولِ تہذیبِ اخلاق بلکہ کے لئے شیخ کی تعلیم کا اتباع بمنزلۂ علتِ تامہ کے ہے وصول الی المقصود کا مدارِ اعظم شیخ کامل کا اتباع کامل ہے۔ تجربہ تو شاہد ہے ہی۔ تعامل اکابر و اسلاف مستقل دلیل ہے۔ خصوص ہمارے زمانہ سے قبل حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ اور حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہم باوجود کمالاتِ علمیہ باتباعِ شیخ اصلاحِ کامل کے لئے شیخ کی طرف رجوع فرمانے والے ہوئے

---

[1] اپنا نام لے اور بالکل آخر میں اس پر ختم کرے کہ میں واسطہ ہوں، اصل بیعت میرے شیخ سے ہوئی اور پھر شیخ کا نام لے۔

سلوکِ نبوت سلوکِ ولایت

سلوک دو قسم پر منقسم ہے سلوکِ نبوت اور سلوکِ ولایت اور ہر ایک کے آثار اور خواص جُدا جُدا ہیں جو حسبِ ذیل لکھے جاتے ہیں۔ اولیاء میں کسی پر کسی وقت فیضِ نبوت کا غلبہ ہوتا ہے اور کبھی فیضِ ولایت کا۔ اور کوئی کسی نبی کے تحت اور کوئی کسی نبی کے تحت۔

آثار سلوکِ ولایت	آثار سلوکِ نبوت
۱۔ طریقِ ولایت والے کھانے پینے میں تکلفاً کمی کرتے ہیں۔	۱۔ طریقِ نبوت والے قصداً کمی نہیں کرتے جو ملتا ہے اسی پر قناعت کرتے ہیں
۲۔ خلق سے نفرت کرتے ہیں	۲۔ خلق کی طرف اللہ کے لئے رغبت کرتے ہیں لیکن خلق سے جی نہیں لگاتے
۳۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر نہیں کرتے مگر طالب کو	۳۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتے ہیں۔
۴۔ ان کو اپنے مکاشفات و تحقیقات	۴۔ ان پر ادب غالب ہوتا ہے جیسا

پر اطمینان ہوتا ہے اور اس پر عمل بھی کرتے ہیں اگر خلافِ شرع نہ ہو	کہ صاحبِ شرع سے منقول ہوتا ہے اس پر اپنی طرف سے بذریعہ کشف وغیرہ نہیں بڑھاتے اگرچہ وہ زیادہ خلافِ شرع نہ ہو۔
۵۔ ان کا انتہائی مقام رضا ہے۔	۵۔ ان کا انتہائی مقام عبودیت ہے۔
۶۔ ان پر ذوق و شوق غالب ہوتا ہے اور عبادت میں لذتِ طبعیہ آتی ہے	۶۔ ان پر ذوق و شوق غالب نہیں ہوتا بلکہ ان کو عبادت میں بھی طبعی مزہ نہیں آتا۔ یعنی اگر شاد اس سے دلگیر نہیں ہوتے۔ محض حکم ایزدی سمجھ کر عبادت کرتے ہیں۔
۷۔ اہتمام سے دعا نہیں مانگتے	۷۔ بمقتضائے اُدْعُونِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ دعا مانگنا فرض سمجھتے ہیں۔
۸۔ اسباب ظاہری کو ترک کر دیتے ہیں۔ الا اسباب عادیہ	۸۔ اوروں سے زائد اسباب سے متمسک ہوتے ہیں مگر بدون انہماک مقتضا کے موافق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ میں دو دو زرہیں پہنی ہیں۔
۹۔ حضرت علیؓ کے ساتھ طبعاً زیادہ محبت کرتے ہیں مگر اعتقادِ فضیلت	۹۔ ابوبکرؓ و عمرؓ سے زیادہ محبت کرتے ہیں

ترتیب سے ہوتا ہے۔

۱۰۔ شیخ کو سارے جہان سے افضل سمجھتے ہیں اور اس پر شیفتہ ہوتے ہیں	۱۰۔ افضلیت کا یقین نہیں کرتے۔ محبت کرتے ہیں۔
۱۱۔ ان سے شرائع میں کبھی تسامح بھی ہو جاتا ہے اور وہ معذور ہیں	۱۱۔ یہ شریعت پر بڑی پختگی سے عمل کرتے ہیں۔
۱۲۔ ان پر سُکر غالب ہوتا ہے	۱۲۔ ان پر صحو (یعنی ہوشیاری) غالب ہوتا ہے۔
۱۳۔ بعض اوقات بعض مغلوبین جماعت سے بھاگتے ہیں کیوں کہ ان کو اخفاء مقصود ہوتا ہے مگر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی نظر میں ابھی غیر باقی ہے	۱۳۔ جماعت کی پابندی کرتے ہیں ان کی نظر سے مقصودیت غیر کی بالکل نفی ہو چکی ہے۔
۱۴۔ اگر ظاہر شریعت کے خلاف شیخ حکم کرے تو اسے خلاف شریعت نہیں سمجھتے۔ کسی تاویل سے کر لیتے ہیں مگر قطعیات میں نہیں۔	۱۴۔ یہ اگر خلاف ظاہر شرع کوئی حکم شیخ کی طرف سے ہو تو مخالفت کرتے ہیں مگر ادب کے ساتھ۔
۱۵۔ ان پر حبِ عشقی غالب ہوتی ہے	۱۵۔ ان پر حبِ ایمانی غالب ہوتی ہے
۱۶۔ اصحابِ سلوکِ ولایت پر کبھی تشبیہ غالب ہوتی ہے۔	۱۶۔ اصحابِ سلوکِ نبوت پر ہمیشہ تنزیہ غالب رہتی ہے۔

۱۷۔ سلوکِ نبوت کی انتہا مقامِ عبدیت ہے۔	۱۷۔ سلوکِ ولایت کا انتہائی مقام رضاء یا فناء الفناء ہے۔ یعنی باعتبارِ مقامِ تخلق کے رضاء اور باعتبارِ حال کے فناء الفناء ہے

(ف) اس تفصیل سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ اولیاء خلافِ شریعت چلتے ہیں کیوں کہ ایک تو نصوص کا ظاہر ہے اس پر اصحابِ حدیث چلتے ہیں۔ دوسرے نصوص کے معانی محض یا احکام ہیں۔ اس پر فقہاء چلتے ہیں تیسرے نصوص کے معنی المعنیٰ۔ اس پر بعض احکام میں صوفیاء عامل ہیں۔ تو صوفیاء محققین کا عمل اور طریق بھی بلا اسناد شرع نہیں جیسا کہ تفصیل سے پہلے بیان آچکا ہے۔

اِصطلاحاتِ تصوّف کا بیان

احوال و معارف

تصوّف کی اصطلاحات دو قسم پر ہیں ایک وہ جو مقاصد کے متعلق ہیں وہ تو شریعت سے الگ نہیں بلکہ مقاصد میں تصوّف کی اصطلاحات کی حقیقت وہی ہے جو شریعت میں مذکور ہے۔

دوسری وہ اصطلاحات ہیں جو امور زائدہ کے متعلق ہیں وہ شریعت سے جدا ہو سکتی ہیں۔ جیسے تجدّدِ امثال، وحدۃ الوجود، شغلِ رابطہ وغیرہ سو یہ صوفیاء کا لطیفہ ہے کہ اپنے اسرار کو عوام سے بچانے کے لئے اصطلاحیں مقرر کر لی ہیں ورنہ قرآن و حدیث سے جدا ہو کر صوفیاء کرام کوئی نئی بات نہیں کہتے۔

علمائے خشک ان کی اصطلاحات کو نہیں سمجھتے، ان پر اعتراض کر دیتے ہیں جو کہ واقع میں ان پر اعتراض نہیں ہوتا۔ بلکہ اپنی فہم پر ہوتا ہے۔

اشتباہ اصطلاحات تو ہر فن میں ہوتی ہیں۔ لہٰذا وہ باعثِ اعتراض نہیں ہو سکتیں۔

فرقؔ مخلوق پر نظر کا ہونا، مخلوق کو مرآۃ مشاہدۂ انوارِ حق نہیں بنایا مصنوع سے صانع کی طرف توجہ منصرف نہیں کی۔ گویا عالم اس کی نظر میں تاریک ہے۔

جمعؔ مشاہدۂ و غلبۂ توجہ بحق سے مشرف ہونا۔ خلق کی طرف بالکل متوجہ نہیں کچھ التفات نہیں۔

جمعُ الجمعؔ حق اور خلق پر نظر رکھنا یعنی خلق کو مرآۃ حق بنانا۔ اس اعتبار سے خلق کی طرف توجہ ہے۔ مشاہدہ حق اول بالذات ہے اور مشاہدہ خلق من حیث المرآۃ ہے پس ایک حالت میں حق اور خلق پر نظر ہے۔

رابطۃ القلب بالشیخ اس کی حقیقت۔ شیخ سے ازدیادِ محبت ہے۔

فنا فی الشیخ مرید و شیخ میں غایت تناسب و مناسبت ہونا اور یہ غایت اطاعت و محبت سے ہو جاتی ہے۔

جذب بلا ذریعہ اکتساب و مجاہدہ جو احوالِ باطنیہ حاصل ہو جاتے ہیں اسی کو جذب کہتے ہیں اور اسے اجتباد و محبوبیت و مرادیت بھی کہتے ہیں۔

اِتِّصَال واِتِّحَاد اتحاد کی ایک صورت یہ ہے کہ دو چیزوں کی ذات ذاتاً مل جانا، ایک ہو جانا جیسے دودھ اور پانی کا مل جانا یہ تو اللہ تعالیٰ کی جناب میں محال ہے۔ عقلاً بھی نقلاً بھی۔ اور اس کا قائل ہونا، اعتقاد کرنا۔ الحاد و زندقہ و کفر ہے۔ دوسرے معنیٰ اتحاد و اتصال کے یہ ہیں، ایک شئے کا متبوع و محتاج الیہ اور موقوف علیہ ہونا اور دوسرے کا محتاج و تابع اور موقوف ہونا۔ ایسا علاقہ تعلق عام مخلوق کو خالق کے ساتھ ہے۔ اس کو عینیت سے تعبیر کرتے ہیں۔ تیسرے معنیٰ عرفی اعتبار سے ہیں یعنی محبت و محبوبیت کا علاقہ و تعلق خاص دو شخصوں میں ہونا یہ علاقہ خاص مقبولانِ الٰہی کو اللہ تعالیٰ سے حاصل ہے۔

اِبنُ الوَقت وَاَبُوالوَقت ابنُ الوقت کا اطلاق دو معنیٰ پر ہوتا ہے۔ ایک وہ سالک جو مغلوب الحال ہو یعنی جو حالت اس پر وارد ہو اس کے آثار میں مغلوب ہو جاوے اس کے مقابل اَبُوالوقت ہے یعنی وہ سالک جو اپنے حال پر غالب ہو کہ جس کیفیت و حالت کو چاہے اپنے اوپر وارد کرے یعنی جس کیفیت کی طرف توجہ و قصد کرے اس کے آثار اس میں پیدا ہو جائیں مثلاً انس، شوق، وجد، فنا وغیرہ اور ابن الوقت کے دوسرے معنیٰ یہ ہیں کہ سالک واردات مقتضیٔ وقت کا حق ادا کرے خواہ وہ واردات اس پر غالب ہوں یا یہ ان واردات پر غالب ہو۔

اِجتِبَاء قُرب کی دو قسمیں ہیں۔ قربِ فرائض۔ قربِ نوافل قربِ فرائض

یہ ہے کہ انسان تمام موجودات کے ادراک سے فنا ہو جائے اور اس کی نظر میں سوائے انوارِ الٰہی کے کچھ بھی نہ رہے کہ ماسوی اللہ سے نظر اٹھ جائے فنا فی اللہ کا یہی مطلب ہے یہ قربِ فرائض کا ثمرہ ہے۔

قربِ نوافل یہ ہے کہ سالک سے انسانی صفات زائل ہو جائیں اور خدائی اوصاف حاصل ہو جائیں اور صِبْغَةَ اللّٰہِ اور تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ کا مصداق ہو جائے۔ جس کی تشریح یہ ہے۔

قربِ فرائض و قربِ نوافل

جب بندۂ مومن ریاضت و مجاہدہ کرتا ہے۔ تو اس کے صفاتِ رذیلہ اور دَوَاعیِ شہوت وغضب زائل ہو جاتے ہیں اور اس کے نفس میں ایک ملکۂ راسخہ حق تعالیٰ کی مرضیات سے محبت کا اور حق تعالیٰ کی نامرضیات سے بغض کا پیدا ہو جاتا ہے۔ جس سے بلاتکلف اعمالِ حسنہ وافعالِ محمودہ صادر ہوتے ہیں اور اعمالِ قبیحہ وافعالِ ذمیمہ قریب قریب معدوم ہو جاتے ہیں۔ ایسے شخص کے متعلق حدیث شریف میں آیا ہے۔ فَاِذَا اَحْبَبْتُہٗ کُنْتُ سَمْعَہُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِہٖ وَبَصَرَہُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِہٖ وَیَدَہُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِھَا وَرِجْلَہُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِھَا۔ (رواہ البخاری) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اس کا کان، آنکھ ہاتھ، پاؤں، بن جاتا ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ اس کے اعضاء و جوارح سے سب افعال میری اپنی مرضی کے موافق صادر ہوتے ہیں پس گویا میں ہی اس کے اعضاء بن جاتا ہوں سو یہ کلام ارشادِ ربانی۔

تشبیہ و تمثیل کے طور پر ہے اور اس حدیث شریف میں مجازاً حق تعالیٰ کو آلہ اور عبد کو فاعل کہا گیا ہے۔ یَسْمَعُ وَ یُبْصِرُ کی نسبت عبد کی طرف ہے صوفیاء کرام نے اس اطلاق کا اتباع کر کے یہ عنوان مقرر کیا ہے کہ بندہ فاعل اور حق تعالیٰ آلہ بن جاوے، اور چونکہ اس حدیث شریف میں اس مرتبہ کا حصول کثرتِ نوافل پر ہے جیسا کہ حدیث مذکور سے قبل جملہ ہے۔ لَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّہٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُہٗ الخ اور مجاہدہ ریاضت میں تکثیر نوافل لازم ہے۔ خواہ نماز، روزہ، یا کثرتِ مراقبات، یا تقلیل مباحات اس لئے صوفیاء کرام اتباعاً للحدیث اس مرتبہ کو قربِ نوافل کہتے ہیں اور چونکہ اس میں صفات و افعال رذیلہ کا ازالہ ہوا ہے اس لئے اس کو فناءِ صفات سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ الحاصل قربِ نوافل میں انسانی صفات زائل ہو جاتی ہیں اور خدائی صفات حاصل ہو جاتی ہیں اور اس طرح سالک صِبْغَۃَ اللّٰہ اور تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہ کا مصداق بن جاتا ہے۔

دوسرا قربِ فرائض ہے جو اس سے اعلیٰ درجہ کا ہے وہ یہ کہ عبد کی ہستی ایسی مضمحل ہو جاوے کہ اپنی قدرت و ارادہ کو قدرت و ارادۂ حق کے سامنے ذوقی طور پر کالفانی و کالعدم سمجھنے لگے اور افعال و اعمال میں بمنزلہ آلۂ محضہ کے ہو جاوے اور حق تعالیٰ کی مؤثریتِ مستقلہ پیشِ نظر ہو جاوے۔ اس کو اس عنوان سے تعبیر کرتے ہیں کہ حق فاعل ہو جاوے اور عبد آلہ بن جاوے اور چونکہ یہ اول سے اعلیٰ ہے کیونکہ اول صرف فناءِ رذائل تھا فناءِ اختیار نہ تھا۔ اور اس میں فنائے اختیار

ہے اس لیے اول سے یہ اعلیٰ ہے اور حدیث شریف میں تقرب بالفرائض کو تقرب بالنوافل سے اعلیٰ و افضل کہا گیا ہے چنانچہ اسی حدیث شریف کا اول جزیہ ہے۔ وَمَا تَقَرَّبَ اِلَیَّ عَبْدِیْ بِشَیْئٍ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ اَدَآءِ مَا افْتَرَضْتُ عَلَیْہِ اس لئے صوفیاء موافقۃً للحدیث اس کو قرب فرائض کہتے ہیں اور چونکہ اس میں سالک کو اپنی صفات ذاتیہ قدرت و اختیار بھی نظر نہیں آتا اس لئے اس کو فناء ذات سے تعبیر کرتے ہیں۔

تجرید و تفرید تجرید یہ ہے کہ اغراض دنیوی و اخروی کو ترک کر دینا۔ تفرید یہ ہے کہ کسی چیز کی اپنی طرف نسبت نہ کرنا۔ تفرد یہ ہے کہ تمام غیر اللہ سے اپنے کو خالی کر لینا۔

تلوین و تمکین تلوین یہ ہے کہ سالک کے قلب کے حالات کا مختلف ہونا۔ کبھی قبض کبھی بسط کبھی سکر کبھی صحو مبتدی کو یہ تغیرات کافی پیش آتے ہیں اور یہ مُضر نہیں بلکہ لوازم سلوک ہیں لہٰذا پریشان نہ ہونا چاہیے۔ پریشانی سخت مُضر ہے۔

تمکین یہ ہے کہ دوام طاعت و کثرت ذکر میں استقامت و مضبوطی کے ساتھ مشغول رہے۔ حسب استعداد آخر میں مناسب حالت محمودہ پر قرار ہو جاتا ہے۔ اس کو تمکین کہتے ہیں۔ اسی تمکین کا نام توسط و اعتدال ہے اسی توسط کی وجہ سے اس اُمت کا نام اُمتِ وسط ہے

اشتباہ تلوین والا پہچانا جاتا ہے اور صاحب تمکین کی حالت عوام جیسی ہو جاتی ہے اس کا پہچاننا مشکل ہوتا ہے

صاحبِ تلوین صاحبِ حال ہے۔ صاحبِ تمکین حقیقت شناس ہے
صاحبِ تلوین راہ میں ہے۔ صاحبِ تمکین واصل ہو چکا ہے۔ تمکین
کے بعد تمام کے حقوق بخوبی ادا ہوتے رہتے ہیں۔

تجلّی

تجلّی ظہور کو کہتے ہیں اس کی کئی قسمیں ہیں۔ ہر ایک کے جدا آثار ہیں

تجلّیٔ ذاتی سالک کے وجود عنصری کے صفات و آثار کچھ باقی ہیں تو اس تجلّی کے وقت بے ہوش ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام طور پر بے ہوش ہو گئے اور اگر وجودِ عنصری کے آثار بالکل فنا ہو گئے تو مشاہدہ کر سکتا ہے۔ جیسا کہ قبل وفات شریف یہ خلعت خاص رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو عنایت ہوا۔ اور بعد موت سب مؤمنین کو جنت میں مشاہدہ و دیدار ہوگا۔

تجلّیٔ صفاتی اس کی علامت یہ ہے کہ صفاتِ جلالی تجلّی کریں تو سالک پر خشوع وخضوع کا غلبہ ہوتا ہے اور اگر صفاتِ جمالی تجلّی کریں تو سالک کو سرور و انس ہوتا ہے۔

تیسری تجلّی افعالی اس کی علامت یہ ہے کہ سالک کی نظر مدح و ذم

اور نفع و ضرر، ردّ و قبول پر نہیں رہتی۔

تزکیہ جس طرح جسم ظاہری کے لئے ایک حالت صحت کی ہے اور ایک مرض کی۔ اسی طرح باطن کے لئے ایک حالت صحت کی ہے ایک حالت مرض کی۔ پس نفس کو امراضِ باطنہ سے پاک وصاف کرنا یہی تزکیہ ہے۔ اس کا شریعت میں نہایت درجہ تاکیدی حکم ہے۔ یہی مدارِ فلاح ٹھہرایا ہے۔

حال و مقام سالک کے قلب پر جو کیفیات غیب سے نازل ہوں جس میں اس کا کچھ اختیار نہیں اس کو حال کہتے ہیں۔

مقام سالک نے مرتبۂ سلوک میں جو استقامت یعنی پختگی حاصل کی ہو وہ مقام کہلاتا ہے۔

مقاماتِ سلوک وہی اعمال باطنہ ہیں۔ جن کے حاصل کرنے کا شریعت نے امر کیا ہے۔ ہر مسلمان ان کا مکلف ہے۔ اس لئے سلوک کا بھی مکلف ہے خصوصًا سالک ہمیشہ ان کے طے کرنے میں مشغول ہے۔ اس کو کسی وقت توقف نہیں ہوتا۔ مقام سالک کے تحت ہوتا ہے اور حال کے تحت سالک ہوتا ہے۔

حجابات

حجاب کے معنیٰ پردہ۔ رکاوٹ ہونا۔ کہتے ہیں سمجھے ان کے پاس جانے سے حجاب ہوتا ہے۔ کسی چیز تک پہنچنے میں مانع کا ہونا، چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ ایک موقع پر جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کا آج زیادہ سے زیادہ قرب ہوا لیکن پھر بھی میرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ستر ہزار حجابات تھے۔ اب کشف سے اس کے متعلق بیان ہے کہ ہر لطیفہ میں دس دس ہزار حجابات ظلمانی و نورانی ہیں اور لطائف چھ ہیں ان کے علاوہ لطیفہ قالبیہ کو ملا کر سات لطیفے ہیں تو ہر لطیفے کے دس ہزار تو سات لطیفے کے ستر ہزار حجابات ہو گئے جب ذاکر خلوص وصدق بطلب و فکر ذکر میں مشغول ہوتا ہے تو ذکر سے ظلمت دفع ہوتی ہے اور لطیفہ کا نور سالک کو نظر آتا ہے۔ یہ علامت ان حجابات کے اٹھ جانے کی ہوتی ہے۔ مثلاً حجاب نفس کا شہوت ولذت ہے اور حجاب دل کا نظر کرنا غیر حق پر ہے۔ حجاب عقل کا معانی فلسفہ میں خوض و غور کرنا اور حجاب روح کا مکاشفات ہیں عالم مثال کے وعلیٰ ہٰذا ان میں سے کسی کی طرف التفات نہ ہو مقصود حقیقی کی طرف

متوجہ رہے اور غیر مقصود کی نفی کرتا رہے۔
اسی کو مولانا رومیؒ نے فرمایا ہے۔

عشق آں شعلہ است کو چوں بر فروخت
ہرچہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

تیغ لا در قتل غیر حق براند * در نگر آخر کہ بعد لا چہ ماند
ماند الا اللہ و باقی جملہ رفت * مرحبا اے عشق شرکت سوز رفت

عشق وہ شعلہ ہے کہ جب وہ روشن ہو جاتا ہے تو معشوق کے سوا سب کو نذر آتش کر دیتا ہے۔ غیر اللہ پر لا کی تلوار چلا اور پھر دیکھ کر لا کے بعد کیا رہتا ہے بس الا اللہ رہ جائے گا باقی سب ختم ہو جائے گا۔

مراتبِ حجابات

حجابات کے چار مرتبے ہیں (۱) ناسوت (۲) ملکوت (۳) جبروت (۴) لاہوت۔ اصل یہ ہیں۔ ایک اور بعض نے کہا ہے (۵) ہاہوت
۱۔ ناسوت۔ یہ عالم انسان ہے (۲) ملکوت عالم ملائکہ ہے۔
۳۔ جبروت مرتبۂ تفصیل صفات ہے (۴) لاہوت مرتبۂ اجمالِ صفات ہے
۵۔ ہاہوت مرتبۂ ذاتِ حق ہے۔

انتباہ یہ حجابات دراصل مقاماتِ سلوک نہیں ہیں بلکہ مراتبِ وجود ہیں۔ ہاہوت و لاہوت و جبروت کا طے کرنا تو انسان سے محال ہے ذات وصفاتِ حق کے مراتب کون طے کرسکتا ہے کیوں کہ ممکن جو ذاتِ انسان ہے اس کا ذاتِ وجوب حق کی طرف انقلاب لازم آتا ہے اور یہ محال ہے۔ اور ناسوت کے طے کرنے کی ضرورت ہی نہیں اس میں تو آپ موجود ہی ہیں اور ملکوت میں پہنچنا ممکن تو ہے مگر اختیاری نہیں بعد موت کے خود بخود ہر شخص وہاں پہنچ جاتا ہے کا مرتبہ لاہوت مرتبہ جبروت غیر مخلوق ہیں۔

غیر صفاتِ اجمالیہ و تفصیلیہ اس کا جسقدر انکشاف ہے وہ بیشک مقصود ہے اب اور مرتبے جو مخلوق ہیں وہ حجاب ہیں ایک حجابِ ملکوتی جوکہ وہ حجابِ نورانی ہے دوسرا مرتبۂ ناسوتی ہے جوکہ وہ حجابِ ظلمانی ہے اور مرتبۂ ناسوتی جو کہ نہایت گھٹیا حقیر ہے وہ کچھ ایسا حاجب نہیں کیوں کہ شئے حقیر کی طرف کیا نظر لیکن مرتبۂ ملکوتی کہ وہ نورانی ہے باعظمت ہے وہ زیادہ حاجب ہے۔ غرض دونوں قابلِ التفات نہیں۔ نہ نورانی نہ ظلمانی۔

سیر الی اللہ و سیر فی اللہ تعلق مع اللہ کے دو درجے ہیں ایک سیر الی اللہ یہ تو محدود ہے دوسرے سیر فی اللہ یہ غیر محدود ہے۔ سیر الی اللہ یہ ہے کہ نفس کے امراض کا علاج شروع کیا یہاں تک کہ شفا ہوگئی۔ امراضِ نفس کا ازالہ

ہوگیا۔ اور اخلاق حمیدہ سے آراستہ ہوگیا اور ذکر وشغل سے تعمیر شروع کی یہاں تک کہ وہ انوارِ ذکر سے معمور ہوگیا۔

یعنی تخلیہ وتحلیہ کے قواعد اور ارتفاع موانع اور معالجۂ امراض سے واقف ہوکر نفس کی اصلاح ہوگئی کہ اعمال صالحہ کی رغبت طبعیت ثانیہ بن گئی اعمال وعبادت میں سہولت ہوگئی انسیت وتعلق مع اللہ حاصل ہوگیا تو سیر الی اللہ ختم ہوگئی اس کے بعد سیر فی اللہ شروع ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات وصفات کا حسب استعداد انکشاف ہونے لگا تعلق سابق میں ترقی ہوئی اسرار وحالات کا ورود ہونے لگا یہ غیر محدود ہے یہ وہ تعلق ہے کہ جس کے متعلق کہا گیا ہے ؎

بحر لیست بحرِ عشق کہ ہیچش کنارہ نیست
اینجا جُز اینکہ جاں بسپارند چارہ نیست

یعنی عشق کا سمندر ایک ایسا سمندر ہے کہ جس کا کوئی کنارہ نہیں یہاں سوائے جان سونپ دینے کے کوئی چارہ نہیں۔

صوفی

خیر القرون میں صحابی، تابعی، تبع تابعی امتیاز حق کے لئے کافی القاب تھے۔ پھر خواص کو زہاد، عُباد کہنے لگے۔ پھر جب فتن و بدعات

کا شیوع ہوا اور اہلِ زیغ بھی اپنے کو زُہّاد، عُبّاد کہنے لگے۔ اس وقت اہلِ حق نے امتیاز کے لئے صُوفی کا لقب اختیار کیا۔ اور دوسری ہی صدی میں اس لقب کی شہرت ہوگئی۔ لفظ صوفی۔ صُوف، صفاء، صُفہؔ سے مشتق (بنایا گیا) ہے۔

جذب اور سُلوک تربیت کے دو طریق ہیں ایک جذب دوسرا سُلوک جذب یہ کہ طالب پر ذکر و فکر و شغل و مراقبہ کے ذریعہ محبت کا غلبہ کیا جاوے اور اعمالِ زائدہ نافلہ میں کم لگایا جاوے اور اس طریقِ محبت کے ذریعہ اس کو مقصود تک پہنچایا جاوے دوسرا طریق سُلوک ہے وہ یہ کہ تلاوتِ کلام پاک اور نوافل و ذکر وغیرہ میں زیادہ مشغول کیا جاوے۔

مُدارات و مُداہنت مُدارات کا حاصل اہلِ جہل کے ساتھ نرمی کرنا ہے تاکہ وہ دین کی طرف آجائیں اور اہلِ شر کے ساتھ نرمی کرنا ہے۔ تاکہ ان کے شر سے حفاظت رہے اور یہ دونوں صورتیں محمود و مطلوب ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اوّل تو یہ خود دین میں مقصود ہے۔ دوسرے اس وجہ سے کہ مقصود میں معین ہے کیونکہ کسی شریر کی ایذاء میں مبتلا ہوجانے سے احیاناً طاعت میں بھی اور اکثر تبلیغ میں بھی خلل پڑ جاتا ہے۔

مداہنت یہ ہے کہ بد دینوں کے ساتھ نرمی کرنا تاکہ ان سے مال و جاہ کا نفع حاصل ہو یہ ناجائز و حرام ہے۔

انتباہ مدارات حضرات صوفیاء کے خاص اخلاق میں سے ہے۔

نسبت اس کے لغوی معنیٰ لگاؤ اور تعلق کے ہیں اور اصطلاحی معنیٰ میں بندہ کا حق تعالیٰ سے خاص تعلق یعنی قبول و رضا کا تعلق اور بندہ کا تعلق حق تعالیٰ کے ساتھ طاعت و ذکر کا۔ اس کو یوں سمجھو جیسے عاشقِ مطیع اور وفادار معشوق میں تعلق ہوتا ہے۔

طریق حصولِ نسبت جب ذکر اللہ کی کثرت اور مجاہدات و ریاضات کی کثرت سے ظلماتِ نفسانیہ و کدورات طبیعیہ کا ازالہ ہو جاتا ہے تو قلب و روح کو حق تعالیٰ کے ساتھ ایک مخصوص تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کو نسبت سے تعبیر کرتے ہیں اور اسی نسبت کے پیدا ہو جانے کا نام وصول ہے۔

انتباہ جب نسبت تعلقِ طرفین کا نام ہے۔ یکطرفہ تعلق کو نسبت نہیں کہتے۔ تو بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ ان کو خدا تعالیٰ کے ساتھ محض یاد کا تعلق ہوتا ہے اور یہ تعلق یکطرفہ ہے۔

دو طرفہ تعلق جو ہوتا ہے وہ عمل و اطاعت سے ہوتا ہے جب انسان عمل و اطاعت کرتا ہے اس وقت حق تعالیٰ کو بھی اس سے تعلق ہو جاتا ہے اور اس کا انتقاء ایک دم نہیں ہوتا بلکہ رفتہ رفتہ ہوتا ہے کہ دیکھنے والوں کو پتہ بھی نہیں چلتا۔ البتہ اس کی ظاہری علامت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تمام افعال و اقوال، اعمال و احوال میں زیادہ تشبہ

دیکھا جاوے ہر ہر بات میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اتباع کی کوشش ہو اور یہ اتباع عادت ہو جاوے کہ بے تکلف سُنّت کے موافق افعال صادر ہونے لگیں۔

سُکر و صَحو

سُکر یہ ہے کہ وارد غیبی سے ظاہری و باطنی احکام میں امتیاز اُٹھ جاوے۔

صَحو۔ اس امتیاز کا عود کر آنا صحو ہے۔

سُکر کا واقعہ اور مثال رواہ الترمذی

حضرت جبرئیل علیہ السلام کا دریا کی کیچڑ فرعون کے منہ میں ٹھونسنا ہے اس اندیشہ سے کہ اس کو رحمت الٰہیہ نہ پا ئے۔ باوجودیکہ مدار، قبول ایمان کا قلب پر ہے بعد اجتماع شرائط۔ پھر بھی اس کے منہ میں کیچڑ دینا، یہ غلبہ سُکر ہی کے سبب سے تھا اور اس غلبہ کا سبب غایت درجہ بغض فی اللہ تھا۔

اسی طرح دوسری مثال اور واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

گایا ہے کہ جب عبداللہ بن اُبی منافق کے جنازے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھانے کھڑے ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس پر نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھ کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا ہے منع نہیں فرمایا۔ (بخاری مسلم ترمذی، نسائی)

یہاں پر بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قلب پر بغض فی اللہ کا ورود ایسا قوی ہوا کہ ان کو اس طرف التفات ہی نہ ہوا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قولاً فعلاً کیا معاملہ کر رہا ہوں۔ صورۃً ادب سے مُستبعَد ہے اور ایسی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو معذور رکھا۔ پھر جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حالتِ صحو میں آئے تو حدیث شریف میں ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ مجھ کو بعد میں اپنی اس جرأت پر تعجب اور ندامت ہوئی۔

غلبۂ حال! یہ غلبہ جس طرح ناقصین کو ہوتا ہے اسی طرح گاہے کاملین کو بھی ہو جاتا ہے بلکہ بعض دفعہ حضراتِ انبیاء علیہم السلام پر بھی غلبہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ واقعہ بدر میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فتح کی دُعا فرما رہے تھے اس میں یہ بھی فرمایا اِنْ تَهْلِكْ هٰذِهِ الْعِصَابَةُ لَمْ تُعْبَدْ بَعْدَ الْيَوْمِ۔ یعنی اے اللہ اگر یہ مختصر جماعت ہلاک ہو گئی تو پھر آج کے بعد سے کوئی آپ کی عبادت نہ کرے گا۔ یہ اسی لیے فرمایا تھا کہ اس وقت آپ پر غلبۂ حال تھا۔

آپ کی اُمت کے بعض کاملین پر بھی غلبۂ حال ہوا۔ چنانچہ حضرت بایزید بُسطامیؒ کا قصہ مشہور ہے کہ انہوں نے حالتِ سُکر میں سُبحانی مَا اَعظم شَانِی کہا تھا۔ لیکن ان حضرات کاملین کو ایسا غلبۂ حال نہیں ہوتا کہ مسلوب الحواس ہو جائیں۔ ذرا سے محرک سے حالتِ سُکر مُبدّل بصَحو ہو جاتی ہے

انتباہ حالتِ صَحو میں ضبط واجب ہے، اخفاء حال لازم ہے اور حالتِ سُکر کے بعد حضرات صوفیاء صحو میں آکر اس کا تدارک توبہ وغیرہ سے کرتے ہیں گو تو یہ ضروری نہیں ہوتی چونکہ حالتِ سُکر غلبۂ حال اور معذوری کی حالت ہوتی ہے۔ لیکن چونکہ بہر حال کلماتِ غیر مشروعہ کا صدور ہوا تو اس کا تقاضا معذرت ہے اس لیے یہ حضرات اس تقاضا کو پورا فرماتے ہیں۔ یہ ایسا ہے جیسے کہ بلا اختیار کسی بزرگ کو کسی شخص کی ٹھوکر لگ جائے تو یہ شخص معلوم ہونے پر شرماتا ہے اور معذرت کرتا ہے علاوہ اس کے یہ بھی ہے کہ مخلوق کو ضلالت سے بچانا اور محفوظ رکھنا ہوتا ہے اس لیئے بھی یہ حضرات تلافی کرتے ہیں چنانچہ حضرت بایزید بُسطامیؒ جب حالتِ صحو میں آئے اور معلوم ہوا کہ میں نے حالتِ سُکر میں سبحانی مَا اَعظم شَانِی کہا تھا تو اس کا تدارک فرمایا جیسا کہ ان کے ملفوظات میں یہ نقل ہے کہ اِن قُلتُ سُبحَانِی مَا اَعظَمَ شَانِی فَاَنَا مَجُوسِیٌّ فَاَقطَعُ زُنَّارِی وَاَقُولُ اَشهَدُ اَن لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ یعنی اگر میں نے سبحانی الخ کہا ہے تو میں مجوسی ہو گیا اس لئے میں زنار توڑتا ہوں اور اَشہد الخ پڑھتا ہوں

قبض و بسط

واردات کا کسی مصلحت سے منقطع ہو جانا۔ خوف کا بڑھ جانا کہ محبوب کی تجلیِ جلالی یعنی عظمت و استغنار کے آثار کا وارد ہونے سے قلب کا گرفتہ ہونا۔ گھٹن، بجھاوٹ، روکھی روکھی سی کیفیت ہونا دل کا بے رونق و منقبض ہونا، قبض کہلاتا ہے۔

دلیل ثبوتِ قبض

یہی وہ حالت تھی جو حضرت کعبؓ پر غزوہ تبوک میں عدم شرکت کے باعث طاری ہوئی تھی جس کو ضیقِ ارض اور ضیقِ نفس سے تعبیر فرمایا ہے۔

اسبابِ قبض

قبض کے اسباب مختلف ہوتے ہیں۔ عدم رضائے حق ہی پر انحصار نہیں ہے پس حالتِ قبض جیسے شور اعمال کی وجہ سے طاری ہوتی ہے کہ طاعات میں لذت مفقود ہو جاتی ہے ۔ اسی طرح کبھی یہ حالت فتور و کسل و ملال کی وجہ سے بھی طبعاً پیش آجاتی ہے۔ ۔ کبھی امتحاناً یہ حالت پیش آجاتی ہے کہ یہ سالک حق کا طالب ہے یا لذت کا تو منجانب اللہ یہ حالت طاری اور وارد کی جاتی ہے جس سے امتحان مقصود ہوتا ہے

(۲) بعض وقعہ سالک کی اصلاح کے لئے یا سنبھالنے کے لئے بھی بسط کو سلب کر لیا جاتا ہے تاکہ عُجب و کبر میں مبتلا نہ ہو۔

انتباہ ہمارے دادا پیر حضرت حاجی امداد اللہ صاحب تھانوی ثم مہاجر مکی قدس سرہ العزیز کا ارشاد ہے جس کو اس فقیر کے شیخ حضرت حکیم الامت التھانوی نور اللہ مرقدہ نے نقل فرمایا کہ قبض حقیقۃً بصورتِ قہر لطفِ الٰہی ہے۔ یعنی صورۃً قہر ہے حقیقۃً مہر ہے۔ اسی کو مولانا رومیؒ نے فرمایا ہے ؎

چونکہ قبضے آیدت اے راہ رو ٭ آں صلاح تست آتش دل مشو

کہ اے سالک جب تجھے قبض پیش آوے تو اس سے دل گرفتہ اور ناامید نہ ہو کیوں کہ وہ تیری اصلاح کا ذریعہ ہے۔

انتباہ قبض منافع میں بسط سے بھی زیادہ ہے۔ گو وہ منافع بالفعل معلوم نہ ہوں۔ آگے چل کر معلوم ہو جاتے ہیں۔ اور بالفرض معلوم نہ بھی ہوں۔ تو مقصود تو حاصل ہے اور حصول ہی مقصود ہے نہ کہ حصول کا علم۔

قبض کے منافع غایتِ انکسار، عبدیت کے آثار، مثل مشاہدہ عجز و انکسار، ضعف اور غلبۂ انکسار و افتقار و فنائے دعویٰ کیا خوب کہا ہے ؎

فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ ٭ جز شکستہ می نگیرد فضلِ شاہ

یعنی عقل و سمجھ کو تیز کرنا کوئی راہ نہیں ہے وراس سے مقاصد و

اسرار حاصل نہیں ہوتے) بس شکستہ دل کے سوا بادشاہِ حقیقی کا فضل کوئی حاصل نہیں کرسکتا۔ یعنی اس کا فضل متواضع منکسر القلوب لوگوں پر متوجہ ہوتا ہے۔

اسی کو حق تعالیٰ بطور وعدہ فرماتے ہیں حدیثِ قدسی ہے اَنَا عِنْدَ الْمُنْکَسِرَةِ قُلُوْبُہُمْ کہ میں ٹوٹے ہوئے دلوں کے پاس ہوں۔ انکسار والے دلوں کے پاس ہوں۔

قبض سے عُجب کا علاج ہوتا ہے، عبدیت کی حقیقت کا آئیں انکشاف ومشاہدہ ہوتا ہے، غرض تہیدستی کھلی آنکھوں نظر آتی ہے اور بھائی بڑی بات یہ ہے کہ اختیاری امور واعمال کی پابندی ایسے ہی وقت دیکھنے کے قابل ہے اور محلِ امتحان ہے پس اگر اس امتحان میں پاس ہوگیا تو اعلیٰ درجہ کے نمبر کا مستحق ہوگیا۔ انشاء اللہ تعالیٰ اعلیٰ مقامات حاصل ہوں گے۔ قربِ خاص عطا ہوگا۔

بَسط

قبض کے مقابل حالتِ بَسط ہے۔ یعنی آثارِ لطف وفضل کے ورود سے قلب کو سُرور وفرحت ہونا بسط ہے۔

مُشَاهَدَه:۔ کسی امر کے استحضار اور خیال کا قلب پر غالب

قوی ہو جانا مشاہدہ کہلاتا ہے۔

دلیل جیسے حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ہم لوگ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں ہوتے ہیں اور آپ جنت و دوزخ کا ذکر فرماتے ہیں تو اس وقت ہم ایسے ہوتے ہیں گویا کھلی آنکھوں جنت و دوزخ کو دیکھ رہے ہیں۔ تو حضرت حنظلہؓ کے اس ارشاد سے مراد یہی غلبۂ استحضار ہے مشاہدہ کے لغوی معنیٰ مراد نہیں۔ بعضے ناواقفی سے غلطی میں پڑ جاتے ہیں کہ مشاہدہ بمعنیٰ رویت سمجھ کر الجھ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو جنت میں ہوگا دنیا میں نہیں ہو سکتا۔

حکمت و مصلحت یہ مشاہدہ جس کا حاصل غایتِ استحضار ہے قوت کے ساتھ قلب پر ایک حضور کی کیفیت وارد ہو جانا ہے یہ مثل اسی ظاہری مشاہدہ اور رویت کے ہوتا ہے اس لیئے اس کا ایک خاص اثر ہوتا ہے۔ اور سالک کو اس سے بہت کچھ تسلی ہو جاتی ہے اس لئے یہاں عالم دنیا کے اعتبار سے اس استحضارِ تام ہی کو مشاہدہ کہا جاتا ہے۔

البتہ اس کا دوام بندہ کی مصلحت کے خلاف ہے کیوں کہ بندہ کو دوام مشاہدہ کا تحمل نہیں اس لئے کہ دنیا میں تجلیِ دائمی سے بندہ مغلوب ہو جاتا ہے اور ہر وقت ایک استغراقی کیفیت طاری رہتی ہے اور مغلوبیت میں اعمال کے اندر کمی آجاتی ہے جس سے قرب کم

ہو جاتا ہے کیوں کہ مدارِ قرب اعمال پر ہی ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے
اس مشاہدہ حضور و رؤیت سے منع تو کیا نہیں کیوں کہ یہ سالک کے لیے
اشد ہے بلکہ یہ کیا کہ سالک کو مخلوق کی طرف بادائے حقوق متوجہ کر دیا۔
جنت میں بھی بعض اوقات لذائذ نفس کی طرف متوجہ کر دیں گے۔

اس کو اس مثال میں سمجھو کہ محبوب، معشوق نے دیکھا کہ عاشق بڑے
غور سے اور بڑی دیر سے مجھ کو دیکھ رہا ہے اب محبوب کو اندیشہ ہوا کہ زیادہ
نظر جما کر دیکھنے سے مر نہ جائے۔ اب اگر دیدار سے منع کرے تو یہ بہت
سخت ثابت ہوگا اس میں سخت بے چینی ہوگی اور اس میں بھی وہی اندیشہ
ہے کہ مر نہ جائے۔ اس لیے بجائے روکنے کے یہ کیا کہ خدمت میں لگا
دیا کہ عاشق کو بازار بھیج دیا کہ جاؤ مٹھائی لے آؤ اس طرح اس کو محبوب سے
کچھ استتار ہو گیا مگر کیفیتِ شوق میں اعتدال ہو جائے گا۔ اور تعمیلِ حکم
محبوب کی بھی ایک خاص لذت ہے جو کہ قریب لذتِ دیدار ہی کے
ہے اس طرح صاحبِ مشاہدہ کے لیے اللہ تعالیٰ محبوبِ حقیقی نے حضور تام
تجلی کو باقی رکھ کر دیدار و مشاہدہ سے منع نہیں کیا بلکہ تجلی کو مستتر کر دیا
اور عشاق کو دوسری طرف متوجہ کر دیا تاکہ عشاق کے دل پھٹ نہ جائیں
اور شوق معتدل رہے۔

حقائق و معارف

حقائق و معارف وہ مقبول ہیں جن کو شریعت
رد نہ کرے۔ چنانچہ ابوسلیمان دارانی رح
فرماتے ہیں کہ جو کتاب و سنت کے خلاف ہو میں اس کو قبول نہیں کرتا

ابو خرازؒ کا قول ہے کہ جو باطن ظاہر کے خلاف ہو وہ باطل و مردود ہے ان علوم کی دلیل کشف ہے۔

طریقِ حصول اگر کسی کو شوق ہو تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع میں بمنزا دولت لگ جاوے تو خود ہی حقائق اور معارف منکشف ہو جاویں گے اور یہ حال ہوگا مولانا رومیؒ فرماتے ہیں ؎

بینی اندر خود علوم انبیاء
بے کتاب و بے معید و اوستاد

یعنی بغیر تعلیم و تعلم بغیر معلم انبیاء علیہم السلام کے علوم منکشف ہو جائیں گے غرض یہ حقائق جن کو بھی حاصل ہوئے ہیں محض اطاعت ہی سے حاصل ہوتے ہیں۔

مثال مثال میں یوں سمجھو موٹی بات ہے کہ کوئی شخص بادشاہ کا پورا مطیع ہو کر محبوب ہو گیا تو بادشاہ اسے خود ہی کبھی اپنے محل کی سیر بھی کرا دے گا کہ دیکھو یہ خزانہ ہے اور یہ چور دروازہ ہے۔ یہ ہماری بیگمات کی قیام گاہ ہے۔ یہ آرام گاہ ہے۔ تو بس اس کے حصول کا طریق یہ ہے کہ اپنے کو بادشاہ حقیقی کے سامنے بالکل فنا کر دے اور اپنی عقل و فہم کو ناقص سمجھ کر چھوڑ دے اور کچھ دنوں خاک ہو کر دیکھے کیا ہوگا۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

در بہاراں کے شود سرسبز سنگ ۔۔۔ خاک شو تا گل بروید رنگ رنگ

یعنی موسم بہار میں پتھر کب سرسبز ہوتا ہے۔ خاک ہو تا کہ پھول رنگا رنگ، پھول کھلیں۔ خاک ہو کر دیکھو کہ تمہارے اندر عجیب علوم القا ہوں گے

تنزّلاتِ ستّہ

یہ ظاہر ہے کہ مصنوعات سے صانع کا ظہور ہوتا ہے۔ مصنوع سے ہی صانع پہچانا جاتا ہے جب یہ بات مسلّم ہے تو ذات باری تعالیٰ میں یہ امر کیوں نہ مسلّم ہوگا کہ اس کی معرفت کا بھی یہی طریق اَسلم و اَسہل ہے

بس اب دوسری بات سمجھو کہ صانع میں ایک مرتبہ ذات کا ہے اور ایک صفات کا۔ پھر صفات میں بھی ایک مرتبہ جامعیت اور اجمال کا ہوتا ہے اور ایک مرتبہ تفصیل کا۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ ہمیشہ ذات کا پتہ و نشان صفات سے لگا کرتا ہے اور اجمال کا پتہ تفصیل سے چلتا ہے

جب یہ باتیں سمجھ میں آگئیں تو اب سمجھے کہ مخلوقات سے خالق برتر اللہ تعالیٰ کے وجود کا ہم کو علم ہوا تو اس ظہورِ علوم کے اعتبار سے یوں کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا علم یعنی ظہورِ علمی مخلوقات سے ہوا پھر اسی قاعدہ کے موافق اللہ تعالیٰ کی صفاتِ تفصیلیہ سے صفاتِ اجمالیہ کا اور ان صفات اجمالیہ سے ذات کا پتہ لگے گا۔ لہٰذا اب یوں کہہ سکتے ہیں

کہ اوّل ظہور اللہ تعالیٰ کا صفات جامعیہ و اجمالیہ سے ہوا پھر صفات تفصیلیہ سے ہوا پھر مخلوقات سے ہوا۔

اب مخلوقات میں ایک عالم ارواح ہے۔ ایک عالم اجسام۔ چونکہ ان میں غایت لطافت و کثافت کی وجہ سے کہ عالم ارواح لطیف ہے، عالم اجسام کثیف ہے کوئی مناسبت نہیں ہے اس لئے ان میں تعلق کے لئے ایک ایسی چیز پیدا کی جس کو دونوں سے مناسبت ہے اور اس کو عالم مثال کہتے ہیں۔ اسی طرح مخلوقات کی ترتیب میں روح پہلے پیدا ہوئی پھر عالم مثال پھر عالم اجسام میں سب سے آخر انسان پیدا ہوا اور اس انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کی صفتیں پیدا فرمائیں اس لئے اس انسان کو جامع کہتے ہیں۔

پس جس ترتیب سے مخلوقات پیدا ہوتی گئیں ظہور صانع و خالق کا بڑھتا گیا تو اب یہ کہہ سکتے ہیں کہ بعد ظہور مرتبہ صفات تفصیلیہ کے عالم ارواح سے ظہور ہوا پھر عالم مثال سے پھر عالم اجسام سے پھر انسان سے۔

اس طرح دو مرتبے تو ظہور کے صفات میں تھے اور چار مخلوقات میں۔ یہ چھ ظہور علی الترتیب ہوئے، ان ہی چھ ظہور کو تنزلات ستہ کہتے ہیں۔ تنزل ان حضرات صوفیاء کی اصطلاح میں ظہور کو کہتے ہیں نہ کہ آسمان سے زمین پر آنے کو۔ بلکہ انسان کے اندر ظہور حق یعنی صفات حق آجانے کو تنزل یعنی ظہور کہہ سکتے ہیں حلول نہیں اس کا اعتقاد تو کفر ہے۔

پس تنزلات کے تو چھ مرتبے ہوئے اور وجود کے سات مرتبے ہیں کیونکہ ایک مرتبہ وجود کا خود ذات حق ہے اس مرتبہ ذات حق کو

باہوت کہتے ہیں۔ اور مرتبۂ صفاتِ اجمالیہ کو لاہوت، اور حقیقتِ محمدیہ اور مرتبۂ صفاتِ تفصیلیہ کو جبروت، اور اعیانِ ثابتہ و حقیقتِ آدم اور عالمِ ارواح اور عالمِ مثالی کو ملکوت اور عالمِ اجسام کو ناسوت اور عالم انسان کو مرتبۂ جامعہ کہتے ہیں۔

انتباہ یہ سب اصطلاحی الفاظ ہیں ورنہ یقینی بات ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت آدم علیہ السلام مخلوق الٰہی سے ہیں نہ کہ صفاتِ الٰہی سے۔ ذات و صفاتِ الٰہی میں ترتیب صرف اعتباری ہے یہ نہیں کہ کسی وقت میں صفاتِ الٰہی اللہ تعالیٰ میں نہ تھیں نعوذ باللہ پھر دفعۃً پیدا ہوگئیں اس طرح تو صفات کا حادث اور مخلوق ہونا لازم آوے گا اور یہ اعتبار بالکل باطل ہے البتہ مخلوق ہر طرح حادث ہیں

تجددِ امثال ایک ہی چیز کا نئے نئے طور پر آتے رہنا۔ لیکن غایت اتصال و تشابہ کے سبب امتیاز نہ ہونا۔ یہ تجددِ امثال ہے اب سمجھئے کہ مخلوقات اپنے وجود میں ہر وقت فیضانِ الٰہی کی محتاج ہے۔ اگر ادھر سے وجود کی حفاظت نہ ہو تو فوراً نیست و نابود ہو جائے تو اہلِ کشف کی تحقیق یہ ہے کہ وجود ہر آن میں جدا آتا ہے مگر اتصال اور وجودات کے تشابہ باہمی کی وجہ سے تغایر و امتیاز نہیں ہوتا اور نہ ہی درمیان کا عدم بوجہ غایتِ اتصال، معلوم ہوتا ہے۔

مثال اس کی ایسی مثال ہے جیسے کہ چراغ ہے کہ اس میں بتی ہے اس بتی کے سرے پر جو آگ کا شعلہ (لو) ہے اس میں چراغ سے ہر وقت نیا تیل آتا ہے اور وہ فنا ہو کر دوسرا آتا

ہے۔ اسی طرح تمام تیل ختم ہوجاتا ہے مگر احساسی طور پر ہیں ہرگز معلوم نہیں ہوتا کہ پہلا تیل کب فنا ہوگیا اور دوسرا کب آیا اسی کو تجددِ امثال کہتے ہیں۔

وَحدۃُ الوُجُود

وُجُودِ حقیقی ذاتِ واجب و اَحد کے لئے ہے۔ دوسرے موجودات ممکنات جو بالذات معدوم تھے ذاتِ واجب کے ایجاد سے بعدالعدم موجود ہوئے تو جس طرح اپنے وجود میں ذاتِ واحد واجب کے محتاج ہوئے اسی طرح اپنے بقاء میں بھی محتاج ہیں اور ہر وجود حیات میں ذی افتقار الی الذات الواجب ہے۔ پس ایسی ذاتِ واجب کے روبرو دوسرے موجودات کا وجود نہایت حقیر و ضعیف اضعف والنقص و مضمحل ہوتا ہے اور کالعدم ہوتا ہے۔ یہی معنیٰ ہیں وحدۃ الوجود کے یعنی کل ممکنات تو موجود ظاہری ہیں۔ لیکن حقیقت میں کوئی موجود نہیں ہستیٔ کامل کے ساتھ کوئی موجود نہیں بجز ذاتِ حق کے، اسی کو ہمہ اوست سے تعبیر کرتے ہیں بمطابق محاوراتِ روزمرہ جیسے کوئی حاکم ضلع سے یا اور کسی حاکم اعلیٰ سے فریاد کرے اور وہ حاکم کہے کہ تم نے پولیس میں رپورٹ کی، تم نے وکیل سے مشورہ کیا؟ اور وہ فریادی کہے

کہ جناب میرے تو پولیس، وکیل، تھانہ، عدالت سب آپ ہی ہیں
ظاہر ہے کہ اس کے کہنے کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ حاکم، وکیل، پولیس سب
ایک ہی ہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ وکیل، پولیس یہ سب آپ کے سامنے
قابل شمار نہیں آپ ہی — صاحب اختیار ہیں۔ اسی طرح یہاں سمجھ لینا
چاہیے کہ ہمہ اوست کے یہ معنی نہیں کہ ہمہ اور وہ ایک ہیں۔ بلکہ مقصود
یہ ہے کہ ہمہ کی ہستی قابلِ اعتبار نہیں صرف اوکی ہستی قابلِ شمار ہے پس
ہمہ اوست کے یہ معنی ہوئے کہ جتنے موجودات ہیں ہستی تو ان کی بھی ہے
مگر ان کی ہستی اس ذات کامل کے سامنے محض ایک ظاہری ہستی ہے حقیقی
یعنی کامل نہیں تو گو ممکنات موجود ہیں کہ خالق برتر نے ان کو وجود دیا ہے
پھر موجود کیوں نہ ہوتے لیکن وجودِ حق کے سامنے ان کا وجود نہایت ناقص
ضعیف وحقیر ہے اس لئے وجودِ ممکن کو وجودِ حق کے روبرو گو عدم نہ کہیں
لیکن کالعدم ضرور کہیں گے اور جب کالعدم ہوا تو وجود معتدبہ ایک ہی ہوا
یہی معنیٰ وحدۃ الوجود کے ہیں۔ اس کا لفظی ترجمہ ہے وجود کا ایک ہونا
سو ایک ہونے کے معنیٰ یہ ہیں کہ گو دوسرا بھی ہے مگر بس ایسا ہی ہے
جیسا کہ نہیں ہے۔ اسی کو مبالغۃً وحدۃ الوجود کہا جاتا ہے۔ بس حضرت
حق جلّ شانہٗ کو حی سمجھو اور ممکن کو مثلِ مُردہ۔ چنانچہ مُردہ زندہ کی نعش
کسی درجہ میں وجود رکھتی ہے۔ آخر جسم تو ہے ہی مگر زندہ کے سامنے
اس کی کیا ہستی ہے کچھ بھی نہیں زندہ کا محتاج ہے نہ ہلنے حرکت کرنے
کروٹ لینے میں زندہ کا محتاج ہے۔ کپڑے اتارنے نہلانے میں زندہ کا

محتاج ہے اکپڑے پہننے میں زندہ کا محتاج ہے ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف چلے جانے
میں منتقل ہونے میں زندہ کا محتاج ہے پس مُردہ کی ہستی ناقص ہے اور زندہ کی ہستی کامل اور کامل کے
سامنے ناقص بالکل مضمحل اور ناچیز محض ہے یہ حقیقت ہے مسئلہ وحدۃ الوجود کی۔
اور یہ مرتبہ تحقیق علمی میں توحید کہلاتا ہے۔ جس کی تحصیل (حاصل کرنا)
محض درجہ تحقیق میں یعنی مرتبہ تحقیق تک رہ جانا کوئی کمال نہیں۔
توحید تو بلا اس تحقیق کے عوام کو بھی بہت پختہ علم کے ساتھ حاصل ہے
ہاں جب مرتبۂ حال میں آجائے کہ سالک کا حال بن جائے تو بے شک انفع
ہے کہ اس مرتبہ میں فنا کہلاتا ہے اور یہ البتہ مطلوب و مقصود ہے۔ یہی
حاصل وحدۃ الشہود کا ہے جس کی دلالت اس معنیٰ پر بہت ہی ظاہر ہے
اس کا ترجمہ ہے ایک ہونا شہود کا یعنی واقع میں تو ہستی متعدد ہیں۔
مگر سالک کو ایک ہی کا مشاہدہ ہوتا ہے اور سب کالعدم معلوم ہوتے
ہیں۔ شیخ سعدیؒ نے بہت واضح مثال میں اس کو سمجھایا ہے کہ جگنو
سے کسی نے پوچھا کہ تو رات کو مانند چراغ کے چمکتا ہے دن کو پھر
کیوں نہیں نکلتا۔ کہاں گم ہو جاتا ہے؟ تو جگنو نے بہت ہی اچھا جواب
دیا ؎

کہ من روز و شب جز بصحرا نیم
و لے پیشِ خورشید پیدا نیم

کہ میں رات دن صحرا میں ہی رہتا ہوں لیکن سورج کے سامنے
ایسا ہو جاتا ہوں کہ پیدا ہی نہیں ہوا اس کی روشنی کے سامنے میری روشنی

ظاہر نہیں ہوتی۔

پس وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود میں اختلاف لفظی ہے چونکہ وحدۃ الوجود کے معنیٰ عوام میں غلط مشہور ہو گئے تھے۔ اس لیے محققین نے اس کا عنوان بدل دیا۔

دلیل نقلی اس کی یہ ہوسکتی ہے كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ جیساکہ شارح عقائد نسفیہ نے تفسیر کی ہے۔

حقیقتِ احوال وکیفیات

اصلاح باطنی کے ساتھ بہت سے امور اس سے متعلق ہیں۔ ان متعلقات میں سے بعض امور وہ ہیں جو بمنزلہ ثمراتِ غیر اختیاریہ کے ہیں ان کو اصطلاح میں احوال کہتے ہیں۔ مگر یہ دین میں مقصود نہیں اس لیئے کہ دین میں مقصود و مطلوب وہ امور ہوتے ہیں جو بدون تحصیل حاصل نہ ہوں بلکہ ان کا حصول صرف اختیار پر موقوف ہو۔

انتباہ اکثر سالکین اس بات سے پریشان ہوتے ہیں کہ ہماری فلاں حالت ضعیف ہوگئی یا فلاں کیفیت زائل ہوگئی

شاید ہم کو تنزل ہو گیا۔ پھر وہ اس سے مایوس اور شکستہ دل ہو جاتے ہیں۔ اس لئے خوب سمجھ لیں کہ کاملین محققین نے تحقیق فرمائی ہے کہ حالات کا غلبہ دائم نہیں ہوتا۔ بالخصوص مبتدی کے لئے کہ مبتدی کو بہت تغیر و تبدل پیش آتا ہے۔ جس کو تلوین کہتے ہیں اور اہل تمکین کو بھی گاہے ان کے مرتبے کے موافق حالت میں تفاوت ہوتا ہے یہ لوازم سلوک سے ہے۔ مضر نہیں ہے اس لئے اس سے پریشان نہ ہونا چاہیے کہ پریشانی مضر چیز ہے۔

انتباہ ضروری سالکین احوال وکیفیات کے فقدان سے پریشان ہوتے ہیں۔ خواہ حاصل ہی نہ ہوں۔ یا حاصل ہو کر ختم ہو جائیں۔ پھر کیفیات طاری نہ ہوں۔ تو یہ فقدان کوئی نقص نہیں بلکہ کمال یہی ہے کہ بدون غلبۂ احوال کے استقامت حاصل ہو۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ تمام سلوک کا مقصد حضرت حق میں فناء ہونا ہے یعنی اپنی صفات کو صفات حق میں فنا کر دینا ہے اور متخلق باخلاق اللہ ہونا ہے۔ ارشاد ہے۔ تَخَلَّقُوا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ۔ صِبْغَۃَ اللّٰہِ۔

اور ہماری صفات کے دو درجے ہیں ایک مبدأ دوسرا منتہا۔ مبدء۔ انفعال یعنی تاثر کا ہونا ہے اور منتہا فعل ہے۔ مقصود فعل ہے نہ کہ انفعال۔ اب اس کو یوں سمجھئے کہ مثلاً ہمارے اندر محبت و شفقت کا مادہ ہے تو اب اس کا ایک تو مبدء ہے دوسرا اس کا منتہا ہے مبدء یہ ہے کہ کسی کی حالت مصیبت دکھ کی دیکھ کر دل دکھتا ہے یہ

انفعال اور تاثر ہے۔ اس کے بعد اس شخص کے ساتھ جو ہمدردی کی، اس کی اعانت و امداد کی یہ منتہا ہے۔ جو کہ یہ فعل ہے اور صفت رحمت سے مقصود یہی فعل ہے۔ اسی طرح خوف ہے کہ مبدأ وہی تاثر و انفعال ہے جو کہ خدا تعالیٰ کے عظمت و جلال کے خیال سے دل پر ہوا، رقت طاری ہوئی، رونگٹے کھڑے ہو گئے، اور منتہا اس کا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی سے رک گئے یہ فعل ہے اور یہی مقصود ہے۔

اسی طرح محبت ہے کہ اس کا ایک مبدء ہے دوسرا منتہا۔ مبدء یہ کہ دل میں عشق کی دھن پیدا ہوئی اور محبوب کے خیال میں محویت ہوئی اور یہ انفعال و تاثر ہے اور منتہا یہ ہے کہ محبوب کی رضا جوئی کی طلب میں لگ جاوے۔ یہی مطلوب ہے۔

ان مبادی یعنی تاثر و انفعال سے اللہ تعالیٰ پاک ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی صفات میں مبادی نہیں ہوتے۔ بلکہ غایات و نہایات اور صفات کے منتہا یعنی صرف افعال ہوتے ہیں۔ پس جس شخص کے اندر خوف اور محبت کی کیفیت یعنی انفعال کی حالت غالب نہ ہو مگر افعال پر استقامت ہو کہ معاصی سے پوری طرح بچتا ہے اور طاعات کو بجا لاتا ہے .... تو اس میں صفات کے مبادی نہیں پائے گئے بلکہ صرف ان کے غایات پائے گئے اور یہ شخص متخلق با خلاق اللہ ہے یہی مقصود ہے اور یہ حاصل بلکہ بدرجہ کاملہ حاصل ہے۔ اور جس شخص میں اول مبادی و تاثرات پائے جائیں پھر

غایات وانفعال پائے جائیں تو یہ شخص ابھی اس درجہ کا متخلق بأخلاق اللہ نہیں ہے اس درجہ کا کامل نہیں ہے۔

التباہ اشد ضروری احوال دو قسم کے ہیں محمود اور مذموم معیار یہ ہے کہ جو کیفیت کسی گناہ کے سبب ہو جاوے وہ مذموم ہے اور جو ایسی نہ ہو وہ محمود ہے یعنی کیفیت محمودہ وہ ہے جس سے طاعت میں ترقی ہو

یہ اس لئے کہا کہ بعض اوقات معاصی کیساتھ بھی بعضے احوال نفسانیہ باقی رہتے ہیں جیسے وجد واستغراق، شوق وشگفتگی اور حیرت وغیرہ پس ان کے بقا رہے دھوکہ میں نہ آئے کہ میں ایسا مقبول ہوں کہ معصیت سے بھی مقبولیت میں خلل نہیں پڑا۔ یہ احوال محض کیفیات نفسانیہ مثل فرح وسرور کے کیفیات طبعیہ ہیں اور یہ سب کیفیات دنیوی امور ہیں۔ دین نہیں اور دنیا کا عطا ہوتے رہنا رضا ومقبولیت کی دلیل نہیں۔

ان احوال کو نسبت سے کوئی تعلق نہیں ہے کیوں کہ نسبت معاصی کے ساتھ جمع نہیں ہوتی۔ ایسی کیفیات ظلمانی ہیں ان کا اثر یہ ہے کہ اگر سالک کو اوّل وہلہ میں ان کا احساس نہ بھی ہوا ہو تب بھی سالک سلیم الطبع ان سے خود گھبرا جاتا اور ان کو دفع کر دیتا ہے پھر ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ بخلاف کیفیات نورانیہ کے کہ وہ طاعات کی ترقی کے موجب ہوتے ہیں۔ اس لیئے سالک ان سے متلذذ ہوتا ہے

ان کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ ان کی طرف التفات کرنے لگتا ہے اس لیے یہ حجاب بن جاتی ہیں مقصود ہیں۔ لہٰذا ان کو حُجُبِ نورانیہ کہتے ہیں اور حُجُبِ نورانیہ، حُجُبِ ظلمانیہ سے اشد ہیں کیوں کہ پہلے عرض ہو چکا ہے کہ سالک سلیم الطبع ان حُجُبِ ظلمانیہ کو خود ہی دفع کرتا ہے ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ لہٰذا حُجُبِ نورانیہ کی طرف متوجہ نہ ہونا چاہیے سالک مقصودِ اصلی سے رہ جاتا ہے۔

پس ان کی طرف متوجہ ہو نہ ان کے دفع کا شدید اہتمام ہو۔

الغرض جو کیفیتِ محمودہ نورانیہ آوے۔ غنیمت جانیں ہاں اپنی طرف سے نہ ان کے خواہشمند ہوں۔ نہ آکر جاتی رہنے پر پریشان ہوں۔ پس اپنے کو خدائے تعالیٰ کے سپرد کریں تفویضِ تام ہو کر جو ہو گا بہتر ہو گا۔ خواہ حصولِ کیفیاتِ محمودہ نورانیہ یا عدمِ حصول۔

الہام کسی حقیقت کا بلا نظر و اکتساب قلب میں القاء ہو جانا الہام ہے۔ یا کسی ہاتفِ غیبی کی آواز کا آجانا۔

دلیل حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں عمر ہوں اور مجھے تو حاکم بننے کا شوق نہ تھا لیکن مجھے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی وصیت کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے قلب میں اس کا القاء فرمایا تھا۔

انتباہ الہام کی مخالفت سے گناہ تو نہیں ہوتا، مگر دنیا کا ضرر ہو جاتا ہے اور ضرر کی ایک قسم تو یہ کہ دنیوی مال اور جان

کا خطرہ ہو۔ دوسری قسم یہ ہے کہ ذوق و شوق میں کمی آ جاوے چوں کہ اس کو بھی دنیا کی شے کہا گیا ہے اور الہام کی مخالفت سے اکثر اسی قسم کا نقصان ہو جاتا ہے اور ذوق و شوق کو جو دنیوی چیز کہا جاتا ہے یا اس لیے کہ یہ ایک نفسانی کیفیت ہے جو اہلِ دین کے ساتھ خاص و مختص نہیں ہے گو وہ بعض احوال میں معینِ دین بھی ہو مگر مطلوب بالذات نہیں بلکہ بعض دفعہ اس کا نہ ہونا اس کے ہونے سے زیادہ بہتر ہوتا ہے۔

فراستِ صادقہ یہ منجملہ احوالِ رفیعہ کے ہے۔ سچی اٹکل جو واقع کے مطابق ہو اس کو فراست کہتے ہیں۔ یعنی ذکر اللہ کی مواظبت و کثرت حسب فرصت وصحت اور تقویٰ کی مداومت سے صفاءِ قلب حاصل ہوتا ہے اس سے۔ اکثر وجدانی طور پر واقعات کے حقائق مُدرک ہونے لگتے ہیں اس کو فراست کہتے ہیں گویا وہ کشف کا ایک شعبہ ہے۔

دلیل حدیث شریف میں صراحتًہ وارد ہے۔ اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ (ترمذی شریف) کہ مومن کی فراست سے ڈرو کیوں کہ وہ نورِ الٰہی سے دیکھتا ہے۔ نور اللہ سے مراد یہی صفاءِ قلب ہے جس کا سبب ذکر اور تقویٰ ہے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس میں ایک شخص نظر بد کر کے حاضر ہوا۔ تو فرمایا۔ مَا بَالُ اَقْوَامٍ يَتَرَشَّحُ الزِّنَا مِنْ اَعْيُنِهِمْ۔ عام عنوان میں ارشاد فرمایا کہ لوگوں کا کیا حال ہے کہ ان کی آنکھوں سے زنا ٹپکتا ہے

یہ وہی فراست کاملہ و صادقہ تھی۔

اہل اللہ کو اس کا بڑا حصہ عطا ہوتا ہے اسی لیئے حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں ؎

پیش اہل دل نگہدارید دل
تا نباشی پیش آں خوار و خجل

کہ اہل اللہ کے سامنے دل کی حفاظت کرو کہیں وہ حال دل پر مطلع ہو جائیں اور وہ اس پر کچھ بیان فرمادیں تو تمہیں شرمندگی ہو۔ چنانچہ ہمارے حضرت شیخ حکیم الامت نور اللہ مرقدہٗ کو حق تعالیٰ نے ایسی فراست عطا فرمائی تھی کہ طرز گفتگو سے انداز طبیعت انہیں معلوم ہو جاتا تھا فرمایا کرتے تھے کہ میری سو تجویزوں میں سے سو نہیں تو ننانوے تو ضرور صحیح ہوتی ہیں۔ جن کا اقرار خود اصحاب واقعات نے کیا البتہ دوسروں پر بدون دلیل شرعی حجت نہیں۔ نیز اسی فراست صادقہ کی بنا پر زبانی کلام اور تحریر سے اندرونی امراض کا حال معلوم کر لینا تو اب بھی بہت سوں کو حاصل ہے۔

کشف یہ بھی ایک حال رفیع ہے جب کہ اتباع شرع کے ساتھ ہو عالم غیب کی اشیاء کا منکشف ہونا کشف کہلاتا ہے

دلیل بخاری و مسلم و ترمذی شریف میں حضرت انس بن نضرؓ کا قول مروی ہے فرمایا کہ میں جبل احد کے پیچھے سے جنت کی خوشبو پاتا ہوں اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ

میں نے غزوہ احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دائیں بائیں دو شخص دیکھے جن پر سفید کپڑے تھے اور سخت لڑائی لڑ رہے تھے میں نے ان کو نہ پہلے کبھی دیکھا تھا نہ بعد میں دیکھا یعنی وہ دونوں فرشتے جبرئیل و میکائیل علیہما السلام تھے (بخاری مسلم) ان کا حضرتِ سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نظر آ جانا حدیث میں صراحتہً مذکور ہے تو مدلولِ حدیث کشفِ ملائکہ ہے۔

کشف دو طرح پر ہے کشفِ کونی۔ کشفِ الٰہی۔ کشفِ کونی یہ کہ باوجود بُعدِ مکانی یا زمانی کے کسی کسی چیز کا حال معلوم ہو جائے۔ وہ بُعدِ مکانی یا زمانی اس کے لئے حجاب نہ رہے۔ کشفِ الٰہی یہ کہ علوم و اسرار و معارف متعلق سلوک کے یا متعلق ذات و صفات کے اس کے قلب پر وارد ہوں یا عالمِ مثال میں یہ چیزیں متمثل ہو کر مکشوف ہوں اور وارداتِ غریبہ و مواجید مثل ذوق و شوق محبت و اُنس و ہیبت اور انکشاف اسرار احکام و حُسنِ معاملہ فیما بینہ و بین اللہ وغیرہ فائض ہوں۔ یہ علوم کشفِ الٰہی کہلاتے ہیں۔

اِنتباہ یہ ایسے احوال عجیبہ و عجوبہ ہیں کہ ان کے سامنے ہفت اقلیم کی سلطنت گرد ہے۔

اِنتباہ کشفِ کونی، کشفِ الٰہی کے سامنے نہ لذت میں اس کے گرد کو پہنچتا ہے نہ قرب میں اس کو کوئی دخل ہے۔

انتباہ بعض اوقات اہلِ کشف کو خود اپنے کشف کی حقیقت کا ادراک نہیں ہوتا۔ جیسا کہ بخاری شریف میں ہے کہ حضرت اُسید بن حُضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ملائکہ کا کشف تو ہوا مگر یہ اطلاع نہ ہوئی کہ یہ ملائکہ ہیں۔

یہ انتباہ اور تحقیق اس درجہ کی ہے کہ جو شخص اس سے آگاہ ہو جائے گا وہ کشف میں اپنی فہم و رائے پر ہرگز اعتماد نہ کرے گا اور بہت سی غلطیوں سے محفوظ رہے گا۔

انتباہ بزرگوں کو جو کشف ہوتا ہے ان کے اختیار میں نہیں۔ یہاں تک کہ نبیوں کا کشف بھی ان نبیوں کے اختیار میں نہیں۔ دیکھ لیجئے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو مدت تک یوسف علیہ السلام کی خبر نہ ہوئی اور جب خبر آنے کا وقت آیا تو میلوں سے حضرت یوسف علیہ السلام کے کرتہ کی خوشبو آنے لگی۔ تو بس معلوم ہوا کہ یہ ضروری نہیں کہ بزرگوں کو ہر وقت کشف ہوا کرے۔

انتباہ یاد رکھیئے کہ کشف ہونا کوئی بڑا کمال نہیں۔ یہ مجاہدہ و ریاضت سے کافر کو بھی ہونے لگتا ہے مجنونوں کو بھی کشف ہوتا ہے اس لئے کشف بالکل قابلِ التفات نہیں ہے۔

کرامت کرامت یہ ہے کہ جو کسی نبی کے متبع کامل سے خلافِ عادتِ الٰہی کوئی بات صادر ہو۔ اور اسبابِ طبعیہ سے وہ اثر نہ پیدا ہوا ہو۔ خواہ وہ اسباب جلی ہوں یا اسباب خفی ہوں پہ

اگر وہ امر خلافِ عادت نہ ہو یا اسباب طبعیہ جلی یا خفی سے ہو تو وہ کرامت نہیں ہے۔

انتباہ جو شخص اپنے کو کسی نبی کا متبع نہیں کہتا وہ بھی کرامت نہیں جوگیوں ساحروں وغیرہ سے بعض ایسے امور صادر ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح اگر وہ شخص مدعی اتباعِ نبی کا تو ہے مگر واقع میں متبع نہیں ہے۔ خواہ اصول میں خلاف کرتا ہو۔ جس طرح اہلِ بدعت، یا فروع میں خلاف کرتا ہو جیسے فاسق فاجر مسلمان۔ اس سے بھی اگر ایسا امر صادر ہو تو وہ بھی کرامت نہیں ہے۔ بلکہ استدراج ہے اور یہ سخت مضر ہے کہ یہ شخص خرق عادت ہونے کی وجہ سے اپنے کو کامل سمجھے گا اور اس دھوکہ میں کبھی حق کے طلب کرنے اور اتباع کرنے میں کوشش نہیں کرے گا۔ نعوذ باللہ یہ بڑا خسران ہے پس کرامت اس وقت کہلائے گی جب کہ اس کا محلِ صدور مومن متبع سنت کامل التقوی ہو۔

انتباہ کرامت کے لئے نہ اس ولی کو اس کا علم ہونا ضروری اور نہ قصد کا ہونا ضروری ہے اس لیے کرامت کی تین قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ علم بھی ہو قصد بھی ہو۔ جیسے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان مبارک سے دریائے نیل کا جاری ہونا

دوسری یہ کہ علم ہو قصد نہ ہو جیسے حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بے فصل بے موسم میووں پھلوں کا آ جانا۔

تیسری قسم یہ ہے کہ نہ علم ہو نہ قصد ہو جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مہمانوں کے ساتھ کھانا کھانا اور کھانے کا دو چند سہ چند ہو جانا اسی لئے خود حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس پر تعجب ہوا جس سے ان کے علم و قصد کا پہلے سے متعلق نہ ہونا ثابت ہوا۔

کرامت کی ان تین قسموں میں سے اوّل پر تصرف و ہمت کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ دوسری اور تیسری قسم کو تصرف نہیں کہتے۔ البتہ برکت و کرامت کہیں گے۔

انتباہ بعض اولیائے کاملین کا مقام غلبۂ عبودیت و رضا کا ہوتا ہے اس لئے وہ کسی شے میں تصرف نہیں کرتے اس وجہ سے ان کی کرامتیں معلوم نہیں ہوتیں۔ اور بعضوں کو قوتِ تصرف ہی عنایت نہیں ہوتی بس تسلیم و تفویض ہی ان کی کرامت ہوتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ولایت کے لئے کرامت کا ظہور یا وجود ضروری نہیں چنانچہ بعض صحابہؓ سے عمر بھر ایک بھی خرق عادت کا صدور و وقوع نہیں ہوا۔ حالانکہ حضرات صحابہؓ سب کے سب اولیاء تھے بلکہ تمام اولیاء سے افضل تھے چونکہ فضیلت کا مدار قربِ الٰہی اور اخلاصِ عبادت ہے۔

شیخ اکبر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے کہ بعض اہلِ کرامت نے مرنے کے وقت تمنا کی ہے کہ کاش ہم سے کرامتیں ظاہر نہ ہوتیں تاکہ اس کا عوض بھی آخرت میں ملتا۔ کیونکہ یہ امر ثابت ہے کہ نعمتِ دنیا میں سے کسی بھی نعمت میں جس قدر کمی رہے گی اس کا اجر و بدلہ

قیامت میں ملے گا۔

گو بعض اولیاء ایسے بھی ہوئے ہیں کہ انتقال کے بعد بھی ان سے خوارق و تصرفات سرزد ہوتے رہے اور یہ بات حد تواتر کو پہنچ گئی ہے۔

شبہ اور اُس کا جواب بعض کہا کرتے ہیں کہ پھر اولیاء کا اولیاء ہونا کس طرح معلوم ہو۔ جواب اس کا یہ ہے کہ اول تو ولایت ایک امر مخفی ہے اس کے معلوم ہونے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ البتہ اگر معلوم کرنے سے مقصود یہ ہے کہ ہم ان سے مستفید ہوں فیض حاصل کریں تو اس کا ایک طریق یہ ہے کہ ان کی صحبت سے شرف حاصل کریں۔ اور ان کی تعلیم کا اتباع کریں۔ جب اپنی حالت روز بروز متغیر پاؤگے خود ہی معلوم ہو جائے گا کہ یہ شخص صاحب تاثیر ہے اور اگر کرامت ہی سے معلوم کر سکتے تو سنئے۔

اعتبارہ ضروری کرامت دو قسم پر ہے۔ حسی اور معنوی عموماً لوگ فقط حسی کرامت کو جانتے ہیں اور اسی کو کمال شمار کرتے ہیں اور وہ حسی مثلاً یہ ہے کہ دل کی بات پر مطلع ہو جانا۔ پانی پر چلنا۔ ہوا پر اڑنا۔ ایک ہی وقت میں دو جگہ یا چند جگہ پر نظر آنا۔ زمین میں دھنس کر اندر ہی اندر تیر کر اوپر آ جانا۔ ذرا سی دیر میں کہیں سے کہیں پہنچ جانا۔ بے موسم پھل لا دینا وغیرہ۔ اور اوپر تفصیل سے بیان آ چکا ہے کہ یہ چیزیں تو ریاضت سے جوگی وغیرہ غیر مسلموں سے

بھی صادر ہو جاتی ہیں اور مسلمان فاسق سے بھی بسبب ریاضت یا بسبب شمول امور طبیعیہ مثل مسمریزم، فری میسن ہمزاد، عملیات نقوش، طلسمات، شعبدات، ادویات کی تاثیرات عجیبہ، سحر، نظر بندی، وغیرہ بعض تو ان میں کی محض خیالی چیزیں ہیں۔ اور بعض واقعی بھی ہیں تو اسباب طبیعیہ خفیہ سے متعلق ہیں۔ کرامت ان سب فضولیات سے پاک ہے۔

طالب حق

کو بہ نظر الفاظ قرآن سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ان امور میں قوائے طبیعیہ کو دخل ہے یا محض قوت قدسیہ ہے یا کسی قوت کو بھی دخل نہیں ہے بلکہ محض غیب سے ظہور ہوا ہے۔ اس لئے کرامت حسی کو ولی کے پہچاننے کے لئے معیار بنانا اندیشناک ہے

اسی لئے جو لوگ ایسی حسی خرق عادات کو ولایت کی نشانی گمان کرتے ہیں۔ وہ دجال کے دجل و فریب اور جال میں پھنس کر معتقد ہو جائیں گے۔ حتیٰ کہ بعض ایسے مولوی بھی جیسا کہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ نے فرمایا ہے۔

پس ولی کی ولایت کا معیار کرامت معنوی ہے اس کرامت کے ساتھ کرامت حسی کا ظہور ہو یا نہ ہو۔ اگر فیض حاصل کرنا ہے تو کرامت معنوی دیکھو۔

کرامت معنوی

خواص کے نزدیک، اہل بصیرت اہل نظر کے نزدیک بڑا کمال یہی کرامت معنوی ہے۔ یہی اصل ہے جس کا حاصل شریعت پر مستقیم رہنا۔ مکارم اخلاق کا خوگر

ہو جانا۔ اعمالِ صالحہ، نیک کاموں کا پابندی اور بے تکلفی سے صادر ہونا اَخلاقِ رذیلہ، کبر، حسد، ریا، حقد، کینہ، حُبِّ جاہ، حُبِّ مال، حُبِّ دنیا حرص طمع، طولِ اَمل، غضب وغیرہ تمام صفاتِ مذموم سے پاک ہونا اور کوئی سانس غفلت میں نہ گذرنا۔ اللہ تعالیٰ کا دھیان دل سے نہ اُترنا۔ طاعات کا طبیعت میں جمانا۔ معاصیات کا طبعی نفرت تک پہنچ جانا۔ اتباعِ سنت ہر کام میں بے ارادہ ہونا۔ یہ وہ کرامت ہے جس میں استدراج کا احتمال ہی نہیں۔ بخلاف پہلی قسم حسی کے کہ استدراج کا احتمال موجود ہے۔

اس لئے کاملین، صدورِ کرامت کے وقت بہت ڈرتے ہیں کہ کہیں یہ استدراج ہی نہ ہو یا اس سے نفس میں عُجب و پندار نہ ہو جاوے یا اس کی وجہ سے شہرت و امتیاز ہو کر باعثِ ہلاکت نہ ہو جاوے۔

اِنتباہ بزرگوں کا ارشاد ہے کہ اپنی کرامت کا اخفاء واجب ہے۔ تو جہاں اظہار کی ضرورت ہو یا غیب سے اذن (اجازت) ہو۔ یا حال اس قدر غالب ہو کہ اس میں قصد و اختیار باقی نہ رہے۔ یا کسی مُرید و طالبِ حق کے یقین کا قوی کرنا مقصود ہو وہاں اظہار جائز ہے۔

دلیلِ ثبوتِ کرامت

حضرت مریم علیہا السلام کا واقعہ قرآن پاک میں ہے۔ ارشاد ہے۔

قَالَ یٰمَرْیَمُ اَنّٰی لَکِ هٰذَا ؕ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ کذکریا

علیہ السلام نے دریافت فرمایا کہ اے مریم یہ چیزیں (بے موسم) تمہارے پاس کہاں سے آئیں۔ مریم نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے آئی ہیں۔

دوسری دلیل:۔ بخاری شریف کی ایک طویل حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حارث کی ایک بیٹی سے منقول ہے وہ کہتی ہیں کہ میں نے حضرت خُبَیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ انگور کا خوشہ کھا رہے ہیں اور اس وقت مکہ میں پھل و میوہ کا کہیں پتہ و نشان تک نہ تھا اور وہ خود لوہے میں مقید تھے۔

اسی طرح حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت اُسید بن حُضیرؓ اور عبّادؓ بن بشیر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس تاریک رات میں حاضر تھے۔ جب یہ دونوں آپ کے پاس سے چلے تو ان دونوں کے آگے دو نور ظاہر ہوئے جب دونوں جُدا ہوئے تو ہر ایک کے ساتھ ایک ایک نور ہو گیا۔

بخاری و مسلم و ترمذی شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اِهْتَزَّ الْعَرْشُ بِمَوْتِ سَعْدِ بْنِ مَعَاذٍ کہ سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال پر عرش ہل گیا۔ اور فرمایا کہ ملائک بھی ان کے جنازہ کو اٹھانے ہوئے تھے۔

پس کراماتِ اولیاء حق اور ثابت ہیں۔ آیات و احادیث میں کرامتیں مذکور ہیں اور بشرطِ اتباعِ شریعت حالاتِ رفیعہ میں سے ہیں

اگرچہ یہ نہ مقصود ہیں نہ مطلوب اور نہ لازمِ ولایت، جیسا کہ پہلے ثابت کیا گیا ہے۔ چنانچہ بہت سے صحابہؓ سے عمر بھر ایک کرامت بھی واقع نہیں ہوئی حالانکہ وہ سب اولیاء تھے بلکہ تمام اولیاء سے افضل تھے

تنبیہ ضروری یاد رکھیں کہ ولی سے کبھی کبھار کوئی امر ناجائز صادر ہونا بشرطیکہ اس پر اصرار نہ ہو اور تنبیہ کے وقت توبہ کرلے۔ یا کسی اختلافی امر میں غلط شق کو اختیار کرلینا، ولایت و کرامت میں قادح و مُضر نہیں ہے اس کو خوب سمجھ لیں۔

استغراق کسی کیفیت کے غلبہ سے ایسا ہوجانا کہ دوسری جانب کی خبر نہ رہے۔ یہ گاہے منتہی کو اور حضراتِ صوفیاء میں سے متوسطین کو اکثر ہوتی ہے۔

دلیل حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی صاحبزادی جارہی تھیں۔ کسی نے پوچھا یہ لڑکی جو آپ کے ساتھ ہے آپکی ہے آپ نے غور سے دیکھ کر فرمایا کہ ہاں گھر والے کہتے تو تھے کہ یہ میری لڑکی ہے۔ اللہ اللہ یہ بھی یاد نہ رہا کہ یہ میری لڑکی ہے گھر والوں کے قول سے استدلال کیا۔

انتباہ یہ محمود ضرور ہے بشرطیکہ اس استغراق سے کوئی شرعی عیب پیدا نہ ہو۔ مگر یہ خود اپنی ذات میں کوئی بڑا کمال نہیں ہے اگر یہ کوئی بڑا مرتبہ ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یوں نہ فرماتے کہ میرا دل چاہتا ہے کہ نماز کو طول دوں مگر نماز میں کسی بچہ کے رونے کی آواز

میں کر تخفیف کر دیتا ہوں کہ اس کی ماں پریشان ہو گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کو استغراق نہ ہوتا تھا۔

وَجد کسی حالت محمودہ غریبہ کا غلبہ ہونا اور اصلی حالت سے نکال ڈالنا (جیسے دل کا سرور) اصطلاح میں وجد کہلاتا ہے۔

دلیل حدیث شریف میں ایک صحابی کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے إِنِّي أُحِبُّ أَنْ أَسْمَعَهُ مِنْ غَيْرِي صحابی کہتے ہیں فَقَرَأْتُ عَلَيْهِ اس حدیث میں آگے ہے۔ فَإِذَا عَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ۔ (صحابی کا بیان ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ دوسرے سے قرآن مجید سنوں۔ سو میں نے آپ کو سنایا۔ دیکھا تو آپ کے آنسو بہہ رہے تھے۔ (بخاری و مسلم)

دلیل دوم رزین کی روایت تلاوت کے بارے میں ہے إِنَّمَا كَانُوا يَبْكُونَ وَيَقْشَعِرُّونَ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَى ذِكْرِ اللهِ۔ کہ وہ حضرات تلاوت قرآن کے وقت رو یا کرتے اور ان کے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جایا کرتے پھر خدا تعالیٰ کی یاد کی طرف ان کے پوست اور قلوب نرم ہو جاتے، تو کاملین کا وجد آیات و احادیث میں مذکور ہے۔

دلیل سوم ترمذی شریف جلد ثانی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بے ہوش ہو جانا مروی ہے اس درجہ کا وجد اسلاف میں اتفاقاً ہے قوت تحمل کی وجہ سے کم ہی ہوتا تھا۔ البتہ متوسطین اہل

تصوف میں اس کا وقوع زیادہ ہوتا ہے۔

صَرفِ ہمت کا نام تصرّف (یعنی کسی چیز کے ظاہر ہونے کے لئے پختگی کے ساتھ خیال کا جمانا) ہے۔ اس میں فاعل قوتِ برقیہ ہوتی ہے جو انسان کے اندر ودیعت رکھی گئی ہے جیسا کہ زمین میں بھی یہ قوت ہے اور بہت ہے۔ نظر لگنے میں بھی اسی کا اثر و دخل ہوتا ہے۔ مسمریزم بھی اسی کی فرع ہے۔ حاضرات بھی اسی کی فرع ہے شعبدہ بھی اسی کی فرع ہے اور بھی اس قسم کی چیزیں ہیں۔

اور یہ قوت گو بعض میں فطرۃً بھی ہوتی ہے اگرچہ وہ صاحب نسبت بھی نہ ہوں۔ لیکن نادراً۔ اکثر (بیشتر) اور عادۃً یہ مشق سے حاصل ہوتی ہے۔ دوسرے کی قوت اگر قوی ہو تو وہ اسے روک سکتا ہے غرض تصرّف کے طریقوں کا حاصل کرنا مشاقی پر موقوف ہے۔

تصرّف اصطلاحی و متعارفِ سلوک یہ ہے کہ شیخ اپنے قلب کو سب خطرات سے خالی کر کے خاص توجہ کرتا ہے اس میں تصور تصرّف

کے مقصد سے ہوتا ہے۔ اس کے دو درجے ہیں۔ ایک درجہ تو غیر اختیاری ہے وہ یہ کہ دل چاہتا ہے کہ فلاں شخص میں ذوق وشوق، محبت حق، خوفِ حق، وغیرہ پیدا ہو جاوے اور اس کے لئے دعا کرے اس میں تو کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ لیکن تصرّف و توجہ اصطلاحی، سو یہ اختیاری فعل ہے اور یہ گو جائز ہے لیکن ذوقاً پسندیدہ نہیں ہے تاہم بمجبوری بضرورت شرعی، ضرورت کے موافق جائز ہے۔ قاعدہ شرعی ہے الضروریۃ یتقدّر بقدر الضرورۃ اور یہ بھی جب ہے کہ طالب صادق مرید میں کوئی ذکر وغیرہ اثر نہ کرے۔ تب شیخ اس تصرف و توجہ سے کام لے کہ باطن مرید میں تاثیر کرے جس سے اس کو حق تعالیٰ کی طرف کشش پیدا ہو۔ دوسری اشیائے عالم میں خواہ ہمت سے یا دعا سے ـــــــ

انتباہ یہ تصرفاتِ عجیبہ وغریبہ بدون حصولِ نسبت فناء و بقاء حاصل نہیں ہوتے اس لئے اس اعتبار سے مشاقی یا قوتِ فطری کے ساتھ نافع فی الدین ہونا بھی شرط ہے کیونکہ سالک کا صوفیاء کا اصل موضوع یہی نفع فی الدین ہے اس لئے مراد بعض تصرفات عجیبہ وغریبہ سے وہی تصرفات و توجہات ہیں جو سلوک سے متعلق ہیں۔

انتباہ بعض مشائخ کے یہاں اس سے بہت کام لیا جاتا ہے لیکن اس کا نفع باقی رہنے والا نہیں ہوتا اور ضرر یہ ہے کہ طالب کیفیت کو نفع سمجھ کر اس کو کافی سمجھنے لگتا ہے اور محنت چھوڑ دیتا ہے کام

ترک کر دیتا ہے۔

دوسرا نقصان یہ ہے کہ اس وقت قلب میں خدا تعالیٰ کی طرف مطلق توجہ نہیں رہتی اگر رہتی بھی ہے تو بہت ضعیف اور خدا تعالیٰ کی طرف سے قصداً توجہ ہٹانا۔ غیرت کے خلاف ہے۔ خصوص جب کہ نفع بھی کوئی خاص نہیں اور جو کچھ ہے وہ وقتی ہے اور وہ بھی خالص نہیں بلکہ اس میں ضرر بھی شامل ہے۔ بندہ پر حق تعالیٰ کا حق توجہ تام ہے۔ بڑی چیز یہ ہے کہ اس قسم کی توجہ کرنا سنت میں منقول نہیں ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بکثرت منقول نہیں۔

پس مسنون طریقہ اصلاح کا، نصیحت و تذکیر، تدابیر، معالجات اور دعاء ہے۔ البتہ اگر ایسا کرنے کی ضرورت ہی ہو جیسا کہ اوپر بیان کیا ہے۔ تو اس کے یہ آداب ہیں۔

۱۔ طالب صادق ہے۔ مجاہدہ میں، ذکر میں مشغول ہے لیکن غباوت سے آگے نہیں چلتا تو تصرف ہو۔

۲۔ ظاہراً یا باطناً اس پر عُجب نہ ہو۔

۳۔ طالب ضعیف الطبع، ضعیف القلب، ضعیف الاعصاب نہ ہو۔

۴۔ طالب تصرف پر ٹیک نہ لگا بیٹھے کہ بس تصرف سے کام ہوتا رہے گا۔ میں کیا محنت کروں۔

۵۔ شیخ ضعیف الجثہ، ضعیف الاعصاب نہ ہو مریض نہ ہو

ہے اس میں زیادہ اِشتغال نہ ہو کہ فاعل و منفعل دونوں کے لئے فتنہ ہے بعض ناواقف یوں سمجھتے ہیں کہ نفع پہنچانا شیوخ کے قبضہ و اختیار میں ہے۔ یہ محض غلط اور باطل خیال ہے جیسا کہ مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت شریفہ اِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ اَحْبَبْتَ کے بارے میں مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معاملہ میں نازل ہوئی ہے جب کہ آپ اپنے چچا ابوطالب کو اسلام کی ترغیب دے رہے تھے۔

اس حدیث شریف سے اس غلطی کی پوری اصلاح ہوتی ہے۔ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار میں ہدایت دینا نہ ہوا۔ تو اوروں میں کب اس کا احتمال ہو سکتا ہے۔ پھر جب کہ نفع دینی ہی ہو جو اصل کام ہے شیخ کا مُستقلاً خارج از اختیار ہے تو دنیوی نفع استقلالاً اختیار میں کیسے ہو سکتا ہے۔ بہت سے لوگ اس خیال و دھوکہ میں بھی مبتلا ہیں کہ نعوذ باللہ اہل اللہ کو ساری خدائی کا مالک سمجھتے ہیں بدلالۃ النص اسی آیت سے اس کی بھی اصلاح ہو گئی۔

دلیل و ثبوت تصرف یہ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے ایک لمبی حدیث شریف میں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میری یہ حالت دیکھی جو مجھ پر غالب تھی آپ نے میرے سینہ پر ہاتھ مارا میں پسینہ پسینہ ہو گیا اور خوف سے میری یہ حالت ہوئی کہ گویا اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں تو

یہ ہاتھ مارنا جس سے یہ حالت پیدا ہوئی تصرف ہے۔

خاطر قلب پر جو وارد ہوتا ہے اس کو خاطر کہتے ہیں۔ اس کی چار قسمیں ہیں۔

۱۔ خاطرِ حق ۲۔ الہام ۳۔ ہاجس ۴۔ وَسواس۔

اول اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ دوسرا فرشتہ کی طرف سے تیسرا نفس کی طرف سے چوتھا شیطان کی طرف سے۔

علامت اگر نیک بات دل میں آوے اور اس کے خلاف پر عمل نہ کر سکے تو وہ خاطرِ حق ہے اور اگر خلاف پر عمل کر سکے تو الہام ہے۔ اور اگر بُری بات دل میں آوے تو اگر شہوت، غضب، تکبر، ریا وغیرہ صفات نفس کی طرف رغبت ہو تو وہ ہاجس ہے۔ اور اگر کسی گناہ کی طرف میلان ہووے تو وہ وَسواس ہے۔ اسی کو بعض نے دوسری طرح بھی بیان کیا ہے۔

مخالفتِ شیخ

حدیثِ قدسی میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ کہ جو میرے ولی سے عداوت کرے میں اس سے لڑائی کا اعلان کرتا ہوں۔ جب

عام ولی کے ساتھ عداوت جو کہ وہ خلاف و مخالفت کر کے مخالف ہوتا ہے اس سے منجانب اللہ تعالیٰ لڑائی کا اعلان ہے جو کہ سخت ترین وعید ہے۔ تو پھر کیا خیال ہے اپنے شیخ کی مخالفت پر، اس کا کیا اثر ہوگا۔

بیانِ اثراتِ مخالفتِ شیخ

(۱) ایک اثر مخالفتِ شیخ کا یہ ہوگا کہ شیخ سے محبت وعقیدت میں فتور واقع ہوگا (۲) شیخ کو آزردگی ہوگی۔ اس کا اثر، گو آخرت میں کچھ نقصان نہ ہو مگر دنیوی نقصان کا سخت اندیشہ ہے اور روحانیت میں ضعف آنے کا امکان چنانچہ حضرت ابن منصور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حضرت جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بیعت تھے ابن منصور اسرار کو ظاہر کر دیتے تھے۔ ضبط نہ کرتے تھے اور سمجھتے تھے ضبط سے باہر ہے مگر حضرت جنیدؒ جانتے تھے کہ یہ ضبط کر سکتے ہیں عاجز نہیں ہیں۔ ہمت کریں تو ضبط کر سکتے ہیں اسلئے ضبط کرنے کا حکم فرماتے تھے اور تعمیل نہ دیکھ کر ناراض و مکدر رہتے خوش نہ تھے تو اگرچہ شیخ کی ناراضگی اور تکدر سے آخرت میں مؤاخذہ نہ ہو چونکہ مؤاخذہ گناہ پر ہے ہاں نبی کی ناراضگی سے گناہ ہوتا ہے لیکن شیخ کی ناراضگی سے گناہ نہیں ہوتا مگر شیخ کی ناراضگی سے دنیا میں چین نصیب نہیں ہوتا۔ چنانچہ ابن منصور کو کبھی چین نصیب نہ ہوا۔ حتیٰ کہ انا الحق کہنے پر کفر کا فتویٰ لگایا گیا اور ہوا جو کچھ ہوا۔

اس لئے محققین مشائخ نے فرمایا ہے کہ یہ دنیوی وبال ان پر ان کے شیخ حضرت جنیدؒ کے تکدر سے آیا۔ گو وہ آخرت میں معتوب نہ ہوں کیوں کہ وہ اپنے خیال میں معذور تھے۔ (۳) ایک اثر یہ ہوگا کہ شیخ کی

تعلیم سے زائد مجاہدہ کرے گا جس کا نتیجہ چند روز میں گھبرا کر وہ قلیل تعلیم کیا ہوا بھی چھوٹ جاوے گا۔ چنانچہ جنہوں نے ایسا کیا ہے ان کا حال ایسا ہی ہوا ہے۔

دلیل بخاری و مسلم شریف میں ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اعمال میں سے اتنا اختیار کرو کہ اکتاؤ نہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ نہیں اکتاتا جب تک تم نہ اکتاؤ۔

پس بیعت میں جلدی نہ کرو۔ خوب پرکھ لو پرکھالو، شیخ کی علامات جانچ لو جب یقین ہو جاوے اور دل میں ایسی محبت و عقیدت ہو کر سمجھے سارے جہان میں میرے لیئے میری تلاش میں ان سے زیادہ کوئی ناصح، خیر خواہ نہیں ہے۔ تب بیعت نافع اور بالُطف ہے۔

انتباہ لہٰذا بے شرع پیر سے بیعت نہ کرے اور بیعت ہو گیا پھر بعد میں پیر کا بے شرع ہونا مُبتدع، بدعتی ہونا ظاہر ہوا گناہوں پر اصرار ہے تو اس پیر کو چھوڑ دے کیوں کہ جب وہ پیر خود واصل نہیں تو تم کو کس طرح واصل کرے گا۔ شیخ کامل وہی ہے جو جامع ہو ظاہر و باطن کا اور جب ایسا پیر ہو بس جس کا ہو گیا اُسی کا ہو کر رہے۔

باطن شیخ حدیث شریف میں ہے کہ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ انسان اپنے محبوب کے ساتھ ہے ابھی گذرا ہے کہ جس کا ہو گیا۔ بس اُسی کا ہو کر رہے۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

گفت عالم از محباں دور نیست ✧ لیک بیرون آمدن دستور نیست

اس میں تعلیم ہے کہ اگر شیخ سے محبت کامل ہو تو ظاہری دُوری فیض سے مانع نہیں ہے۔ یہ حدیث شریف اس کی مؤید ہے یہی محبت معیتِ رُوحانی ہے۔ مگر یہ اس شخص کے لیے ہے جس کو تعلیم کی حاجت نہ رہی ہو صرف تقویتِ نسبت میں مشغول ہو ورنہ بدون قربِ جسمانی کام چلتا نہیں معذوری میں مجبوری ہے۔ جیسے بُعدِ مکانی میں آمد و رفت مشکل ہے تو پھر مکاتبت کا مخصوص اہتمام و التزام قائم مقام معیتِ جسمانی و قربِ جسمانی کے ہوگا۔

تجلّیٔ حق در خلق

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَتَانِیْ رَبِّیْ فِیْ اَحْسَنِ صُوْرَۃٍ۔ (ترمذی شریف) کہ میرا رب میرے پاس ایک اچھی صورت میں آیا یہی وہ چیزیں ہیں صوفیاء کی اصطلاح میں بایں عنوان تعبیر پائی جاتی ہیں جن سے ظاہر بیں کسی قدر متوحش ہو جاتا ہے۔ لیکن مراد کی وضاحت کے بعد ایسی اصطلاحات کی گنجائش ہے۔ چنانچہ صوفیاء فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ بلا حلول اپنی ذات و صفات خلق میں ظہور فرماتے ہیں جس طرح کاتب کا ظہور مکتوب میں اور متکلم کا ظہور کلام میں ہوتا ہے پس

خلق مظہر اور حق ظاہر ہے اس کی نظیر فی احسن صورۃ ہے۔ اور اتانی ربی
میں ربی کہہ دینا غایۃ تعلق ظاہر و مظہر میں ہونے کا بیان ہے کہ مظہر سے
انکار مظاہر کا محال ہے۔ یہ دونوں مسئلے عقلی ہیں۔ عنوان و تعبیر میں ذرا
توحش ہے حقیقت میں کوئی توحش نہیں البتہ تجلی اور اتحاد کو عرفی معنیٰ
میں یا لغوی معنیٰ میں محمول کرنا جائز نہیں جیسا کہ جاہل صوفی اس سے
اپنے عقائد خراب کر لیتے ہیں اس کی تفصیل "ہمہ اوست" میں ہو چکی

اَلصُّوْفِیُّ لَامَذْھَبَ لَہٗ اس کا یہ مطلب نہیں کہ صوفی کا کوئی مذہب نہیں
(وہ کسی مذہب کا پابند نہیں) بلکہ مطلب یہ ہے کہ صوفی محتاط ہوتا
ہے اور ہر مسئلہ میں حتی الامکان احتیاط کی جانب کو اختیار کرتا ہے
ورع و تقویٰ اسی کا نام ہے۔

دلیل اس پر فقہا کا قول دلیل ہے کہ رِعَایَۃُ الْخِلَافِ وَالْخُرُوْجُ
مِنْہُ اَوْلٰی مَالَمْ یَرْتَکِبْ مَکْرُوْہَ مَذْھَبِہٖ یعنی اختلاف
سے نکلنا مستحب ہے۔ جب تک اپنے مذہب کے کسی مکروہ کا ارتکاب
نہ ہو۔ حدیث شریف میں ہے۔ اِسْتَفْتِ قَلْبَکَ۔

خلافت و سجادہ نشینی

اکثر مشائخ کی عادت ہے کہ ابقاءِ فیض اور اجرائے سلسلہ کیلئے اپنے

اتباع و مریدین میں سے کسی کو اپنا خلیفہ و جانشین کر دیتے ہیں، یک کو یا متعدد کو، کبھی حیات میں اور کبھی اپنے وفات کے بعد میں۔

دلیل ایک عورت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کسی امر میں گفتگو کی آپ نے اس سے فرمایا کہ پھر آنا اس نے عرض کیا کہ اگر آپ کو تشریف فرما نہ پاؤں۔ مراد یہ تھی کہ آپ کی وفات ہو جاوے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر مجھے نہ پائے تو ابوبکر کے پاس چلی جانا۔ (بخاری و مسلم و ترمذی) اس حدیث میں اس کی اصل ثابت ہے۔

انتباہ خلافت و سجادہ نشینی کا طریق جواب متعارف ہے کبھی شیخ ہی کی حیات میں اور کبھی بعد وفات سلسلہ کے لوگ جمع ہو کر شیخ کے اقارب یا خدام میں سے جس کو خاص دیکھا خواہ وہ خاص ہونا دنیوی اعتبار سے ہو اور گو اس میں اس کی کوئی اہلیت نہ ہو اس کی دستار بندی کر دیتے ہیں یہ بالکل طریق کی بے قدری اور فساد اور طالبین کی رہزنی ہے اور عوام کی اضاعت دنیا و دین ہے۔

دلیل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں خلافت ایسے شخص کے لئے تجویز کرتا ہوں جس کی رغبت اہل اسلام، مسلمانوں کی توقیر کی طرف ہو۔ ایسے شخص کے حوالہ نہیں کرتا جو اس کا اہل نہ ہو۔ اس حدیث شریف سے نااہل کو خلیفہ بنانے کا ابطال ثابت ہوتا ہے۔

اخراجِ مرید برائے زجر و تنبیہ

اکثر بزرگوں کے واقعات ایسے ہیں کہ مرید کی کسی خلاف وضع حرکت پر اس کو نکال دیا۔ یا اس سے بولنا چھوڑ دیا۔ کام لینا چھوڑ دیا یا کوئی مناسب سزا دیدی۔ جس سے مقصود تنبیہ کرنا ہوتا ہے۔ عداوت یا ذم العیاذ باللہ ہرگز منشا نہیں ہوتا۔

دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعبؓ اور دو سرے دو صحابیوں رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے غزوۂ تبوک سے رہ جانے پر مسلمانوں کو ان تینوں کے ساتھ کلام کرنے سے منع فرما دیا تھا۔ اس حدیث شریف سے اس عمل کا مستحسن ہونا ثابت ہوتا ہے۔

تیز مزاجی بعض بزرگ زیادہ لطیف المزاج ہوتے ہیں اور اس لطافت کی وجہ سے ان کو نامناسب امور زیادہ ناگوار ہوتے ہیں۔ اور یہ ناگواری ان کے بشرہ سے ظاہر ہو جاتی ہے اور بعض اوقات یہ تغیر مزاج کا، حدِ غضب تک پہنچ جاتا ہے جس سے بعض تنگ نظروں کو ان حضراتِ اہل اللہ پر بدخلقی کا شبہ ہو جاتا ہے اور یہ خیال ان کے ساتھ بدخلقی کا خود ایسے سمجھ والے کی ناواقفیت کی دلیل ہے۔ چونکہ بدخلقی تو وہ ہے جو حدِ شرع سے متجاوز ہو

جا دے۔ تیزی بذاتِ خود تو مذموم نہیں۔ نفسِ غضب تو قبیح نہیں۔
بزرگوں پر اعتراض کرنے میں بہت جلدی نہ کرنا چاہیے۔

ع کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر

دلیل تیزی کی مسند دیلمی میں حضرتِ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیزی جو کہ لطافتِ طبیعت کے سبب سے ہو۔ وہ صرف میری اُمت کے صلحاء و ابرار میں ہوتی ہے اور اسی کو بایں عنوان بھی ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص ایسی تیزی کا (جو ابھی بیان ہوئی) صاحبِ قرآن سے زیادہ شایاں نہیں ہے اس قرآنِ پاک کی عزت کے سبب جو اس کے جوف میں ہے۔

ترکِ مباحثہ بزرگوں کے طریق و عادت سے ہے کہ مکالمات و مخاطبات میں جب کوئی ان سے الجھتا ہے تو باوجود حق پر ہونے کے طرح دے کر سکوت فرماتے ہیں۔ اُلجھن سے گھبراتے ہیں کیوں کہ تضیعِ اوقات خیال فرماتے رہیں۔

دلیل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ناحق پر ہو اور بحث مباحثہ چھوڑ دے اور حق کو قبول کرے۔ اس کے لئے جنت کے کنارے پر ایک محل بنایا جائے گا اور جو شخص حق پر ہو اور پھر بھی بحث و مباحثہ چھوڑ دے کہ فریقِ مخالف مانتا تو ہے نہیں جھگڑنے میں فضول وقت برباد ہوتا ہے اور کہیں ایسا نہ ہو کہ شاید اپنے اندر کوئی

نفسانیت پیدا ہو جاوے۔ اس کے لئے وسط جنت میں محل بنایا جائے گا جو کہ جنت کے کنارے والے سے اچھا ہو گا۔ اور جس کے اخلاق اچھے ہوں گے اس کے لئے اعلیٰ جنت میں بنایا جائے گا۔ (ابن ماجہ شریف)

رنگین لباس پہننا

بعض بزرگوں کی عادت ہے کہ سر سے پاؤں تک رنگین کپڑے پہنتے ہیں اگر یہ ریاءً نہ ہوں تو کچھ مضائقہ نہیں۔ رنگین کپڑے میلے کم ہوتے ہیں اور بار بار دھونا دھلوانا نہیں ہوتا اور صوفیاء کو مشغولی غیر مطلوب کی طرف ہونے سے بچنے کا خاص اہتمام ہوتا ہے کہ ان کا اصل شغل، شغل بحق ہے اس لئے رنگین کپڑے استعمال کرتے تھے اور یہ فعل ان کا مستند الیٰ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے۔

دلیل (ترمذی، ابوداؤد، نسائی میں روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو سبز کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ یہ حدیث شریف رنگین لباس پہننے کی دلیل ہے گو وہاں یہاں دوسرا ہو مگر مصلحت پر مبنی ہونا تو امر مشترک ہے اور قیاس کیلئے اسی قدر

کافی ہے۔

صوف پہننا بعض درویش اکثر حالات میں کمبل وغیرہ اوڑھے رہتے ہیں۔

دلیل بخاری و مسلم و ترمذی، ابو داؤد شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک کمبل بہت دبیز اور ایک لنگی موٹے کپڑے کی نکال کر دکھلائی اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان ہی دو کپڑوں میں وفات پائی۔

انتباہ کیا عجب ہے کہ صوفی کا لقب اسی سے ہوا ہو۔ گو اس لقب ہونے میں دوسرے اقوال بھی ہیں۔ اگر تصنع و ریاء کے طور پر نہ ہو۔ تو یہ حدیث شریف اس کی اصل ہے۔

چلّہ

اکثر بزرگوں سے چلّہ کشی کا اہتمام منقول ہے۔ اس پر یہ حدیث شریف دلیل ہے۔

دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص چالیس روز

تک اللہ تعالیٰ کے لیے خلوص کے ساتھ خلوت اختیار کرے تو علم کے چشمے اس کے قلب سے جوش زن ہوکر اس کی زبان سے ظاہر ہونگے۔

ضبط اوقات واہتمام مجلس خاص درخلوت اور دربان کا مقرر کرنا

بزرگوں کا عموماً معمول ہے کہ اپنے اوقات منضبط رکھتے ہیں جن میں کچھ وقت خلوت کا بھی ہوتا ہے اور کبھی کسی خادم کو بھی بٹھادیتے ہیں کہ لوگوں کا ہجوم نہ ہو اور کبھی اسی وقتِ خاص میں خواص کو کسی خصوصیت سے اجازت دے دیتے ہیں۔

اہلِ باطل، مخالفین، حاسدین ان معمولات پر طرح طرح سے اعتراضات کرتے ہیں اور بزرگوں پر شبہ ترفع یا ترجیح وغیرہ کا کرتے ہیں۔ ایسے تمام شبہات ناواقفی سے ہوتے ہیں۔ حدیث شریف ان معمولات کی دلیل ہے۔

دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ میرے پاس آنے کی تمہارے لیے یہی اجازت ہے کہ تم پردہ اٹھا دیا کرو اور میری مخفی بات سن لیا کرو جب تک میں منع نہ کروں (ابن ماجہ)

دلیل آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب اپنے دولت خانہ پر تشریف لاتے تو اپنے اوقات کے تین حصے فرماتے ایک حصہ اللہ تعالیٰ کے لئے نوافل وغیرہ کی مشغولی میں صرف فرماتے

اور ایک حصّہ اپنے گھر والوں کے لئے بولنے چالنے، بات چیت وغیرہ میں صرف فرماتے۔ ایک حصّہ آرام کے لئے۔ اپنے اس حصّے میں سے ضروری کاموں اور لوگوں کے لئے نفع پہنچانے میں تقسیم فرما دیتے یعنی کچھ وقت اپنے لئے صرف کرتے اور کچھ لوگوں کے کام میں سو اس حصہ کو جو کہ لوگوں کے لئے نکالتے تھے۔ خواص کے ذریعہ سے عام لوگوں پر صرف فرماتے تھے اور لوگوں سے کوئی چیز کسی کام کی اٹھا نہ رکھتے تھے اور آپ کی عادت شریفہ امت کے حصّہ وقت میں جو باہر صرف ہوتا تھا یہ تھی کہ اہل فضیلت کو ترجیح دیتے تھے (شمائل ترمذی)

دلیل حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ کے ایک باغ میں تھا ایک شخص آیا اور دروازہ کھلوایا آپ نے فرمایا دروازہ کھول دو اور اس شخص کو جنت کی بشارت دیدو۔ میں نے دروازہ کھولا تو وہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ میں نے ان کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فرمائی ہوئی خوشخبری دیدی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی

اسی طرح حضرت عمر و حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا تشریف لانا بھی حدیث شریف میں مذکور ہے۔ بخاری و مسلم نے اس کو روایت کیا ہے۔ ان احادیث شریفہ میں ان سب باتوں کا صاف فیصلہ ہے۔ حدیث اوّل میں خادم کے لئے اجازت ہونے اور عام لوگوں کو اجازت نہ ہونے کو بیان فرمایا ہے۔ حدیث ثانی میں ضبط اوقات

وَاہتمام خلوت اور صرف خواص کو آنے کی اجازت، ان کو آنے دینا بیان فرمایا حدیثِ ثالث میں دربان کا بٹھلانا صاف مذکور ہے۔ (البتہ کسی وقتی ضرورتِ شدیدہ کے وقت فقط ملاقات سے عذر کرنا پڑا ہے۔)

حدیث شریف کے علاوہ قرآن مجید کی آیات بھی دلیل ہیں۔ وَاِذَا قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا یعنی اگر تم سے کہا جاوے کہ واپس ہو جاؤ تو واپس ہو جایا کرو معلوم ہوا کہ کسی وقت ملاقات سے عذر کر دینا جائز ہے۔ اسی طرح حدیث شریف اَنْزِلُوا النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ خواص کی ترجیح کو عوام پر جائز بتلاتی ہے الحمد للہ تعالیٰ کہ ایسے سب شبہات ختم ہو گئے۔

شیطان سے عدم امن۔ دوام بیداری۔ نگرانی وہوشیاری

سالک مراتبِ سلوک میں، ولی مقاماتِ ولایت میں کتنا ہی بڑا کامل کیوں نہ ہو جاوے مگر اس کو شیطان سے بے فکر نہ ہونا چاہیے بلکہ ہمیشہ ہوشیار و بیدار رہے کہ کسی موقع پر اس کو لغزش میں نہ ڈال دے۔

دلیل حضرت ابوالدرداءؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز پڑھنے کھڑے ہوئے آپ نے فرمایا کہ دشمنِ خدا نے تعالیٰ یعنی ابلیس آگ کا ایک شعلہ لایا تاکہ اس کو میرے منہ میں لگائے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے محفوظ رکھا (مسلم شریف)

دیکھئے اس خبیث کی جراءت کہ حضور پُر نُور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربارِ عالی تک پہنچنے کا اس کو کیسے حوصلہ ہوا۔ لیکن چونکہ انبیاء علیہم السلام سے وہ گناہ نہیں کرا سکتا۔ اس لئے اِضرارِ جسمانی ہی کی ہوس ہوئی۔

فکرِ اصلاحِ خود

ناقصین تو ناقصین، کاملین کو بھی فارغ و بے فکر ہو کر نہ بیٹھنا چاہیے مثل مبتدی کے اہتمام اصلاحِ اعمال اور اندیشۂ تغیرِ احوال میں لگا رہنا چاہیے اسی میں خیر ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے۔

دلیل اَفَاَمِنُوْا مَکْرَ اللّٰہِ ۚ فَلَا یَاْمَنُ مَکْرَ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ خدائے تعالیٰ کی پکڑ سے سوائے ان کے جن کی شامت ہی آ گئی ہو اور کوئی بے فکر نہیں ہوتا۔

تقویٰ سے کبھی غفلت نہ ہو شریعتِ مقدسہ نے اس کا خاص اہتمام فرمایا ہے اور اس پر بہت زور دیا ہے۔ چنانچہ سب سے آخری آیت قرآن پاک میں جو نازل ہوئی وہ تقویٰ ہی کے بارے میں ہے ارشادِ باری تعالیٰ

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ
مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ۔

فرماتے ہیں کہ اس دن سے ڈرو جس دن تم اللہ تعالیٰ کی پیشی اور حضور میں لائے جاؤ گے۔ پھر ہر شخص کو اس کا کیا ہوا پورا پورا دے دیا جاوے گا اور ان لوگوں پر کسی قسم کا ظلم نہ کیا جاوے گا۔ یہی تقویٰ کمالِ ایمان ہے۔ اسی کو کہا ہے ؎

غافل مرو کہ مرکبِ مردانِ راہ را ٭ در سنگلاخ بادیہ پیہا بریدہ اند
نومید ہم مباش کہ رندانِ بادہ نوش ٭ ناگاہ بیک خروش بمنزل رسیدہ اند

فرماتے ہیں کہ غافل ہو کر مت چل کہ بڑے بڑے شہسواروں کے گھوڑے کے پاؤں سنگلاخ وادیوں میں قلم کر دیئے گئے اور ناامید بھی نہ ہو جاؤ کہ رند بادہ نوش، شرابی لوگ ایک ہی نالۂ آہ تو بہ میں منزل پر پہنچ گئے۔ کامیاب ہو گئے واصلِ مقصود ہو گئے۔

اِنتباہ آیات واحادیث اور کلامِ اہل اللہ میں تکبر، ناز کو پوری طرح توڑ دیا ہے کہ اپنی ہمت اور عبادت پر ناز نہ کرو بڑے بڑے عابدین اس ناز کے باعث راندہ درگاہ ہو گئے ہیں سب سے پہلی مثال شیطان ابلیس ہی کی ہے۔ اور اسی طرح بالکل ناامیدی بھی ختم کر دی گئی کہ بعض دفعہ بیحد گنہگار بھی اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ایک آہ میں منزلِ مقصود کو پہنچ گئے۔ کیا نہیں معلوم کہ فضیل بن عیاض جو کہ شیخ تھے حضرت ابراہیم بن ادہم کے۔ پہلے ڈاکوؤں

کے سردار تھے پھر آہ و توبہ و ندامت سے کیا ہو گئے۔ حضرت امام ابو حنیفہ کے شاگرد ہوئے اور مجلس فقہ کے بیس افراد میں سے یہ بھی ایک فرد ہوئے۔ بڑے اولیاء کرام میں سے ہوئے۔

بشر حافیؒ پہلے نہایت درجہ شرابی تھے کہ اکثر شراب خانہ میں رہتے تھے لیکن جب دل پر ندامت کی چوٹ پڑی تو بس آہ و سرد سے اس درجہ کے ہو گئے کہ چرند اور پرند کو حکم الٰہی ہوا کہ جہاں بشر کے قدم پڑیں وہاں تمہاری بیٹ، لید، گوبر نہ پڑے، اللہ اللہ اسی طرح حبیب عجمیؒ بڑے سود خوار تھے کہ آج کی دنیا میں ایسا سود خوار شاید ہی کوئی ہو۔ لیکن جب دل پر خوف حق کی چوٹ پڑی اور توبہ ندامت کے ساتھ حسن بصریؒ کے ہاتھ پر توبہ کر کے کس مرتبہ کو پہنچ گئے۔ اللہ اکبر! ایسے بہت سے واقعات ہیں تو ناز کیا اور ناامیدی کہاں۔ کمی ہے تو اپنی، غفلت ہے تو اپنی ؎

اس کے الطاف تو ہیں عام شہیدی سب پر
تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

اولیائے کرام کے اقسام اولیاء اللہ کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جن کے متعلق خدمت ارشاد و ہدایت، اصلاح قلوب و تربیت نفوس اور تعلیم طرق قرب و قبول عند اللہ ہوتی ہے۔ یہ حضرات اہل ارشاد کہلاتے ہیں ان میں سے اپنے عصر و زمانہ میں جو اکمل و افضل ہو اور اس کا فیض اتم و اعم ہو

اس کو قطب الارشاد کہتے ہیں اور یہ سب حضراتِ انبیاء علیہم السلام کے حقیقی نائب ہوتے ہیں لوگوں کے قلوب میں انوار و برکات ان کی وجہ سے آتے ہیں۔ البتہ ان کے برکات سے متمتع ہونے کی شرط اعتقاد ہے ان کا طرز، طرزِ نبوت ہوتا ہے۔

دوسرے وہ جن کے متعلق خدمت و اصلاح معاش اور امورِ دنیویہ کا انتظام اور بلیات کا دفع ہوتا ہے کہ وہ اپنی ہمتِ باطنی سے باذنِ الٰہی ان امور کی درستی کرتے ہیں یہ حضرات اہلِ تکوین کہلاتے ہیں اور ان سب کی حالت مثل حضراتِ ملائکہ علیہم السلام کے ہوتی ہے جن کو مدبراتِ امر کہا گیا ہے حضرتِ خضر علیہ السلام اسی شان کے معلوم ہوتے ہیں۔

اِنتباہ حضراتِ اہلِ تکوین کے مقام و منصب کے لئے تصرفاتِ عجیبہ کا ہونا لازم ہے جیسے حضرتِ خضر علیہ السلام کے تصرفاتِ عجیبہ قرآن پاک میں مذکور ہیں بمعیتِ حضرتِ موسیٰ علیہ السلام جس کی تفصیل آگے آرہی ہے بخلاف اہلِ ارشاد کے کہ ان کا خود صاحبِ خوارق صاحبِ کرامت ہونا بھی ضروری نہیں البتہ ان حضراتِ اہلِ ارشاد کی کرامات اور نوع کی ہوتی ہیں جن کا ادراک عوام الناس کو نہیں ہوتا بلکہ جو شخص اکثر اوقات ان کی خدمت و صحبت سے باخلاص و صدق مستفید ہوتا ہے اس کو معلوم ہوتے ہیں اور وہ امور ذوقی وجدانی ہیں۔

اِنتباہ ا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب نفع طریقت اہلِ ارشاد سے

ہوتا ہے تو پھر اہلِ تکوین کے کمالات و حالات بیان کرنے سے کیا فائدہ؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں دو فائدے ہیں۔ ایک علمی دوسرا عملی۔ علمی تو یہ کہ ایک کام کی بات معلوم ہو جاوے تاکہ علم ناقص نہ رہے عملی یہ کہ اکثر ایسے لوگ ظاہر صورت سے خستہ حال، شکستہ بال، ذلیل و خوار ہوتے ہیں تو جب یہ معلوم ہوگا کہ ایسے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں تو اب وہ کسی کی تحقیر و توہین تو نہ کرے گا۔ خوب سمجھ لو۔

انتباہ | قطب التکوین کے لئے ضروری ہے کہ اس کو اپنے قطب ہونے کا علم ہو کیونکہ وہ ایک عہدہ ہے جیسا کہ حسن میمندی جو سلطان محمود کا وزیر تھا اس کو تو اپنے وزیر ہونے کا علم تھا لیکن ایاز کو اپنے محبوب ہونے کا علم نہیں تھا، کیونکہ محبوبیت کوئی عہدہ نہیں، قرب کی ایک قسم ہے۔ پس قطب الارشاد کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اپنے قطب ہونے کو جان بھی لے۔

انتباہ | ایک وقت میں قطب متعدد بھی ہو سکتے ہیں۔ جیسا کہ شیخ ابن عربیؒ نے لکھا ہے۔

انتباہ | یہ اصحابِ تکوین اکثر شریعت کے غیر مکلف ہوتے ہیں۔ صحیح الحواس تو ہوتے ہیں لیکن فاتر العقل ہوتے ہیں جیسے حیوانات اور جیسے بچے کہ ان کے حواس درست ہوتے ہیں مگر ناقص العقل فاتر العقل ہوتے ہیں اور مکلف ہونا شریعت کا، یہ عقل پر ہوتا ہے۔ اور وہ ہے نہیں۔ مجنوں اور مجذوب میں یہی فرق ہوتا ہے کہ مجنوں کی عقل

اَخلاطِ فاسدہ کے غلبہ سے زائل ہو جاتی ہے اور مجذوب وہ ہے جس کی عقل کسی واردِ غیبی کے سبب زائل ہو جاوے لیکن دونوں میں فرق کرنا اور پہچاننا مشکل ہے بس سیدھی بات یہ ہے کہ مجذوب کے پاس بیٹھنے سے قلب کو آخرت کی طرف کشش ہو اور علامت یہ ہے کہ اس زمانہ کے اہلِ بصیرت محققین، جامع شریعت و طریقت اس شخص پر نکیر نہ کرتے ہوں۔ بلکہ اس کا ادب کرتے ہوں بس تم بھی اس کا ادب کرو اور اپنی زبان کو خلاف ادب سے روکو۔

اِشتباہ مجذوب سے نہ دنیا کا فائدہ ہے نہ دین کا۔ دین کا تو اس لیے فائدہ نہیں کہ وہ تعلیم و تذکیر و نصیحت پر موقوف ہے اور تعلیم و نصیحت ان سے حاصل نہیں ہوتی اور دنیا کا اس لئے فائدہ نہیں کہ وہ فائدہ دُعا سے ہوتا ہے اور مجذوب دعا کرتے نہیں کیوں کہ وہ لوگ صاحبِ کشف ہوتے ہیں ان کو معلوم ہو جاتا ہے کہ فلاں معاملہ میں اس طرح ہوگا تو اس کے موافق دُعا کرنا فضول ہے اور اس کے خلاف دعا کرنا تقدیر کا مقابلہ ہے۔ اس لئے وہ لوگ دعا نہیں کرتے البتہ کشف کے طور پر کبھی بطور پیشینگوئی کچھ کہہ دیتے ہیں کہ یوں ہوگا سو اگر وہ نہ بھی کہتے تب بھی اسی طرح ہوتا تو ان کے کہنے کے موافق ہو جانا۔ ان کے کہنے کے سبب سے نہیں ہوا۔ غرض مجذوب سے کسی طرح کا نفع نہیں ہوتا۔ بلکہ مجذوبوں کی فکر میں پڑنے سے ضرر ہوتا ہے وہ یہ کہ ایسے لوگ (مجذوبوں کے پیچھے پڑنے والے) شریعت

کو بیکار سمجھنے لگتے ہیں۔ شریعت کی وقعت و عظمت ایسے لوگوں کے دلوں سے جاتی رہتی ہے۔ کیوں کہ وہ دیکھتے ہیں کہ مجذوب شریعت کی پیروی تو کرتے نہیں اور جو وہ کہتے ہیں وہی ہو جاتا ہے۔ پس شریعت پر عمل کرنا ضروری نہیں جانتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ مجذوب فاتر العقل ہونے کے سبب شریعت کے مکلف نہیں وہ تو معذور ہیں تو دیکھنے والوں میں تو عقل و سمجھ سب کچھ موجود ہے اس لیئے وہ معذور نہیں ہو سکتے۔ تو ایسے لوگ اپنا دین برباد کرتے ہیں تو یہ اتنا بڑا نقصان مجذوب کے پیچھے پڑنے سے ہوا اس لیئے ان کے پیچھے نہ پڑنا چاہیے البتہ ان کو برا بھلا بھی کہنا جائز نہیں۔

انتباہ مجذوبوں کی نگاہ و نظر کبھی تو چھوٹی چھوٹی معمولی باتوں پر ہو جاتی ہے اور نہ ہو تو بڑی سے بڑی بات پر بھی نہیں ہوتی۔ جذب کی وجہ سے ان حضرات پر استغراقی کیفیت غالب رہتی ہے اسی لئے ان کا فعل حجت نہیں مجذوبوں کا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کچھ زیادہ نہیں ہوتا۔ وہ صرف معذور ہوتے ہیں گو وہ مقبول ہیں مگر کامل نہیں۔ کیوں کہ کمال اور ترقی اعمال سے ہے اور وہ اعمال سے محروم ہیں۔ یہی وجہ (یعنی کسب اعمال) ہے ارواح کو عالم ارواح سے عالم اجسام میں بھیجنے کی۔ عالم ارواح میں ارواح حامل احوال تھیں مگر حامل اعمال نہ تھیں چنانچہ ارواح میں یہ حال محبت ہی تھا۔ اس درجہ محبت ہی کی وجہ سے حمل امانت پر آمادہ ہو گئیں۔ اس حمل امانت کا منشاء

صرف محبت اور عشقِ الٰہی ہی تھا۔ پس سالک متورع کا مقام مجذوب سے کہیں اعلیٰ ہے۔ چونکہ سالک عاملِ اعمالِ ظاہرہ و باطنہ ہے۔

اِشتباہ اگر مجذوب کے حواس کی درستی میں شبہ ہو تو ان کی دی ہوئی چیز کو بھی نہ لے۔ اگر لے تو اس کا حکم لقطہ کا ہے۔

چہاردہ خانوادہ

اولؒ زیدیاں منسوب بخواجہ عبدالواحد بن زید رح

دومؒ عیاضیاں منسوب بخواجہ فضیل بن عیاض

سومؒ خانوادہ اَدھمیاں منسوب بخواجہ ابراہیم بن ادھم رح

چہارمؒ خانوادہ ہبیریاں منسوب بہ ابو ہبیرۃ البصری رح

پنجمؒ خانوادہ چشتیاں منسوب بخواجہ ممشاد علوی دینوری

ششمؒ خانوادہ عجمیاں منسوب بخواجہ حبیب عجمی رح

ہفتمؒ خانوادہ طیفوریاں منسوب بہ سلطان العارفین بایزید بسطامی ملقب بہ طیفور۔

ہشتم ؔ خانوادہ کرخیاں منسوب بمعروف کرخی رح

نہم ؔ خانوادہ سقطیان منسوب بہ سری سقطی رح

دہم ؔ خانوادہ جنیدیاں منسوب بہ سید الطائفہ جنید بغدادی رح

یازدہم ؔ خانوادہ گازرونیاں منسوب بہ اسحق گازرونی رح

دوازدہم ؔ خانوادہ طوسیاں منسوب بشیخ علاؤالدین طوسی رح

سیزدہم ؔ خانوادہ سہروردیاں منسوب بشیخ نجیب الدین سہروردی رح

چہاردہم ؔ خانوادہ فردوسیاں منسوب بشیخ نجم الدین کبریٰ فردوسی رح

یہ خانوادے تو اصل ہیں اور ان سے آگے اور شاخیں نکلی ہیں اور ان کے نام یہ ہیں۔

اول ؔ خانوادہ قادریہ غوثیہ منسوب بحضرت غوث الاعظم رح

دوم ؔ خانوادہ لیسویہ منسوب بخواجہ احمد لیسوی رح

سوم ؔ خانوادہ نقشبندیہ منسوب بخواجہ بہاؤالدین نقشبند رح

چہارم ؔ خانوادہ نوریہ منسوب بشیخ ابوالحسن نوری رح

پنجم ؔ خانوادہ خضرویہ منسوب باحمد خضرویہ رح

ششم ؔ خانوادہ شطاریہ عشقیہ منسوب بشیخ عبداللہ شطار رح

ہفتم ؔ خانوادہ حسینیہ بخاریہ منسوب بسید جلال مخدوم جہانیاں بخاری رح

ہشتم ؔ خانوادہ زاہدیہ منسوب بخواجہ بدرالدین زاہد رح

نہم ؔ خانوادہ انصاریہ منسوب بحضرت شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری رح

دہم ؔ خانوادہ صفویہ منسوب بشیخ صفی الدین رح

یازدہم۔ خانوادۂ عیدروسیہ منسوب بسید عبداللہ الملکی العیدروسیؒ۔
دوازدہم۔ خانوادہ مداریہ منسوب بحضرت بدیع الدین مدارؒ۔

فصل اقسام اولیاء

(اصحاب تکوین)

اس باب میں بزرگوں کی مختلف عبارتیں ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ وہ سب بارہ گروہ ہیں۔
اقطاب[۱]، غوث[۲]، امامین[۳]، اوتاد[۴]، ابدال[۵]، اخیار[۶]، ابرار[۷]، نقباء[۸]، نجباء[۹]، عمد[۱۰]، مکتومان[۱۱]، مفردان[۱۲]،

قطب العالم ایک ہوتا ہے اس کو قطب العالم و قطب اکبر و قطب الارشاد و قطب الاقطاب و قطب المدار بھی کہتے ہیں۔

اور عالم غیب میں اس کا نام عبداللہ ہوتا ہے اس کے دو وزیر ہوتے ہیں جو امامین کہلاتے ہیں۔ وزیر یمین کا نام عبدالملک وزیر یسار کا نام عبدالرب ہوتا ہے اور بارہ قطب اور ہوتے ہیں سات تو سات اقلیم میں رہتے ہیں ان کو قطب اقلیم کہتے ہیں

اور پانچ یمن میں ان کو قطب ولایت کہتے ہیں۔

یہ عدد تو اقطاب معینہ کا ہے اور غیر معین ہر شہر اور ہر قریہ میں ایک ایک قطب ہوتا ہے۔ غوث ایک ہوتا ہے بعض نے کہا ہے کہ قطب الاقطاب ہی کو غوث کہتے ہیں وہ اور ہوتا ہے اور وہ مکہ میں رہتا ہے۔ بعض نے اس میں بھی اختلاف کیا ہے۔

اوتاد چار ہوتے ہیں عالم کے چار رکن میں رہتے ہیں۔ ابدال چالیس ہوتے ہیں۔ بائیس یا بارہ شام میں اور اٹھارہ یا اٹھائیس عراق میں رہتے ہیں۔

اخیار پانچ سو یا سات سو ہوتے ہیں۔ اور ان کو ایک جگہ قرار نہیں۔ سیاح ہوتے ہیں ان کا نام حسین ہوتا ہے اور ابرار اکثر نے ان ہی ابدال کو کہا ہے۔

نقبا تین سو ہوتے ہیں۔ ملک مغرب میں رہتے ہیں۔ سب کا نام علی ہوتا ہے۔

نجبار ستر ہوتے ہیں اور مصر میں رہتے ہیں۔ سب کا نام حسین ہوتا ہے۔ عمد چار ہوتے ہیں۔ زمین کے چاروں گوشوں میں رہتے ہیں۔ سب کا نام محمد ہوتا ہے اور غوث ترقی کرکے فرد ہو جاتا ہے اور فرد ترقی کرکے قطب وحدت ہو جاتا ہے اور مکتوم تو مکتوم ہی ہیں۔

رُوح کا بیان

بعد حمد و صلوٰۃ عرض ہے کہ بعض صاحبان رُوح کے متعلق معلوم فرمایا کرتے تھے اس لئے مختصراً سہل طریق سے کچھ لکھا جاتا ہے۔

رُوح کے متعلق مختلف اقوال ہیں گو ان سب کے لکھنے کی دراصل ضرورت نہ تھی لیکن چونکہ زمانہ ضلالت و گمراہی کا غالب ہے۔ اہلِ باطل اپنے خیالات باطلہ لوگوں کے ذہنوں میں ڈال کر راہِ حق سے بھٹکاتے ہیں یا کم از کم تردّد اور شک میں پڑ جانے کی نوبت آجاتی ہے اس لئے وہ سب لکھے جاتے ہیں پھر ان میں جو صحیح اور حق ہیں۔ ان کو عرض کر دیا جائے گا۔

اقوال و مذاہب

رُوح کے بارے میں پانچ اقوال یا یوں کہیئے کہ پانچ مذاہب ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

ایک قول حکماء متقدمین کا ہے۔ دوسرا قول حکماء متاخرین کا ہے۔ تیسرا قول صوفیاء مکاشفین کا ہے اور چوتھا قول علماء متکلمین کا ہے۔ پانچواں قول اطباء کا ہے۔

تفصیل اقوال و مذاہب

اول قول حکماء متقدمین کا یہ ہے کہ رُوح جوہر مجرد قدیم ہے دوسرا قول حکماء متاخرین کا ہے کہ روح جوہر مجرد حادث بعد البدن ہے، بدن کی تیاری کے بعد رُوح پیدا کی جاتی ہے اور بدن میں ڈالی جاتی ہے تمام کی جاتی ہے۔

تیسرا قول صوفیاء مکاشفین کا ہے کہ روح جوہر مجرد حادث قبل البدن ہے۔ یعنی بدن پیدا ہونے سے قبل رُوح کا وجود و حدوث ہے۔

چوتھا قول علماء متکلمین کا ہے کہ رُوح جسم غیر عنصری ہے۔

پانچواں قول اطباء کا ہے کہ روح جسم عنصری (مادی) ہے۔

یہ پانچواں اقوال کہئے یا پانچ مذاہب کہیے بہر حال ان کا یہ تفسیری و تفصیلی بیان ہے۔

جو لوگ رُوح کو جوہر مجرد کہتے ہیں ان کے نزدیک رُوح مدبر بدن ہے۔ اس کے قائلین حکماء و صوفیا ہیں اور جو لوگ روح کو جوہر مجرد نہیں کہتے بلکہ جسم غیر عنصری غیر مادی کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک وہ ایک جسم

لطیف ہے۔ جیسا کہ اکثر اہل کلام اور علماء ظاہر کا خیال ہے کہ کہتے ہیں کہ رُوح جسم لطیف ہے جو تمام بدن میں نفوذ کئے ہوئے ہے تمام بدن میں جاری و ساری ہے اور اسی سے جسم انسانی کی حیات ہے اور جو لوگ رُوح کو جسم عنصری (جسم مادی) کہتے ہیں اور یہ اطبّاء کا خیال ہے کہتے ہیں رُوح ایک بخار ہے جو غذا سے پیدا ہوتا ہے اور محل کے اختلاف سے مختلف افعال کا وہ مصدر ہوتا ہے یعنی اس سے مختلف افعال صادر ہوتے ہیں۔ مثلاً قلب میں اس کے متعلق ابقاءِ حیات ہے اس اعتبار سے اس کو روح حیوانی کہتے ہیں جگر میں اس کے متعلق ہضم ہے اس اعتبار سے اس کو رُوحِ طبعی کہتے ہیں دماغ میں اس کے متعلق احساس و ادراک ہے اس اعتبار سے اس کو رُوحِ نفسانی کہتے ہیں اور حکماء اس کو اپنی اصطلاح میں نفس ناطقہ کہتے ہیں ان پانچ مذاہب میں سے پہلا اور دوسرا مذہب باطل ہے۔ یعنی حکماء متقدمین کا روح کو قدیم ماننا بھی باطل ہے اور حکماء متاخرین کا روح کو حادث بعد البدن کہنا بھی باطل ہے رُوح کو قدیم ماننا اس لئے باطل ہے کہ اگر رُوح کو قدیم مانا جاوے تو جس مسئلہ عقلیہ کا یا نقلیہ کا علم روح کو تعلق بالبدن کے بعد ہوا ہے اس کے متعلق سوال ہوگا کہ قبل تعلق بدن روح کو اس مسئلہ کا علم قدیم تھا یا اس مسئلہ سے جہل قدیم تھا یا دونوں حادث تھے کہ علم سے پہلے جہل تھا یا جہل سے پہلے علم تھا۔ تو اگر علم قدیم تھا تو اس پر زوال کا طاری ہونا اور عدم طاری ہونا

محال ہے پھر روح کا بدن سے تعلق ہونے کے بعد وہ علم کس طرح زائل ہو گیا جس سے روح کو جدید علم حاصل کرنے کی حاجت ہوئی؟ اور اگر جہل قدیم تھا تو ظاہر ہے کہ قدیم پر زوال طاری ہونا محال ہوتا ہے پھر اس جدید علم کے حصول پر وہ جہل کس طرح منعدم ہوگیا اور اگر علم و جہل دونوں حادث تھے تو ظاہر ہے کہ علم اور جہل کا مجموعہ بھی حادث ہوگا اور جو حادث ہوتا ہے وہ سابق میں معدوم ہوتا ہے تو اس طرح روح اس مسئلہ سے تعلق جو بعد کو حاصل ہوا ہے علم اور جہل دونوں سے خالی تھی اور ایسا ہونا محال ہے کیونکہ علم اور جہل دو متضاد اور متناقض چیزیں ہیں۔ تو ان دونوں سے خالی ہونا ارتفاع ضدین ارتفاع نقیضین ہوگا جو کہ محالات میں سے ہے اور یہ محال روح کو قدیم ماننے سے لازم آیا اور جو بات کسی محال کو مستلزم ہوتی ہے وہ بھی محال ہوتی ہے پس ثابت ہوگیا کہ روح کا قدیم ہونا محال اور باطل ہے تو مذہب اول جو حکماء متقدمین کا ہے کہ روح قدیم ہے یہ باطل ہوگیا

اب رہا مذہب حکماء متاخرین کا جو روح کے بارے میں دوسرا مذہب ہے کہ روح حادث ہے لیکن حادث بعد البدن ہے یعنی جسم پہلے پیدا ہوا اور روح بعد کو پیدا ہوئی یہ مذہب بھی صحیح نہیں۔ پہلے مذہب کی طرح یہ بھی باطل ہے کیوں کہ صحیح بخاری کی حدیث شریف میں وارد ہے۔ اَلْاَرْوَاحُ جُنُوْدٌ مُجَنَّدَۃٌ اس سے معلوم ہوا کہ ابدان سے قبل تمام ارواح مجتمع تھیں تو ثابت ہوگیا کہ ابدان سے تعلق کے قبل ارواح موجود ہو چکی تھیں۔ لہٰذا حدوث بعد البدن ہونا باطل ہوگیا۔

تو مذہب اوّل اور مذہب دوم باطل ٹھہرے۔ اب رہے تین
مذہب، تیسرا، چوتھا، پانچواں۔ یہ مذاہب صحیح اور حق ہیں۔ لہٰذا ان
کے دلائل بیان کئے جاتے ہیں۔ تیسرے مذہب کی دلیل کشف ہے
اور کشف کسی دلیلِ شرعی کا مخالف نہ ہو تو محتملِ صحت ہوتا ہے اور
یہاں صوفیاء کا یہ کشف کہ ارواح ابدان سے قبل ہی موجود ہیں مخالف
شرع نہیں ہے۔ اس لئے یہ محتملِ صحت ہے۔ اس کے بطلان کا حکم
نہیں کیا جاسکتا۔ خاص کر جب کہ مؤید بالشرع بھی ہو پھر تو صحت ہی کا
حکم متعین ہے چنانچہ یہاں حدوث ارواح قبل الابدان کے مسئلہ میں
حدیث بخاری اَلْاَرْوَاحُ جُنُوْدٌ مُجَنَّدَۃٌ اس کشف کی مؤید ہے اس لئے
یہ حکم لگانا صحیح ہے کہ روح بدن کی تخلیق و تکوین سے پہلے ہی سے ہوتی ہے
چوتھے مذہب یعنی رُوح کا جسم غیر عنصری ہونے پر دلیل نصوص
شرعیہ آیات قرآنیہ ہیں۔ چنانچہ سورۂ سجدہ میں ہے ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ
مِنْ رُّوْحِهٖ اس سے معلوم ہوا کہ روح جسم میں منفوخ یعنی پھونکی گئی ہے
اور منفوخ کا جسم ہونا ضروری ہے اور وہ جسم مُسَوّٰی کا غیر ہے اور مُسَوّٰی
جسم عُنصری ہے پس رُوح جسم عُنصری کا غیر ہوا تو رُوح کا جسم غیر عُنصری
ہونا ثابت ہوگیا۔ اس کے علاوہ دوسری مخلوقات کے متعلق خالق برتر
نے فرمایا کہ وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ اور انسان کے بارے میں
ارشاد ہے وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ اور جنّات کے
کے بارے میں ارشاد فرمایا خَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ اور ملائکہ کے

متعلق حدیث مسلم شریف میں ہے مَخْلُوْقٌ مِنَ النُّوْرِ۔ تو ان نصوص و ۶
ارشادات میں باوجود سوال نہ کئے جانے کے خود خدائے تعالیٰ نے مخلوقات
کا مادہ بیان فرما دیا لیکن روح کے بارے میں باوجود سوال کئے جانے
کے قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ ارشاد فرمایا کوئی مادہ بیان نہیں فرمایا
معلوم ہوا کہ اگر روح کسی عنصر سے مکوّن ہوتی یعنی کسی مادہ و عنصر سے
پیدا کی ہوئی ہوتی تو جواب میں کسی عنصر کا ذکر فرما دیا جاتا مثلاً من النور
یا اس کے مثل اور کچھ فرما دیتے اور جب ایسا نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ روح
کسی عنصر سے مکوّن نہیں ہے اور جسم ہونا پہلے ثابت ہو چکا تو پس روح
کا قوام کسی لطیف مادہ سے ہے جیسے نور یا اس سے بھی زیادہ لطیف
والطف ہے۔ بہرحال روح کا جسم غیر عنصری ہونا ثابت ہوگیا۔

تنبیہ اگر کوئی معقولی فلسفی یوں کہے کہ جو تم نے بیان کیا ہے یہ امور خواص
اجسام سے نہیں بلکہ خواصِ مادہ سے ہیں اور مادی ہونے کو جسم ہونا
لازم نہیں چونکہ ممکن ہے جوہر فرد ہو سو یہ سوال قلّتِ نظر سے پیدا ہوا ہے
دیکھئے روح کافر کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے
تَتَفَرَّقُ مِنْ جَسَدِهٖ وَتَتَفَرَّقُ۔ فرمایا اور تفرّق انقسام کو مقتضی ہے
اور جو مقتضی انقسام ہو وہ جوہر فرد نہیں ہوسکتا لہٰذا روح جوہر فرد
نہیں ہوسکتی اسی روح کا نام حدیثوں میں نفس اور نسمہ بھی آیا ہے اور
کتاب و سنت میں زیادہ بحث اسی روح سے کی گئی ہے اسی کے متعلق
کہا گیا ہے۔ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ

وَمَنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا باوجود سوال کیئے جانے کے جواب میں حقیقت بیان نہیں فرمائی۔ تو یہ نفی علم بالکُنہ کی ہے کہ تم تھوڑا علم دیئے گئے ہو۔ رُوح کی حقیقت سمجھنے کے لئے وہ کافی نہیں ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کے احکام کا بھی علم نہیں دیا گیا چونکہ احکام روح کے علم کے لئے حقیقتِ روح جاننا ضروری نہیں علم بالوجہ بھی کافی ہے تو نفیٔ علم بالکُنہ کی ہے اور اثبات علم بالوجہ کا ہے اور اس میں کوئی منافات نہیں تو جواب مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ فرمانا اسی بنا پر ہے کہ اس جسم کی حقیقت واضح اور مُبیَّن نہیں چونکہ یہ نورُ سے بھی اَلْطَف ہے۔

پانچویں مذہب قولِ اطباء کہ رُوح جسمِ عُنصری ہے اُس کی دلیل مشاہدہ ہے جو کہ شرعاً حُجت ہے اور اگر یہ مشاہدہ کسی دلیلِ شرعی کے ظاہراً مُعارض ہو تو دلیلِ شرعی میں تاویل واجب ہوتی ہے لیکن یہاں ایسا ہے ہی نہیں البتہ ان تینوں مذاہب کو حق ماننے پر اشکال ہوتا ہے کہ ان میں آپس میں تنافی و تناقض ہے کیونکہ تجرُّد جسمیت کے مُنافی ہے تو مذہبِ اوّل مذہبِ ثانی کے منافی ہوا اور عُنصُریّت غیر عُنصریّت کے منافی ہے لہٰذا مذہبِ ثانی اور ثالث میں بھی تنافی ثابت ہوگی۔ اور اوّل و ثالث میں تنافی کی وجہ وہی ہے جو اوّل و ثانی میں مذکور ہوئی یعنی تجرد و جسمیت تو تینوں مذاہب آپس میں متنافی اور متناقض ہوئے پھر تینوں حق کس طرح ہو سکتے ہیں کیوں کہ اجتماع نقیضین محال ہے۔

لیکن درحقیقت کوئی تنافی اور تناقض نہیں ہے کیوں کہ یہاں یہ

کہا جا سکتا ہے کہ انسان کے ساتھ تین چیزیں متعلق ہیں اور ایک ایک دلیل نے ایک ایک امر کا اثبات کیا ہے۔ اور اپنی اپنی اصطلاح میں اس کا نام رُوح رکھا ہے اور کسی نے باہم دوسرے سے کوئی تعرض نہیں کیا نہ اثباتاً نہ نفیاً۔ پس کوئی اشکال شبہ و خلجان کی بات نہیں رہی کلام محققین سے اسی طرح ثابت ہوتا ہے اس لئے کہا جائے گا کہ بدنِ انسانی کے ساتھ تینوں متعلق ہیں اس طرح کہ رُوح جو کہ جوہر مجرد ہے اس کا تعلق بدنِ انسانی سے بواسطہ رُوح بمعنیٰ جسم غیر عنصری ہے اور رُوح بمعنیٰ جسم عنصری کا تعلق بواسطہ رُوحِ طبی بمعنیٰ جسم عنصری کے ہے یعنی اوّل کا تعلق بدن میں بواسطہ ثانی کے ہے اور ثانی کا فعل بواسطہ ثالث کے ہے موت کے وقت جب ثالث کا تعلق منقطع ہوتا ہے اور وہ بدن سے نکل جاتی ہے تو ثانی بھی نکل جاتی ہے اور اس ثانی کے نکلنے سے اوّل کا فعل اور تصرف بھی جُدا اور منقطع ہو جاتا ہے اور بدن سے خرُوج کے بعد ثالث عناصر میں مِل جاتی ہے چونکہ وہ اصل میں جزءِ عناصر ہے اور یہ قاعدہ ہے کُلُّ شَیٍٔ یَرجِعُ اِلیٰ اَصْلِہٖ ہر شے اپنی اصل کی طرف لوٹ جاتی ہے اور ثانی عالم برزخ میں باقی رہتی ہے جیسا کہ قبل تعلق بالبدن بھی وہاں ہی تھی اور اوّل چونکہ مجرد ہے اس لئے وہ کسی مکان میں نہیں ہوتی۔ چونکہ مکان خواص مادّہ و مادّیات سے ہے اور قبل تعلق بالبدن بھی اسی طرح وہ کسی مکان میں نہ تھی اسی لئے اس کو لامکانی کہتے ہیں اور مجازاً یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ وہ لامکانی ہے لامکان میں رہتی ہے

اسی معنیٰ اور اسی اعتبار سے حضرات صوفیاء کرام نے لطائف کی بحث میں رُوح کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ فوق العرش ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ عرش کے اوپر رہتی ہے۔ بلکہ چونکہ عرش منتہیٰ ہے امکنہ و مکانات کا جو بالدلیل ثابت ہے اور روح مکانات سے مجرّد ہے اس لیئے فوق العرش غیر مکانی ہونے سے کنایہ ہے اور اسی لامکان کا لقب حدیثوں سے عماء بھی معلوم ہوتا ہے چنانچہ جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے دریافت کیا۔ اَیْنَ کَانَ رَبُّنَا آپ نے فرمایا فی عماء اور یہ ظاہر ہے کہ مکان ذات باری تعالیٰ سے منفی ہے پس عماء لامکان ہی کو فرمایا اب معنیٰ یہ ہوئے کہ وہ قبل خلق الخلق بھی مکان سے منزہ تھا جیسا اب منزہ ہے۔ فَهُوَ اَلْاٰنَ کَمَا کَانَ۔ یہاں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ

ممکنات میں مجرّد ہونا تو ہے کیوں کہ تجرّد اخص صفاتِ ذاتِ باری تعالیٰ سے نہیں۔ البتہ اخص صفاتِ باری تعالیٰ وجوب بالذات اور قدیم مطلق ہے۔ لہٰذا ممکنات میں ایسے مجرّد کا قائل ہونا جو ممکن اور حادث بمعنی مسبوق بالعدم واقعی ہو اس میں کچھ حرج نہیں یعنی واقع میں سابق میں معدوم تھا۔ پس ثابت ہوا کہ ان تینوں مذہبوں میں باہم کوئی اختلاف و تعارض نہیں۔ اب یہ بتلانا باقی ہے کہ ثواب و عتاب کس روح کو ہوگا قبر میں بھی اور آخرت میں بھی؟ سو رُوحِ طبّی تو بعد وفات عناصر میں مل گئی اس پر عذاب و ثواب ہونا کہیں مذکور نہیں رُوح شرعی کو ملائکہ لے جاتے ہیں جیسا کہ نصوص سے اس کا بقاء (باقی رہنا)

معلوم ہے۔ اس پر ثواب و عذاب کا ذکر نصوص قرآن و حدیث میں آتا ہے۔

رہی رُوح جسم غیر عنصری سو وہ بھی مُثاب و مُعاقَب ہے لیکن غیر عنصری کو ثواب و عقاب حسی ہوتا ہے اور مجرد کو ثواب و عقاب معنوی ہوتا ہے قبر میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اب رہی یہ بات کہ ان دونوں روحوں کو تالم یا تنعم یعنی دُکھ سُکھ، الم و سرور بدن کے تعلق کے واسطے سے ہے یا بلا واسطہ؟

سو نصوص سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ بعد موت کے رُوح جسم غیر عنصری کا تعلق بدن کے ساتھ رہتا ہے اور وہ بَدَن دوسرا بَدَن ہے جیسا کہ احادیث میں سبز رنگ کے پرندوں کے جوف وغیرہ میں ہونا آیا ہے۔ غالب یہی ہے اور اس کو جسم مثالی کہتے ہیں جو کہ خاص خاص صفات و کیفیات میں اس بَدَنِ عُنصری کے مُشابہ ہے۔ بعض احادیث سے اس کا زیادہ پتہ لگتا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ آدم علیہ السلام کو ان کے پیدا کرتے وقت اللہ تعالیٰ نے مٹھی کھول کر دکھائی فَاذَا فِیْھَا اٰدَمُ وَذُرِّیَّتُہٗ (ترمذی شریف) اور یہ ظاہر ہے کہ آدم علیہ السلام عالم حس میں موجود تھے پھر مٹھی میں کون سے آدم تھے معلوم ہوا کہ اس بدن کے علاوہ کوئی دوسری چیز بھی ہے جس کو آدم کہا اور یہ بظاہر بدن مع الروح ہے پس معلوم ہوا کہ بَدَن تو یقیناً متعدد ہوا اور رُوح ممکن ہے ایک ہی روح دونوں بدن سے متعلق ہو چنانچہ

حدیث معراج میں ہے کہ بعض انبیاء علیہم السلام کو آپ نے متعدد جگہ دیکھا تو ظاہر ہے کہ وہ ابدان مختلف تھے اور ایک ہی روح سب کی مرتبی تھی۔ اس لیے دوسرے بدن کو بھی اسی نام سے موسوم کیا گیا۔
رہا یہ کہ ایک روح دو بدن کے ساتھ کس طرح متعلق تھی؟ سو اس کے چند طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ ایک بدن میں ساری اور نافذ ہو اور دوسرے میں ـــــ روحانی قوت سے متصرف ہو۔ دوسرے یہ کہ دونوں بدن میں روحِ غیرِ عنصری کے کچھ کچھ اجزاء ہوں اور ان دونوں میں روحِ مجرد تصرف کرتی ہو کہ کبھی ان کو جمع کر دے کبھی متفرق کر دے۔ چنانچہ بعض اولیاء کو ایسے واقعات حیاتِ دنیا میں بھی پیش آئے ہیں۔ پس جب بدن کا متعدد ہونا ثابت ہو گیا تو بدنِ مثالی کا وجود ثابت ہو گیا۔
کیا عجب ہے کہ میثاق کے وقت یہی ابدان ہوں اور بعد موت سوال کے وقت روح بدنِ مثالی کے اندر ہو کر زمین کی طرف بھیجی جاتی ہو اور اس بدن عنصری کے ساتھ اس مجموعہ کو ایک گونہ متعلق کر کے سوال اسی روح و بدنِ مثالی سے ہو پھر سوال کے بعد اسی روح کا آسمان کی طرف سے جانا پایا جانا اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے سب ارواح ملتی ہیں اور برزخِ مؤمنین کا یہی مکان ہے جو کہ آسمان پر ہے جس کو علیین کہتے ہیں جیسا کہ برزخِ کفار کا ارضِ سفلی سے ہے۔ جس کو سجین کہتے ہیں۔ رہا یہ کہ حدیث شریف میں ہے کہ سوالِ ملکین کے

صحیح جواب دینے پر کہا جاتا ہے۔ نَمْ کَنَوْمَۃِ الْعَرُوْسِ جس سے روح کا بظاہر قبر میں ہونا معلوم ہوتا ہے۔ سو غور کرنے سے اس کہنے میں نوم کا قبر میں ہونا لازم نہیں ہوتا جو علیین کی طرف جانے کے معارض ہو۔ گو من وجہ قبر سے بھی تعلق رہتا ہو۔ چونکہ نوم سے مراد راحت ہے اور یہ نہ منافی بقاء ہے نہ منافی کلام ہے۔ رہی ثبوت برزخ کی دلیل تو وہ اس آیت کریمہ میں ہے۔

اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِیًّا ۚ وَ یَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۫ اَدْخِلُوْۤا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ (پ ۲۴ سورۃ المؤمن)

آیت کے جزو اول صبح وشام آگ کا پیش کیا جانا عالم برزخ ہی میں ہے کیوں کہ قیامت کے دن کا اشد عذاب اسی آیت کے دوسرے جزو میں مذکور ہے۔

یہاں تک روح کے متعلق موت اور ما بعد الموت عالم برزخ سے متعلق کلام ختم ہو گیا۔ اب رہا معاملہ آخرت کا سو نصوص قرآن پاک و حدیث رسول پاک (صلی اللہ علیہ وسلم) میں تصریح ہے کہ یہی بدن عنصری زندہ کیا جاوے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ کَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُهٗ اور اسی طرح حدیث شریف میں ہے اور اس بدن کے ساتھ روح یعنی جسم غیر عنصری تو ضرور ہی متعلق ہوگی اور روح عنصری، بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی متعلق ہوگی کیوں کہ یہ بھی اجزائے بدن سے ہے۔

رہا یہ اشکال کہ اس بدن کو کسی نے کھالیا اور وہ اس کا جزوِ بدن ہو گیا تو پھر یہ کیسے اعادہ ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ تمام اجزاء کا جُزوِ بدن ہونا ضروری نہیں کچھ اجزاء اس کھانے والے کے دستبرد سے ضرور محفوظ رہیں وہ سب اعادہ کئے جائیں گے۔

اب رہی رُوحِ مُجرّد اس کا تعلق قبر اور آخرت دونوں میں مثل تعلقِ دنیوی کے ہوگا دلیل وہی کَمَا بَدَءْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُہٗ کیوں کہ یہاں تشبیہ ہے اور تشبیہ کا تام ہونا اسی کو چاہتا ہے کہ رُوح کا تعلق قبر یعنی برزخ اور آخرت دونوں سے ہو پھر جنت اور دوزخ میں بھی یہی بدن جائے گا اور اسی کے واسطے سے روح کو الم، دُکھ اور لذّت و راحت ہوگی جیسا کہ بیان کیا گیا کہ رُوحِ مُجرّد کو ثواب و عقاب عقلی و معنوی ہوگا اور رُوحِ مادّی کو ثواب و عذاب حسّی ہوگا۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

خلاصہ

تمام تقریر کا خلاصہ :- یہ امور ہوئے بعض قطعاً بعض ظناً بعض امکاناً۔

امر اوّل۔ رُوح کے بارے میں پانچ مذہب ہیں: حکمائے متقدمین کا کہ رُوح مجرد قدیم ہے اور یہ قول باطل ہے۔

دوسرے حکماء متاخرین کا مذہب اور قول کہ رُوح جوہر مجرد حادث بعد البدن ہے یہ بھی محض باطل ہے۔

تیسرا مذہب صوفیائے مکاشفین کا رُوح جوہر مجرد حادث قبل البدن ہے یہ حق ہے۔

چوتھا مذہب علماء متکلمین کا کہ رُوح جسم غیر عنصری ہے یہ بھی حق ہے

پانچواں مذہب اطباء کا ہے کہ روح ایک جسم عنصری ہے یہ بھی مذہب حق ہے۔

تنبیہ | ر۱، ر۲، ر۳، میں جو رُوح کے تین مصداق ہیں تینوں حادث ہیں اور یہ تینوں بدنِ انسانی سے متعلق ہیں اس طرح کہ ر۳ بواسطہ ر۲ کے اور ر۲ بواسطہ ر۱ کے۔

تنبیہ دوم | ر۱، ر۲، جسم اور مکانی ہیں اور ر۳ مجرد غیر مکانی ہے ر۱ موت کے بعد عناصر میں مل جاتی ہے اور ر۲ برزخ میں رہتی

ہے اور روح بحالِ غیر متمکن ہے۔

تنبیہِ سوم | مثاب اور معاقب برزخ میں روح ہے، ہیں ان کا تألم دکھ تکلیف اور تلذذ و راحت برزخ میں بواسطہ جسم مثالی کے ہوتا ہے اور آخرت میں تینوں ر، م، ہ اسی بدنِ عنصری سے متعلق ہوں گی۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب

طُرقِ سَلاسِلِ اَربعہ مَشائخِ کِرام

چشتیہ، نقشبندیہ، قادریہ، سہروردیہ، اصولاً سب متحد ہیں کہ اصل مطلوب تزکیۂ اخلاقِ فاضلہ اور تکمیلِ تہذیبِ اخلاقِ حمیدہ بطلبِ رضاءِ الٰہی ہے۔

تحصیل کے طرق و معالجات بتعددِ انفاسِ خلائق متعدد و متکثر ہیں۔

البتہ ترتیبِ تحصیل میں کسی قدر فرق ہے۔

چشتیہ۔ تہذیبِ اخلاق کو مقدم اور خاص الخاص توجہ اس پر مرتکز

فرماتے ہیں۔
نقشبندیہ :۔ ذکر کی طرف زیادہ توجہ فرماتے ہیں۔
اسی طرح دوسرے سلاسل قادریہ، سہروردیہ بھی ذکر پر زیادہ توجہ فرماتے ہیں۔ لیکن اب طریق مرکب ہے تصحیح اخلاق کے ساتھ ساتھ اذکار بھی تعلیم کئے جاتے ہیں اور یہ اذکار مختلف صورتوں کے ساتھ مختلف ناموں کے ساتھ ہیں۔ کوئی ذکر لسانی ہے کوئی ذکر قلبی ہے۔ کوئی پاس انفاس کی شکل میں ہے۔ کوئی حبس دم کی صورت میں ہے کوئی شغل کی صورت میں ہے اور کوئی مراقبہ کی صورت میں۔
ان سب کے طرق میں بعض صورتیں متحد اور بعض صورتیں مختلف ہیں لیکن مطلوب ایک ہی ہے۔ یعنی انقطاع عن الخلق، توجہ الی الخالق، تصورِ حق ذاتِ بحت، ملکہ یادداشت بمعرفت الٰہی بخشیت الٰہی باشوق و ذوق و انس و محبت۔
ذکر سے انس و محبت، نزہت و تنزیہ، صفائیت، شفافیت نکھار پیدا ہوتا ہے اور یہ نکھار و نزہت مطلوب ہے۔
اور اشغال سے ملکۂ یادداشت اور مراقبات سے معرفت و خشیت و رسوخ احسان مطلوب ہے۔ پھر جو ان مطلوبات کے ذرائع و وسائل ہوں گے وہ بھی مطلوب ہوں گے اس لئے ذکر، فکر، اشغال، مراقبات کے طرق مطلوب ہیں۔
انتباہ :۔ اب رہی یہ بات کہ کس کے لیئے کیا طریق نافع ہے یہ

شیخ صاحب فن کی رائے پر ہے چونکہ طالب اصلاح اور شیخ کا تعلق
طبیب اور مریض کا سا ہے اسی نے حضرت شیخ ابن عربیؒ نے لکھا
ہے کہ کہ شیخ کو تدبیر اطبا کی سی چاہیئے جیسے کہ یہ لکھا ہے کہ شیخ میں
سیاست بادشاہوں کی سی اور علم انبیاء کا سا ہونا چاہیئے۔ بہرحال
سَلاسِل اَرْبَعَہ اصول میں سب متحد ہیں اور طرق میں کہیں متحد اور کہیں
مختلف اور منجملہ طرق، اذکار اشغال مراقبات بھی ہیں چونکہ طریقِ ذکرِ
چشتیہ اسی کتاب میں سابقاً آچکا ہے اس لئے یہاں ترک کر دیا
گیا ہے۔

طریقِ ذکرِ نقشبندیہ

جب طالب صادق اس جماعت میں سے کسی کے پاس جاتا ہے
تو استخارہ کرنے کو فرماتے ہیں۔ استخارہ میں اشارہ مل جانے پر اس کی
طرف مشغول ہوتے ہیں۔ اس طرح کے انسان کے اندر چھ لطیفے ہیں۔
جن کا تفصیلی ذکر اسی کتاب میں ہے ان کو یہاں تک ذاکر کرنے میں سعی
کرتے ہیں کہ خود ذکر سے شناسا ہو جاوے اور بتوجہ خود مرید کے لطیفہ
میں ذکر کے القاد کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اس کا یہ طریق اختیار کرتے
ہیں۔ کہ مرید سے زبان کو تالو میں لگواتے ہیں اور بغیر زبان ہلائے قلب
سے اسم ذات اللہ کو ادا کرتے ہیں اور اپنے قلب کے منہ کو مرید
کے دل پر تصور کرتے ہیں اور غیر خدا کے خیال کو اس کے دل میں آنے

سے روک کر اس کے قلب کو اپنی طرف انجذاب قلب سے متوجہ کرتے ہیں تاکہ اس توجہ کے اثر سے اس کے لطیفہ میں حرکت پیدا ہو کر ذکر جاری ہو اس طرح کم و بیش ایک گھنٹہ مرید کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔

تنبیہ قلب صنوبری، قلب حقیقی کا نشیمن ہے اس کو حقیقت جامع بھی کہتے ہیں۔ اور خدا کی عادت جاری ہے کہ جب مرید اپنے قلب کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو مبدء فیض سے قلب حقیقی کے واسطہ سے اُس کو فیض ہوتا ہے یہ لطیفۂ قلب کی مشق کی نوعیت ہے جب یہ مشق کامل ہو جاتی ہے اور فنائے قلبی حاصل ہو جاتی ہے تو باقی لطائف کی الگ الگ مشق کرائی جاتی ہے۔ فنائے لطائف یہی ہے کہ لطائف میں مستغرق ہو جائے اور اس میں تکلف کی ضرورت نہ ہو۔

یہ طریق تو اسم ذات اللہ کا تھا اس کے سوا نفی و اثبات کی بھی تعلیم کی جاتی ہے اس کا طریق یہ ہے کہ آنکھیں اور ہونٹ بند کر کے سانس ناف کے نیچے سے اٹھا کر قلب میں روکے اور لَا کو ناف سے نکال کر گلے تک پہنچا کر اِلٰہَ کو گلے سے لطیفۂ روح تک لا کر اِلَّا اللہ کی دل پر ایسی ضرب لگائے کہ اس کا اثر تمام لطیفوں پر پہنچے اور غیر اللہ کی نفی اور اللہ کی ذات کے اثبات کا تصور کرے۔ پہلے ایک سانس میں اسی طرح ایک دفعہ کرے اور تدریجاً ترقی دیتا ہوا اکیس مرتبہ تک پہنچائے اور طاق عدد کا، مدوشد کا خیال رکھے تاکہ اثر ظاہر ہو۔

انتباہ: ذکر کا اثر یہ ہے کہ نفی کے وقت غیر کے وجود کی بالکل

نفی ہو جاوے اور اثبات میں انجذاب الٰہی کا ظہور ہو کہ مذکور یعنی اللہ کا ذکر اسم دل پر غالب ہو کر محبوب حقیقی میں محو ہو جاوے۔

انتباہ یہ دو طریق نقشبندیہ کے ذکر کے سلسلہ میں عرض کئے گئے اسی پر دوسرے لطائف کو قیاس فرمائیں کہ جس لطیفہ کی مشق مقصود ہو اسی لطیفہ پر حبس دم کرے اسطرح کہ ناف کے نیچے سے سانس کھینچ کر جس کا شغل منظور ہو اس پر ٹھہرے اور جس قدر ممکن ہو اسم ذات میں اس کے معنیٰ اور اس مقام لطیفہ کو نور اور واسطہ کے ساتھ ساتھ منہمک ہو جاوے اور اسم کو ذات کا غیر نہ سمجھے بعض صاحبان ان مقامات کا ذکر بغیر حبس دم کرتے ہیں اور ذکر وہی اسم ذات ہے۔

احقر عرض کرتا ہے کہ نفی و اثبات میں جو تعلیم نقشبندیہ کے طریق کی اوپر بیان کی گئی۔ احقر بعض اقویاء ذی قوۃ نے قوتیہ کو اس کی تعلیم کرتا ہے۔ آنکھ اور سوراخ کان کے بند کرنے کے ساتھ الحمد للہ تعالیٰ باطن کے لئے بیحد نافع ہوا۔

طریق قادریہ

سلسلہ قادریہ میں ذکر نفی و اثبات معمولی آواز کے ساتھ تعلیم کیا جاتا ہے۔ جس کا طریق یہ ہے کہ لَا اِلٰہَ کو پوری طاقت سے بدن کے اندر سے کھینچ کر اِلَّا اللہ کی دل پر ضرب لگاتے ہیں اسی طرح خلوت میں روز و شب مشق کرتا رہے اور بار بار حسب ضرورت جس قدر بھی

ہو سکے کرتا رہے اور ہر سو کے بعد ایک بار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہے اور ایک ہی نشست میں ایک ہزار ایک سو گیارہ بار ورد کرے یہ بہتر ہے۔ اس طرح کرنے سے ذاکر کو ایک خاص محویت اور جذب بالطف ہوگا۔

اس کے بعد نفی و اثبات کی اس طرح تعلیم کرتے ہیں کہ رو بقبلہ دو زانو باادب بیٹھ کر آنکھیں بند کرکے پوری طاقت سے لا کو ناف کے نیچے سے کھینچ کر باہر لائے اور اپنے شانہ (کندھے) تک پہنچا کر اِلٰہ کو اُمّ الدماغ سے نکالے اور اِلَّا اللہ کی بہت زور سے قلب پر ضرب لگائے لَا اِلٰہ کہتے وقت خیال کرے سوائے خدا کے نہ کوئی معبود ہے نہ کوئی مقصود ہے نہ کوئی موجود ہے تاکہ غیر کی ہستی کا خیال جاتا رہے اور اِلَّا اللہ سے موجودِ مطلق کے اثبات کا خیال کرے۔ اس کے علاوہ ذاکر اسم ذات یکضربی، دوضربی، سہ ضربی چہارضربی کی تعلیم و مشق کرتے ہیں۔

یکضربی میں لفظ اللہ کی پوری طاقت سے دل پر ضرب لگاتے ہیں پھر ذرا ٹھہر کر اتنا کہ سانس ٹھہر جاوے تب ضرب لگا دے اسی طرح مشق کرے۔

دوضربی میں پہلی بار ضرب دائیں گھٹنے پر دوسری قلب پر

سہ ضربی اول دائیں گھٹنے پر دوسری بائیں گھٹنے پر تیسری ضرب دل پر

چہارضربی میں پہلی دوسری دائیں گھٹنے پر تیسری سامنے چوتھی ضرب دل پر لگائے۔

اِنتِبَاہ یکضربی، دو ضربی، سہ ضربی میں دو زانو بیٹھے اور چہار ضربی میں چہار زانو بیٹھے۔ یہ طریق ذکر تھا اور پاسِ انفاس وہی عام طریق پر ہے۔ اتنا فرق ہے کہ لفظ ھُو کو خیالی طریقہ سے کھینچ کر آسمان پر لے جائے۔

شغل قادریہ اسم ذات خَفِیہ

ان اذکار کے بعد شغل اسم ذات خفیہ کی تعلیم کرتے ہیں اس طرح پر کہ زبان کو تالو سے ملائے اور جس قدر ہو سکے قلب سے اللہ اللہ کہے اور رات دن یہی تصور رکھے تاکہ پختگی پیدا ہو اور ذکر میں کوئی زحمت نہ ہو بلکہ ذکر کی ایک کیفیت اضطراری ہو جاوے۔

شغل اسم ذات :- اس کا طریقہ یہ ہے کہ کاغذ پر قلب صنوبری کی سرخ یا نیلی تصویر کھینچ کر اس میں اللہ سنہری یا زرد پیلی صورت سے لکھ کر اس پر نظر رکھے یہاں تک کہ یہ نام دل پر منقوش ہو جاوے یا لفظ اللہ کی صورت دل پر لکھے اور اس کی طرف متوجہ رہے۔ تصویر یہ ہے (اللہ)

شغلِ دورۂ قادریہ

اس کا طریقہ یہ ہے کہ ادب سے دو زانو ہو کر قبلہ رو بیٹھے آنکھیں بند کرے زبان کو تالو سے لگا کر اَللّٰہُ سَمِیعٌ کا بحضورِ قلب تصور کرے اور ناف سے خطِ نورانی نکال کر وسطِ سینہ یعنی مقام لطیفۂ سِر تک پہنچائے اور اَللّٰہُ بَصِیرٌ کو سینہ سے نکال کر دماغ تک پہنچائے جو کہ بین الحاجب وَاُمّ الدِّماغ مقامِ لطیفۂ اخفیٰ ہے اَللّٰہُ عَلِیمٌ کو اُمّ الدِّماغ سے نکال کر عرش تک پھر اس عروج کے بعد عرش سے نزول کرے کہ اَللّٰہُ عَلِیمٌ کو عرش سے دماغ تک اَللّٰہُ بَصِیرٌ کو دماغ سے سینہ تک اور اَللّٰہُ سَمِیعٌ کو سینہ سے ناف تک لائے۔ اس دورہ کے بعد پھر ناف سے شروع کرے۔ اسی طرح تدریجاً عروج و نزول کے ساتھ مشغول رہے۔

انتباہ اس شغل کی کیفیات بہت مشغول ہونے سے معلوم ہوتی ہیں۔ اس شغل کے فوائد و ثمرات حاصل ہونے کے بعد مراقبہ کی تلقین و تعلیم فرماتے ہیں۔

بیانِ مراقباتِ قادریہ

مراقبۂ احسان۔ مراقبۂ فنا۔ مراقبۂ نور، مراقبۂ موت۔ ان مراقبات کے بعد مراقبۂ توحیدِ افعالی۔ مراقبۂ توحیدِ صفاتی۔ مراقبہ توحیدِ ذاتی ہیں۔

(مراقبۂ توحیدِ ذاتی سے محققین نے منع کیا ہے۔)

طریقِ مراقبہ

مُراقبہ رقیب سے مشتق ہے اور رقیب عربی میں نگہبان و محافظ کو کہتے ہیں تو معنیٰ یہ ہوئے کہ دل کو ماسوائے اللہ کی یاد سے اور غیرِ حق سے محفوظ رکھنا۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ جس آیت یا کلمہ کا مراقبہ منظور ہو اس کو زبان سے کہے اور اپنے کو ذلیل و حقیر و کمترین سمجھ کر باادب قبلہ رُو دو زانو بیٹھے اور غیرِ خدا سے دل صاف کر کے اس کے معنیٰ کے تصور میں منہمک ہو جاوے اسی کے متعلق حدیث شریف میں مَا الْاِحْسَانُ ہے۔

مُراقبۂ فنا۔ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ ۔ یہ آیت گویا مراقبوں کا اصل ہے اس کا طریق یہ ہے کہ اپنے کو بالکل مردہ اور خاک خیال کرے اور آسمان کو شگافدار اور تمام دنیا کو نیست ونابود مثل قیامت کے دن کے تصور کرے اور خدا کی ذات کو موجود و باقی تصور کرے اس درجہ کی جب تک محویت نہ پیدا ہو جاوے اسی شغل میں مشغول رہے اور اس کے حاصل ہونے کے بعد دوسرے مراقبوں میں مشغول ہو۔

دوسرا مراقبہ نور اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ خیال کرے کہ جس طرح اللہ کا وجود ہر جگہ ہے اسی طرح اس کا نور تمام عالم میں سے اور اس میں مستغرق ہو جاوے۔ اسی طرح

تیسرا مراقبۂ موت اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْہُ فَاِنَّہٗ مُلٰقِیْکُمْ ۔ اور اَیْنَ مَا تَکُوْنُوْا یُدْرِکْکُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ کُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَۃٍ ۔ جب ان مراقبات سے فائدہ حاصل ہو اور انوار و کیفیات ظاہر ہوں تو پھر مراقبۂ توحید کیا جاتا ہے اور یہ مراقبۂ توحید چند طریق پر ہے۔

اوّل توحیدِ افعالی :۔ اس کا طریقہ ہے کہ تمام دنیا کے حرکات و سکنات کو خدائے تعالیٰ کے افعال کا مظہر جانے۔ ظاہری کام کرنے والوں کو آلہ، اور اللہ تعالیٰ کو فاعل حقیقی خیال کرے تو غیر کی فاعلیت کا خیال جاتا رہے گا اس پر پوری طرح پابندی کرنے پر عجیب ثمرہ یعنی بہتر اخلاق ظاہر ہوں گے۔

دوسرا مراقبۂ توحیدِ صفاتی :۔ اپنے اور تمام دنیا کے وجود کو اللہ تعالیٰ کے صفات کا عکس سمجھے اور اسی خیال میں مستغرق ہو جاوے۔ یہاں تک حدیث شریف کُنْتُ لَہٗ سَمْعَہٗ وَبَصَرَہٗ کا مصداق ہو جاوے۔

انتباہ اس کے فوائد بھی اس قدر ہیں کہ لکھے نہیں جا سکتے مختصراً عرض ہے کہ اپنے جسم کو وسیع تصور کرے کہ زمین سے عرش

تک تمام چیزوں کو گھیرے ہوئے ہے اور تمام عالم کا وجود اپنے وجود میں پاتا ہے اور اس کی تکثیر سے ہر چیز کی حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے حقیقت اس پر منکشف ہوتی ہے اور موجوداتِ واقعیہ کے حالات منکشف ہوتے ہیں۔ لیکن یہاں ہی نہ ٹھہر جاوے اور جو انوار ظاہر ہوں ان پر سے گذر جاوے کہ وہ سب حجاب ہیں وجودِ ذاتِ مطلق کے بلکہ دربارِ الٰہی میں عجز و انکسار کے ساتھ دُعا کرے کہ اس سے نکل جاوے کہ بعض بے رنگ و لطیف نور پاکر اس پر ٹھہر جاتے ہیں غرضِ اصلی سمجھ کر، لیکن یہ سب حجابات ہیں ان پر توقف نہ کرے خدا کی مدد شاملِ حال ہے تو یہ پردے باآسانی طے ہو کر ذاتِ مطلق کی معرفت کا بفضلہٖ تعالیٰ نور حاصل ہوگا۔ عجیب حالات اور انکشاف ذات وصفات، حقائقِ کونیہ منکشف ہوتے ہیں اس کو اصطلاح میں سیر فی اللہ کہتے ہیں اور اس کی انتہا نہیں۔ اس کو مقامِ سلوک ومعرفت کا منتہا خیال کیا جاتا ہے

انتباہ: سالک کو چاہیے کہ اوّل تو کبھی بھی اور بالخصوص ابتداء میں ایسے امور کی تحقیق و تلاش و جستجو میں کاوش نہ کرنا چاہیے کیوں کہ ایسے امور متوسط درجے کے سالکین سے واقع ہوتے ہیں۔ منتہی دنیا کی چیزوں کی طرف کہ یہ سب مخلوق ہیں متوجہ نہیں ہوتے اسی لیے ان سے ایسے واقعات کم واقع ہوتے ہیں۔

یہ بھی خوب سمجھ لیں کہ عارف کے تمام مکشوفات کا صحیح اور

واقع کے مطابق ہونا ضروری نہیں۔ واقعات کا کشف ظنی چیزوں سے ہے جن میں غلطی کا بھی احتمال ہے اور گاہے بالکل خلاف واقعہ بھی ہوتے ہیں۔ بس استقامت اور ہر امر میں ہر عمل میں کمال اتباع سنت پر مستقیم ہو۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کا مصداق ہو

ذِکر

صوفیائے کرام کے بیان میں ذکر کا بہت جگہ اور جگہ جگہ ذکر آتا ہے۔ لہٰذا اس کی حقیقت معلوم ہونا چاہیے۔ سو اصطلاح صوفیاء میں ذکر اس کو کہتے ہیں کہ انسان اللہ تعالیٰ کی یاد میں تمام غیر خدا کو بھول جاوے اور حضورِ قلب سے اللہ تعالیٰ کا قرب نزدیکی اور معیت حاصل کرے اسی کو حدیث قدسی میں فرمایا ہے۔

اَنَا مَعَ عَبْدِيْ اِذَا ذَكَرَنِيْ وَتَحَرَّكَتْ بِيْ شَفَتَاهُ

کہ جب میرا بندہ مجھ کو یاد کرتا ہے اور میرے نام سے اس کے ہونٹ ہلتے ہیں تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں ـــــ اور فرمایا ہے۔

اَنَا جَلِیْسُ مَنْ ذَکَرَنِیْ کہ جو مجھ کو یاد کرتا ہے تو میں اس کا ہمنشین
وجلیس ہوتا ہوں۔ نیز حق تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں بھی فرمایا ہے
سَبِّحُوْہُ بُکْرَۃً وَّ اَصِیْلًا۔ خدا کی صبح وشام تسبیح کرو۔ حاصل یہ
نکلا کہ بس پوری توجہ سے یادِ الٰہی میں اس طرح منہمک ہو کر اپنے
نفس سے بھی بیخبر ہو جائے اور اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا
وَّ عَلٰی جُنُوْبِہِمْ کا مصداق ہو جائے ذکر اس کی زندگی ہو جائے۔

انتباہ یوں تو ذکر کی بہت قسمیں ہیں، بہت صورتیں اور بہت
طریق ہیں۔ لیکن عزیزانِ من مقصود ذکر سے مطلوب کا
حاصل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا جس عمل سے یہ نفع حاصل ہو جائے وہی ذکر
کہا جا سکتا ہے خواہ وہ نماز و روزہ ہو یا درود شریف ہو یا کلمہ شریف
کا ورد ہو یا تلاوت ہو یا استغفار ہو یا سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ
اللّٰہِ الْعَظِیْمِ ہو یا اللہ اللہ ہو یا اور دعائیں ہوں۔ لیکن یہ
مقصد اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک ذاکر اپنے کو
مٹا نہ دے، سو طالب خدا اس کے ذکر میں اس طرح منہمک ہو جاوے
کہ اپنے کو اور تمام غیر اللہ کو بھول جاوے۔ جب طالب اس
درجۂ فنا کو ذکر میں منہمک ہو کر پہنچ جائے گا تو اخلاقِ حسنہ یعنی
زہد، توکل، خلوت، قناعت، صبر وحلم، رضا وتفویض انشاء اللہ
تعالیٰ خود بخود حاصل ہو جائیں گے اور اس پر انوارِ الٰہیہ کی اس قدر
تجلیاں ہوں گی کہ اس کے حواس خمسہ مغلوب ومستور ہو جائیں گے

اور ذکر و ذاکر دونوں فنا ہو جائیں گے اور صرف مذکور یعنی اللہ رہ جائے گا۔ بس مصداق ہوگا۔ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ کا کہ اللہ نے گواہی دی کہ سوائے اس کے کوئی معبود نہیں وہی ہے وہی۔ اس ذکر کی تلقین و تعلیم شیخ کرتا ہے اور ذکر کے لئے افضل ذکر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه ہے جیسا کہ حدیث شریف میں فرمایا ہے۔ اَفْضَلُ الذِّکْرِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہ سب ذکروں میں لا الٰہ افضل ہے اسی واسطے اکثر مشائخ بھی اسی ذکر کی تعلیم فرماتے ہیں جس کے مختلف طریق ہیں جن کا بیان تفصیلی سابق میں آچکا ہے اور اس کے ساتھ بوقت تعلیم و تلقین توجہ کے مختلف طریق ہیں، آسان طریق لکھا جاتا ہے۔

توجہ کا آسان طریقہ

مُرید کو باوضو دو زانو مؤدب بٹھائے اور پہلے اس کی طرف توجہ کرے تاکہ اس کا ذہن باآسانی اذکار و اشغال کو قبول کر سکے وہ اس طرح کہ مُرشد پہلے خود تمام خیالات سے خالی ہو جائے پھر اپنے دل کو اس کے دل کے مقابل کرے اور اللہ تعالیٰ کے اسم ذات اللہ کی ضرب لگائے۔ اور یہ خیال کرے کہ اس ذکر کی کیفیت میرے واسطے سے اس کو حاصل ہو رہی ہے اور یہ ذکر اس کے دل میں سرایت

کر رہا ہے اور یہ ضربیں ایک سوا ایک بار ہوں تاکہ شوق اور ذکر کی حرارت اس کے قلب پر اثر کرے اور اس کا قلب ذاکر ہو جائے اور قلب ذکر سے حرکت کرنے لگے تو اس طرف کچھ التفات نہ کرے حتیٰ کہ کثرتِ ذکر سے بلا اختیار جسم کا کوئی حصہ، کوئی عضو ہاتھ، پاؤں سر حرکت کرنے لگتے ہیں۔ بعض دفعہ ذکر کا نور تمام جسم کو گھیر لیتا ہے مختلف قسم کے انکشافات ہوتے ہیں اور عجیب قسم کے واقعات ظاہر ہوتے ہیں۔ کبھی روتا ہے کبھی ہنستا ہے کبھی متحیر عالم حیرت میں ہوتا ہے لیکن سالک کو چاہیے کہ کسی طرف بھی متوجہ نہ ہو بس ذکر و فکر میں بمحاسبہ و مجاہدہ مشغول رہے یہ سب جو کچھ ظہور میں آتا ہے صورتیں ہوں یا صوتیں ہوں انوار ہوں یا واقعات، ظلمات ہوں یا انکشافات وغیرہ سب مخلوق ہیں اور سالک کا وظیفہ خالقِ برتر اور ہمہ تن توجہ ذات بحت پر ہے اس کو نظر بر خلق کیسی۔ بس سیر کرتا ہوا بلا التفات چلتا چلا جائے یہاں تک کہ واصل بحق، سرمستِ ذاتِ خاص ہو جائے اور فنائے تام ہو جائے کہ تمام خواہشاتِ نفسانی فنا ہو کر بس مرضیاتِ حق کا تابع ہو جاوے۔ فنائے نفس کے یہی معنیٰ ہیں کہ خواہشاتِ نفسانی تابع مرضیاتِ الٰہی ہو جائیں تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ کا مصداق ہو جائے صِبْغَةَ اللّٰهِ اللہ کے رنگ میں رنگ جائے کہ اپنی ہستی کی رنگ و بو نہ رہے۔ بس بِیْ یَسْمَعُ وَبِیْ یُبْصِرُ وَبِیْ یَنْطِقُ وَبِیْ یَبْطِشُ وَبِیْ یَمْشِیْ وَبِیْ یَعْقِلُ کا مظہر ہو جاوے۔ یعنی میرے ہی ذریعہ سے سنتا اور دیکھتا اور بولتا

اور پکڑتا اور چلتا اور ادراک کرتا ہے اور مَا رَأَیْتُ شَیْئًا اِلَّا وَ رَأَیْتُ اللّٰہَ فِیْہِ کا مصداق ہو جاوے کہ میں کوئی چیز نہیں دیکھتا جس میں خدا کا جلوہ دکھائی نہ دے بس یہ حال ہو جاتا ہے کہ ؎

علم حق در علم صوفی گم شود
ایں سخن کے باور مردم شود

یعنی خدا کا علم اس کے علم میں غائب ہو جاتا ہے یعنی دونوں علم مخلوط ہو جاتے ہیں۔ لیکن اس کے کہنے کو ہر شخص یقین نہیں کر سکتا۔

اصطلاحاتِ یازدہ وجب الحفظ

ہر جماعت کی کچھ اصطلاحات ہوتی ہیں جو کہ وہ بعض تفصیلات کا اجمال اور ابہام ہوتی ہیں۔ انہی میں سے نقشبندیہ کی کچھ اصطلاحات ہیں۔ جو کہ وہ دوسرے سلاسل میں بھی مطلوب ہیں جیسا کہ بعد وضاحت معلوم ہو جائے گا۔ وہ اصطلاحات یہ ہیں۔

ہوش در دم، نظر بر قدم، سفر در وطن، خلوت در انجمن، یاد کرد، بازگشت، نگہداشت، یادداشت، وقوف زمانی، وقوف عددی، وقوف قلبی۔

سب گیارہ ہیں۔ ان کو یاد رکھنا چاہیے اور اپنا مطمح نظر جاننا چاہیے ان کو یاد رکھنا بہت آسان ہے۔

ہوش در دم یہ کہ اپنے سے باخبر اور ہوشیار رہے تاکہ غفلت سے سانس نہ آئے یہ تفرقۂ نفسی کو دفع کرتا ہے۔

نظر بر قدم یہ کہ ہر جگہ آمد و رفت میں پاؤں پر نظر رکھے تاکہ نظر پراگندہ اور منتشر نہ ہو جاوے اور جمعیتِ خاطر

حاصل ہو۔ ابتدا میں دل نظر کے تابع ہوتا ہے اور نظر کی پابندی دل پر اثر ڈالتی ہے۔

سفر در وطن یہ کہ سالک انسانی طبیعت میں سفر کرے یعنی صفاتِ ذمیمہ کو اچھے اخلاق میں بدل دے یہی تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ کے معنی ہیں

خلوت در انجمن یہ کہ ظاہر میں خلقت کیساتھ رہے اور باطن میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ یعنی ہر حال میں حق تعالیٰ کے ساتھ مشغول رہے، خدائے تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے

یاد کرد اس سے ذکر لسانی و قلبی مراد ہے کہ خدا کی یاد میں غفلت کو دور کرے۔

بازگشت یہ ہے کہ جتنی بار کلمہ طیبہ زبان سے ادا کرے اتنی بار دل سے دعا کیا کرے کہ بارِ الہا تو اور تیری رضا میرا مقصود ہے اور میں نے تیرے ہی لئے دنیا اور آخرت کو چھوڑ دیا تو مجھے اپنی نعمتوں اور اپنی بارگاہ کی رسائی عنایت فرما۔ ذکر میں اس سے غفلت نہ کرنا چاہیے یہ بہت بڑی شرط ہے۔

نگہداشت مراقبۂ قلب کو کہتے ہیں یعنی دل کو غیر کے خیال سے خالی رکھے کہ ایک سانس میں سو مرتبہ کلمہ طیبہ کہے تو غیر کی طرف متوجہ نہ ہو بلکہ اسماء و صفاتِ باری تعالیٰ سے بھی غافل ہو جاوے اور وحدتِ مطلق اور وراء الوراء کو مدِ نظر رکھے۔

یادداشت یہ کہ ہر حالت میں اور ہر وقت میں خدا کی طرف

متوجہ رہے، بعض حضورِ قلب کو یادداشت کہتے ہیں کہ بحبت ذاتی خدا کا شہود، اس کا وجود دل پر غالب ہو، اسی کو مشاہدہ کہتے ہیں اور یہ مقام کہ پوری توجہ خدا کی طرف ہو پوری فنا اور بقائے کامل کے بغیر حاصل نہیں ہوتا ہے۔

وقوفِ زمانی یہ ہے کہ انسان ہر حالت میں اپنے سے باخبر رہے کہ خدا کی اطاعت کرتا رہے اور اس پر شکر کرے اور کوئی گناہ ہوگیا ہو تو عذر خواہی و توجہ کرے یا پاسِ انفاس کا خیال رکھے کہ حضور میں گذرتا ہے یا غفلت میں اسی طرح بسط و قبض میں شکر اور استغفار میں رہے اسی کو محاسبہ کہتے ہیں۔

وقوفِ عددی یہ ہے کہ نفی و اثبات میں طاق عدد کا خیال رکھے۔ ذکرِ قلبی میں عدد کی رعایت کرے اس سے پریشانیٔ خاطر دفع ہوتی ہے۔

وقوفِ قلبی ذکر کرنے والا خدا سے باخبر اور واقف رہے یا خدا کے حضور میں دل کو اس طرح حاضر رکھے کہ غیرِ خدا سے کوئی تعلق نہ رہے۔

انتباہ محققین نے فرمایا ہے کہ اگر طالب میں ذکر قلبی قرار نہ کرے اور اثر نہ کرے تو اسے ذکر سے روک کر وقوفِ قلبی کا مرشد امر فرماوے تاکہ ذکر جلد اثر کرے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معمولاتِ سالک

(جو اس طریق میں بے حد مفید ہیں)

تہجد: چار، آٹھ، بارہ رکعت حسب گنجائش وقت آخر شب میں بہ مجبوری وقت عشاء کم از کم چار رکعت۔

دوازدہ تسبیح: خواہ تہجد کے وقت یا بعد عشاء نماز فجر یعنی دو تسبیح لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی اس کو نفی اثبات بھی کہتے ہیں۔ چار تسبیح اِلَّا اللّٰہ کی، چھ تسبیح اَللّٰہُ اَللّٰہُ کی، ایک تسبیح اَللّٰہُ اللّٰہْ کی۔

فجر کی سنت اور فرض کے درمیان اکتالیس بار سورۂ فاتحہ مع بسم اللہ ہر بار۔

بعد نماز فجر: سورۂ یٰسین شریف، بقدر فرصت تلاوت قرآن پاک، کم از کم پاؤ پارہ اور جن کو جتنی سورتیں یاد ہوں انہیں کو پڑھ لیا کریں، اور ایک منزل مناجاتِ مقبول مع حزب البحر یا جس

وقت فرصت ہو اور یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ اَسْئَلُکَ
اَنْ تُحْیِیَ قَلْبِیْ بِنُوْرِ مَعْرِفَتِکَ اَبَدًا یَا اَللّٰہُ۔ اکتالیس بار قبل از
ذکر تین بار کم از کم۔

اشراق :- دو یا چار رکعت۔

چاشت :- اشراق کے بعد ہی یا کچھ دیر ٹھہر کر دو یا چار یا چھ رکعت۔

بعد ظہر :- سورۂ اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ اور بقدر فرصت اسم ذات یا پانچ
تسبیح اَللّٰہُ اَللّٰہُ۔

بعد عصر :- سورہ عَمَّ یَتَسَآءَلُوْنَ آیۃ کریمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ
سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۞ ایک تسبیح۔

بعد مغرب :- اوّابین چار یا چھ رکعت اور بقدر فرصت اسم ذات،
سورۂ واقعہ۔

بعد عشاء :- سورۂ مُلْک، سورۂ الٓمّٓ السَّجْدَۃ، استغفار اس طرح
سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ ۞ اَسْتَغْفِرُ
اللّٰہَ الْعَظِیْمَ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ
اِلَیْہِ۔ ایک تسبیح یا ستر بار اگر نیند کا غلبہ ہو یا تکان ہو
تو اکیس بار۔

محاسبہ یعنی اعمال کا سوچنا :- یعنی رات کو سوتے وقت اپنے اعمال
کو سوچ کر طاعات پر شکر کرنا معصیت پر نادم ہونا اور نفس کو معصیت
پر حق تعالیٰ کی ملامت اور عذاب کو سنانا اور عہد کرنا کہ آئندہ گناہ

کے پاس نہ جاؤں گا اور دن میں اس عہد کا خیال رکھنا لیٹے، بیٹھے، چلتے پھرتے کلمہ شریف کا ورد اس طرح کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا ورد رہے، سانس ٹوٹنے پر مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ ملا لیا کریں۔

ہر نماز کے بعد آیۃ الکرسی اور تسبیح فاطمہ ۳۳ بار سُبْحَانَ اللّٰهِ ۳۳ بار اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، ۳۴ بار اَللّٰهُ اَكْبَرُ یا ظہر، مغرب، عشاء میں بشرط فرصت تیسرا کلمہ یعنی سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ کی ایک تسبیح اور فجر اور عصر میں تسبیح فاطمہ۔

ان کلماتِ طیبات کا معمول مقرر کر لینا

يَا اَللّٰهُ	يَا رَحْمٰنُ	يَا عَزِيْزُ	يَا لَطِيْفُ	يَا رَحِيْمُ
يَا حَفِيْظُ	يَا كَرِيْمُ	يَا رَقِيْبُ	يَا وَكِيْلُ	يَا قَوِيُّ
يَا وَلِيُّ	يَا فَتَّاحُ	يَا وَهَّابُ	يَا رَزَّاقُ	يَا بَاسِطُ
يَا مُعِزُّ	يَا وَاسِعُ	يَا مُقِيْتُ	يَا وَدُوْدُ	يَا غَفُوْرُ
يَا تَوَّابُ	يَا رَؤُوْفُ	يَا حَيُّ	يَا مُمِيْتُ	يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ

بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ بِحُرْمَةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ

اگر فرصت ہو تو بجائے متفرق وقتوں کے اسم ذات کرنے کے لئے ایک دو وقتوں میں چھ ہزار یا بارہ ہزار اسم ذات کر لیا جائے تو یہ زیادہ اور جلد نافع ہے۔

شغل پاس انفاس حضور و زیادتی شوق اور ملکۂ یادداشت کے لئے پاس انفاس بہترین اور تمام اشغال میں آسان شغل ہے جس کا طریق یہ ہے کہ جس طرح آدمی بے تکلف سانس لیتا ہے۔ اس کو تھوڑا سا آمدورفت میں زور دے یعنی کھینچے، اور بقوت چھوڑ دے اندر کے سانس میں اَللّٰہ اور باہر کے سانس میں ھُو کا تصور کرے۔ اوّل اوّل خلوت میں اس عمل کو اتنا کرے کہ گرمی آجاوے اور آواز پیدا ہو جاوے۔ پھر اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے ہر حال میں اس کا تصور جمائے رکھے، اوّل دھیان کی ضرورت ہے پھر بے دھیان جاری ہو جاتا ہے (جو صاحبان کمزور ہوں ان کو یہ شغل طبعی سانس کے آمدورفت میں ہی کافی و نافع ہوگا۔ (انشاء اللہ تعالیٰ)

نفل روزے بقدر ہمت رکھے، مثلاً ایام بیض ہر ماہ ۱۳، ۱۴، ۱۵، بالخصوص

نوٹ:۔ مریدین اپنے شیخ کی تجویز کے موافق معمولات پر التزام فرمائیں اور ان میں سے جس چیز کو معمول بنانا چاہیں شیخ سے استفسار کرلیں اور جو مرید نہیں ہیں وہ ان میں سے جس کو چاہیں اور جس قدر چاہیں اپنی فرصت اور قوت کے موافق معمول بنائیں مگر ذکر بہ آواز سے کریں نہ قلب کے جھٹکے سے اور شغل پاس انفاس بھی نہ کریں۔

ششش عید کے چھ روزے ذی الحجہ کے ۹ نو روزے یا صرف ایک روزہ عرفہ کا محرم کے دو روزے۔ نویں۔ دسویں یا دسویں، گیارہویں شعبان کی پندرہویں تاریخ کا۔

اسمائے کتب برائے مطالعہ طالبین

طریق مطالعہ ہر کتاب کو تین مرتبہ دیکھا جائے اور اپنے حال کو اس پر جانچتے رہیں اور بدون مطالعہ اور بعد مطالعہ جو کچھ اپنے حالات ہوں نہایت صدق و خلوص کے ساتھ اپنے شیخ کی خدمت میں اطلاع کا اہتمام رکھیں اور اس کی تعلیم پر التزام رکھیں کیوں کہ مرید کی جانب سے یہ عہد ہوتا ہے کہ وہ شیخ سے کوئی خطرہ قلبی یا حالِ باطنی پوشیدہ نہ رکھے گا اور اس کی تعلیم پر بلا چون و چرا بلا شک و شبہ با اعتماد کامل و اعتقادِ جازم عمل کرے گا۔

کتابیں یہ ہیں۔

قصد السبیل، آداب الشیخ والمرید، اصول الوصول، حقوق الاسلام فروع الایمان، صفائی معاملات، حیوٰۃ المسلمین، آداب المعاشرت شوق وطن، جزاء الاعمال، تبلیغ دین، تعلیم الدین، بہشتی زیور مع بہشتی گوہر ملفوظات و مواعظ حضرت رحمۃ اللہ علیہ، نشر الطیب، زاد السعید،

اصلاح انسان، اور شریعت و تصوف، تعلیمات اسلام،

تنبیہ تبلیغ دین کے طعام کے باب میں اس کے مطابق عمل نہ کیا جائے۔

خاص ذکر و شغل کرنے والوں کو نصیحت

ہر بات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر چلنے کا اہتمام کرو۔ اس سے دل میں بڑا نور پیدا ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص کوئی بات تمہاری مرضی کے خلاف کرے تو صبر کرو، جلدی سے کچھ کہنے سننے مت لگو، خاص کر غصے کی حالت میں بہت سنبھلا کرو، کبھی اپنے کو صاحب کمال مت سمجھو، جو بات زبان سے کہنا چاہو پہلے سوچ لیا کرو، جب خوب اطمینان ہو جاوے کہ اس میں کوئی خرابی نہیں اور یہ بھی معلوم ہو جاوے کہ اس میں دین یا دنیا کی ضرورت یا فائدہ ہے اس وقت زبان سے نکالو، کسی بڑے آدمی کی بھی بُرائی مت کرو، نہ سنو، کسی ایسے درویش پر جس پر کوئی حال درویشی کا غالب ہو اور کوئی بات تمہارے خیال میں دین کے خلاف کرتا ہو اس پر طعن مت کرو، کسی مسلمان

کو گو وہ گنہگار یا چھوٹے درجے کا ہو حقیر مت سمجھو، مال و عزت کی طمع و حرص مت کرو، تعویذ، گنڈوں کا شغل مت رکھو اس سے عام لوگ گھیر لیتے ہیں۔ جہاں تک ہو سکے ذکر کرنے والوں کے ساتھ رہو اس سے دل میں نور، ہمت و شوق بڑھتا ہے۔ دنیا کا کام بہت مت بڑھاؤ، بے ضرورت اور بے فائدہ لوگوں سے زیادہ مت ملو اور جب ملنا ہو تو خوش خلقی سے ملو اور جب کام ہو جاوے تو ان سے الگ ہو جاؤ، خاص کر جان پہچان والوں سے بہت بچو، یا تو اللہ والوں کی صحبت ڈھونڈو یا ایسے معمولی لوگوں سے ملو جن سے جان پہچان نہ ہو۔ ایسے لوگوں سے نقصان کم ہوتا ہے۔ اگر تمہارے دل میں کوئی کیفیت پیدا ہو یا کوئی علم عجیب آوے تو اپنے پیر کو اطلاع کرو۔ پیر سے کسی خاص شغل کی درخواست مت کرو۔ ذکر میں جو اثر پیدا ہو سوائے اپنے پیر کے کسی سے مت کہو۔ بات کو نباہا مت کرو بلکہ جب تم کو اپنی غلطی معلوم ہو جاوے فوراً اقرار کر لو، ہر حالت میں اللہ پر بھروسہ رکھو اور اسی سے اپنی حاجت عرض کیا کرو اور دین پر قائم رہنے کی درخواست کرو۔

سالک کے لئے

ضروری نصائح

نصیحت نمبر ۱

پہلا قدم مرید کا اس طریق میں صدق (یعنی خلوص) ہونا چاہیے تاکہ اصل صحیح پر مبنی ہو کر بناء صحیح قائم ہو، اس لئے مشائخ نے فرمایا ہے کہ لوگ اضاعت اصول کے سبب (دولت) وصول سے محروم رہتے ہیں۔ پس ابتداءً تصحیح اعتقاد فِيمَا بَيْنَ اللّٰهِ وَ بَيْنَهٗ یعنی اس کے اور اس کے خدا کے درمیان سے ہونی واجب ہے (یعنی ایسے اعتقاد سے) جو پاک ہو، ظن اور شبہ سے اور خالی ہو گمراہی سے بدعات سے اور ثابت ہو براہین اور دلائل قطعیہ سے۔

نصیحت نمبر ۲

اور جب مرید اپنا اعتقاد اللہ تعالیٰ کے ساتھ مستحکم کرے پھر اس پر واجب ہے کہ (بقدر ضرورت) علم شریعت حاصل کرے

خواہ خود (بذریعہ درس تدریس) تحقیق کرکے خواہ علماء سے پوچھ کر آشنا (علم) کر اپنے فرض کو ادا کر سکے اور اگر فقہاء کے فتوے مختلف ہوں تو احوط کو اختیار کرے اور ہمیشہ اختلاف سے بچنے کا قصد کرے۔

نصیحت نمبر ۳

اس کے بعد مرید کو لازم ہے کہ کسی شیخ سے ادب حاصل کرے (یعنی تہذیب اخلاق کراوے) کیوں کہ اگر اس کا کوئی استاد نہ ہوگا تو وہ کبھی فلاح نہ پائے گا۔

نصیحت نمبر ۴

پھر جب سلوک کا ارادہ کرے تو ان تمام امور مذکورہ کے بعد اس پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ سبحانہٗ کی جناب میں اپنے تمام گناہوں سے توبہ کرے اور ظاہری و باطنی صغیرہ و کبیرہ سب گناہوں کو چھوڑ دے اور سب سے اوّل اہلِ حقوق کو راضی کرنے کی کوشش کرے جو (سالک) اہلِ حقوق کو راضی نہ کرے گا اس پر یہ طریق کچھ بھی نہ کھلے گا اور سالکین کا یہی طریقہ ہے۔

نصیحت نمبر ۵

پھر اس کے بعد تعلقات و مشاغل کے حذف کرنے میں سعی کرے کیوں کہ اس طریق کی بنا (فراغ قلب) پر ہے اور جب علائق سے نکلنے کا ارادہ کرے تو ابتداء خروج عن المال سے کرے کیوں کہ

مال ہی ایسی چیز ہے کہ وہ حق سے پھیر کر اپنی طرف مائل کر لیتا ہے، اور کوئی مُرید ایسا نہیں پایا گیا جو اس طریق میں دنیا کا تعلق لے کر داخل ہوا ہو اور اس کو اس تعلق نے جلد ہی پھر اس چیز کی طرف نہ کھینچ لیا ہو۔ جس سے وہ نکلا تھا۔

ف مُراد مال کا وہ درجہ ہے جو حدودِ شرعیّہ سے خارج ہو، یا ضرورت سے زائد اس میں انہماک ہو۔

نصیحت نمبر ۶

پھر جب مال کے تعلق سے خارج ہو لے تو واجب ہے کہ جاہ سے بھی خارج ہو کیوں کہ جاہ کو مدّنظر رکھنا بھی بڑا سدِّ راہ ہے اور جب تک مُرید کے نزدیک خلق کا قبول اور رَدّ برابر نہ ہو جائے اس سے کچھ ظہور پذیر نہیں ہو سکتا، بلکہ سب سے زیادہ مُضر چیز اس کے لئے لوگوں کا اس کو وقعت کی نگاہ سے دیکھنا اور بابرکت سمجھنا ہے جس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ عام لوگ اس قدر سے ستّرا ہیں حالانکہ ابھی تک اس نے اپنی ارادت بھی صحیح نہیں کی پھر اس کو بابرکت سمجھنا کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے۔ لہٰذا جاہ سے نکلنا مُریدین پر واجب ہے کیوں کہ یہ اُن کے لئے سمِّ قاتل ہے۔

نصیحت نمبر ۷

پھر جب مال اور جاہ سے نکل چکے تو اس پر واجب ہے کہ اللہ تعالےٰ سے یہ عہد و ثوق کے ساتھ کرے کہ اپنے شیخ کے کسی

مشورہ کی مخالفت نہ کرے گا کیوں کہ مرید کا اپنے شیخ کے ساتھ خلاف کرنا ابتداءِ امر میں نہایت درجہ ضرر رساں ہے کیوں کہ جو حال ابتداء میں ہوتا ہے وہی آئینہ ہوتا ہے ۔ اس کی ساری عمر کی حالت کا اور اس عہد کی شرطوں میں سے یہ بھی ہے کہ اپنے شیخ پر قلب سے بھی اعتراض نہ کرے ۔

ف : ابتداء کی قید سے یہ شبہ نہ ہو کہ انتہا میں خلاف جائز ہو بلکہ وجہ اس قید کی یہ ہے کہ انتہا میں تو بوجہ بصیرت کے خلاف کا احتمال ہی نہیں ، ابتداء ہی میں اس کا احتمال ہوتا ہے ۔ اس لئے اس کا انسداد کیا گیا ۔

نصیحت نمبر ۸

پھر اس پر واجب ہے کہ اپنے راز کو چھپا وے یہاں تک کہ اپنی گھنڈی پر بھی ظاہر نہ ہونے دے (یعنی اپنے خاص دوست سے بھی جس کو خاص قرب ہو ظاہر نہ کرے) مگر اپنے شیخ سے پوشیدہ نہ کرے اور اگر کسی نے اپنے ایک سانس کو بھی اپنے شیخ سے پوشیدہ کیا تو بلاشبہ اس نے شیخ کے حقِ صحبت میں خیانت کی اور اگر شیخ کی مخالفت اس کے کسی مشورہ میں واقع ہو گئی (اور اس پر متنبہ ہو گیا خواہ خود یا شیخ کی تنبیہ سے) تو لازم ہے کہ فوراً اس کے سامنے اس امر کا اقرار کرے پھر جو سزا بھی اس کی مخالفت اور قصور پر وہ تجویز کرے اس کو خوشی کے ساتھ تسلیم کرے ۔ خواہ وہ کسی سفر

کی تکلیف کا حکم دے یا جو مناسب سمجھے اور شیوخ کے لئے روا نہیں ہے کہ مریدین کی زلّات سے درگذر کریں، اس لئے کہ یہ اللہ کے حقوق کو ضائع کرنا ہے۔

ف: (درگذر سے مراد تنبیہ نہ کرنا ہے) باقی بعد تنبیہ کے اگر سزا معاف کر دیں جب بدون سزا کے اصلاح کی کامل اُمید ہو اس کا مضائقہ نہیں)

نصیحت نمبر ۹

اور جب تک مُرید ہر علائق سے مجرّد نہ ہو جائے اس کے شیخ کے لئے جائز نہیں ہے کہ اذکار میں سے کچھ بھی اس کو تلقین کرے بلکہ واجب ہے کہ پہلے اس کی آزمائش کر لے، پھر جب اس کا قلب مُرید کے عزم کی پختگی کی شہادت دے تو اس وقت اس پر یہ شرط لگا دے کہ جو گوناگوں تقلبات قضاو قدر کے اس طریق میں اس کو پیش آویں گے اس پر راضی رہے گا اور اس سے عہد کرے کہ وہ اس طریق سے منہ نہ موڑے گا۔ خواہ اس کو کچھ بھی پیش آئے ضرر، ذلت، فقر، امراض و آلام اور قلب سے سہولت کی جانب مائل نہ ہو گا اور فاقوں کے ہجوم اور ضرورت کے وقت رخصت کو تلاش نہ کرے گا اور تن آسانی کو اختیار نہ کرے گا، اور کسل کو اپنا شعار نہ بناوے گا رخصت اور سہولت وہ مذموم ہے جو کسل کے سبب یا اپنی رائے سے ہو اور جو شرعی مصلحت سے ہو

اور شیخ کی رائے سے ہو، وہ مذموم نہیں۔

نصیحت نمبر۱

اور جو ابتداء میں مرید فقراء اور اصحاب طریق کے مجمع میں بیٹھے تو یہ اس کے لئے سخت مُضر ہے اور کسی کو ایسا ابتلاء پیش آجائے تو اس کو یہ طریق اختیار کرنا چاہیے کہ شیوخ کا احترام کرے اور اصحاب کی خدمت کرے اور ان کی مخالفت کو ترک کرے اور ایسا کام کرے جسمیں فقراء کی راحت ہو اور یہ کوشش کرے کہ کسی شیخ کا قلب اس سے متوحش نہ ہو اور واجب ہے کہ فقراء کی صحبت میں فقراء ہی کو اپنے نفس کے مقابلے میں صاحب حق قرار دے اور ان میں سے ہر ایک کا حق اپنے ذمے واجب سمجھے اور ان میں سے کسی کے ذمے اپنا کوئی حق واجب نہ سمجھے۔ اور واجب ہے کہ مرید کسی کی مخالفت نہ کرے اور اگر یہ معلوم ہو جائے کہ حق اس کے (یعنی میرے) ساتھ ہے تو ساکت ہو جائے اور ہر ایک کے ساتھ اپنی موافقت ظاہر کرے (یہ مطلب نہیں کہ باطل میں دوسرے کے ساتھ ہو جائے بلکہ یہ مطلب ہے کہ اظہار حق کے بعد خصوصت کی صورت اختیار نہ کرے کہ اس میں اضاعت وقت اور تکدر قلب ہے، اور دوسرے امور معاشرت میں اس اختلاف سے اثر نہ لے) اور ہر وہ مرید جس میں (اعتدال سے زیادہ) ہنسنے اور ہٹ دھرمی کرنے اور جھگڑنے کی عادت ہو اس

سے (اس طریق میں) کچھ نہ ہو سکے گا۔

نصیحت نمبر ۱۱

اور مرید کے آداب میں سے ظاہری کثرتِ اوراد نہیں ہے بلکہ یہ جماعت تو اپنے کو خطرات سے خالی کرنے میں اور اپنے اخلاق کا معالجہ کرنے میں اور اپنے قلوب سے غفلت دور کرنے میں مشغول ہے نہ کہ تکثیرِ اعمالِ خیر میں۔ اور جو چیز اُن کے لئے لابدی ہے، وہ فرائض اور سُننِ مؤکدہ کی پابندی ہے۔ باقی زائد اعمال جیسے نفل نمازوں کی کثرت، سو اس کی نسبت ذکرِ قلبی کا دوام اُن کے لئے اکمل حالت ہے

نصیحت نمبر ۱۲

اور جب مُرید دوامِ ذکر کا التزام کرے اور خلوت کو (جلوت) پر ترجیح دینے لگے تو اگر اپنی خلوت میں بحالتِ نوم یا بحالتِ یقظہ یا بین النوم والیقظہ ایسے امور پائے جو اس کے قبل نہ پاتا تھا (مثلاً) بطورِ خرقِ عادت خطاب سُنے یا (بطورِ خرقِ عادت) کسی حقیقتِ معنویہ کا مشاہدہ کرے تو چاہیے کہ اس کی طرف التفات بالکل نہ کرے اور نہ اس پر کچھ اطمینان کرے اور نہ اس کے مثل دوسرے حالات کے اصول کا منتظر رہے۔ کیوں کہ یہ سب حق تعالیٰ سُبحانہٗ سے (توجہ کی) پھیرنے والی چیزیں ہیں، البتہ شیخ سے ان سب باتوں کا بیان کرنا ضروری ہے تاکہ (بیان کرکے) اس کا قلب (ان) امور سے فارغ ہو جائے، اور شیخ پر واجب ہے کہ اس کے راز کی

حفاظت کرے اور دوسرے شخص سے اس کی بات کو پوشیدہ رکھے اور اس کی نظر میں ان باتوں کی تصغیر کرے (یعنی کم درجہ ہونا ظاہر کرے) کیوں کہ یہ تمام امور امتحانات ہیں اور ان پر اطمینان کرنا دھوکہ میں پڑنا ہے۔ پس مرید کو ایسے امور اور ان کی جانب التفات کرنے سے ڈرانا چاہیے اور اس کی ہمت کو اس سے بالاتر مقام پر پہنچانا چاہیے۔

نصیحت نمبر ۱۳

اور احکام مرید میں سے یہ بھی ہے کہ جب وہ اپنے جائے قیام پر کوئی (شیخ) مربی نہ پائے تو اس کو ایسے شخص کی طرف ہجرت کرنا چاہیے جو اس کے زمانے میں ارشاد مریدین کے منصب پر (من جانب اللہ) مامور ہو، اور اس کے پاس جاکر قیام کرے اور اس کی چوکھٹ سے تا وقتِ اجازت جدا نہ ہو۔

نصیحت نمبر ۱۴

اور مرید کو یہ نہیں چاہیے کہ مشائخ کے معصوم ہونے کا اعتقاد رکھے بلکہ یہ واجب ہے کہ اُن کو اُن کے احوال پر چھوڑ کر اُن کے ساتھ حسنِ ظن رکھے (یعنی اگر اَحیاناً ان کا کوئی قول یا فعل حدود سے خارج معلوم ہو تو اتنی ہی بات پر اُن سے تعلق قطع نہ کرے۔ بشرطیکہ ایسے امور کی کثرت نہ ہو اور مرید کو ایسے امور کا حکم نہ دے ورنہ شائستگی کے ساتھ اُن سے جُدا ہو جائے)

نصیحت نمبر ۱۵

اور اس طریق کی دشوار ترین آفات میں سے امارد کی صحبت ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ نے اس میں کچھ بھی مبتلا کیا تو تمام شیوخ کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ ایسا شخص ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے اہانت کی اور اس کو رسوا کیا۔

نصیحت نمبر ۱۶

اور مُرید کے آفات میں سے یہ بھی ہے کہ اس کے نفس میں اخوانِ طریقت پر حسد خفی داخل ہو اور اگر اللہ عزّ وجلّ نے اُس کے ہم مشربوں میں سے کسی کو اس طریق میں کوئی خاص امتیاز عطا فرمایا ہو اور خود اُس سے محروم ہو تو اس امر سے اس کو متاثر ہونا اور (ایسی حالت میں اس شخص کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ امور سب مقسوم ہو چکے ہیں۔)

نصیحت نمبر ۱۷

اور مریدین کے آداب میں سے یہ ہے کہ صدارت کے درپے نہ ہوں اور نہ اس بات کے کہ ان کا کوئی شاگرد اور مرید ہو کیوں کہ مُرید جب بشریت کے فنا ہونے کے قبل اور آفات مُرید کے زائل ہونے سے پیشتر مراد ہو جائے تو وہ حقیقت سے محجوب ہے اس کا مشورہ اور تعلیم کسی کو نافع نہ ہو گا۔

نصیحت نمبر ۱۸

اور اس طریق کی بنا ، اور مدار آداب شریعت کی حفاظت پر ہے اور ہاتھ کو حرام و مشتبہ کی طرف بڑھنے سے محفوظ رکھنے پر اور حواس کو ممنوعات (شرعیہ) سے بچانے پر اور انفاس کو غفلتوں سے ہٹا کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستہ کرنے پر اور اس پر کہ ایک دانہ (ادنیٰ) تل کو جس میں شبہ ہو ضرورتوں کے وقت بھی حلال نہ سمجھے ، اور عدم اضطرار اور راحتوں کے وقت تو ذکر ہی کیا ہے اور مرید کی شان سے یہ ہے کہ ترک شہوات میں مجاہدۂ دائمی کرے ، کیوں کہ جس شخص نے اپنی شہوت کی موافقت کی ، اپنی صفوت (برگزیدگی) کو معدوم کیا اور سب سے بدتر خصلت مرید کی یہ ہے کہ جس شہوت کو اللہ تعالیٰ کے واسطے چھوڑ چکا ہو ، پھر اس کی طرف رجوع ہو جائے ۔

نصیحت نمبر ۱۹

اور مرید کی شان سے بلکہ اس مسلک کے جتنے سالک ہیں سب کا طریقہ یہ ہے کہ عورتوں کی نرمی (اور ملاطفت کو) قبول نہ کریں ، جب اس نرمی کا قبول کرنا بھی منع ہے تو اس کی تحصیل کے اسباب اختیار کرنے کا تو ذکر ہی کیا ہے اور شیوخ کا یہی مسلک رہا ہے اور اسی کے موافق ان کے احکام جاری ہوتے ہیں اور جو اس کو ایک چھوٹی بات سمجھا ۔ اس کو عنقریب ایسے امور کا سامنا ہوگا جس سے وہ رسوا ہو جائے گا ۔

نصیحت نمبر ۲۰

اور مُریدین کی شان سے یہ بھی ہے کہ طالبانِ دُنیا سے دُوری اختیار کریں۔ کیوں کہ اُن کی صحبت وُہ زہر ہے جس کا تجربہ ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ آپ اس شخص کا اتباع نہ کیجئے جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور اہلِ زہد اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کیلئے کھیتلی سے مال خرچ کرتے ہیں۔ اور اہلِ صفا اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل کرنے کے لئے قلب سے مخلوق کو (عموماً) اور شناساؤں کو (خصوصاً) خارج کرتے ہیں۔

دیگر نصائح

نصیحت نمبر ا

عبادت کر کے عزور کرنے والے سے گناہ گار توبہ کرنے والا بہتر ہے۔

نصیحت نمبر ۲

خدا تعالیٰ سے دل لگ جانے کی پہچان یہ ہے کہ دنیا کی کسی چیز سے دل بستگی اور دلچسپی نہ ہو۔

نصیحت نمبر ۳

موت کو تکیے کے نیچے رکھ کر سوؤ اور جب اٹھو زندگی کی امید زیادہ مت رکھو۔

نصیحت نمبر ۴

گناہ کو چھوٹا نہ سمجھو، بلکہ گناہ کو بڑا جانو، جس نے گناہ کو چھوٹا سمجھا گویا اس نے خدا تعالیٰ کو چھوٹا سمجھا۔

نصیحت نمبر ۵

نفس کی ہر وقت نگہبانی رکھو۔

نصیحت نمبر ۶

گناہ سے بچنا عبادت سے زیادہ اہم ہے۔

نصیحت نمبر ۷

حلال روزی تھوڑی، حرام روزی کثیر سے ہر طرح بہتر ہے، عزت قناعت میں ہے، راحت زُہد میں ہے۔

نصیحت نمبر ۸

صبر قوی یہ ہے کہ اپنے جیتے پر راضی ہو۔

نصیحت نمبر ۹

مردانگی کی بات یہ ہے کہ علم دین سیکھے اور عمل کامل کرے جس کے ساتھ اخلاص ہو اور قناعت پوری اور صبر جمیل۔

نصیحت نمبر ۱۰

جو آدمی خدا کا حکم اپنی مراد کے مقابلے میں ترک کرے اس سے بھیڑ اچھی ہے کہ چرواہے کی آواز اس کو چرنے سے باز رکھتی ہے۔

نصیحت نمبر ۱۱

نیک کام سے بہتر نیک کی صحبت بدکام سے بدتر بد کی صحبت

نصیحت نمبر ۱۲

معرفت کی بات یہ ہے کہ اپنے اندر ذرہ برابر عُجب و غرور نہ پائے۔

نصیحت نمبر ۱۳

جو نظر نصیحت و عبرت لینے کے خیال سے نہ ہو وہ سراسر غفلت اور باعثِ ذلت ہے، آزادی خواہشِ نفسانی کو پاؤں کے نیچے رکھنے سے حاصل ہوتی ہے۔ حسد ترک کر دینے سے محبت الہیٰ حاصل ہوتی ہے۔

نصیحت نمبر ۱۴

جب بات کہو حق کہو، خواہ غصے میں ہو یا خوشی میں

نصیحت نمبر ۱۵

موت کے وقت تین قسم کے آدمی حسرت سے جُدا ہوتے ہیں ایک وہ جو مال جمع کرتے کرتے آسودہ نہ ہوا تھا، دوسرے وہ کہ وہ چیز حاصل نہ کی کہ جس کا وہ آرزومند تھا، تیسرے وہ کہ جس نے آخرت کا سامان تیار نہ کیا تھا۔

نصیحت نمبر ۱۶

ایسے مُصاحب کی صحبت سے پرہیز کرو جس سے تمہیں آخرت کا فائدہ نہ ہو، اہلِ زمانہ دُنیا داروں کی دوستی بازاری فالودہ کے مانند ہے کہ خوش رنگ اور بدمزہ ہوتا ہے۔ حضرت حسنؓ کا ارشاد ہے کہ ہرگز راگ گانا مت سُنو، اگرچہ تم مردوں میں مَردِ انگی کا درجہ رکھتے ہو

نصیحت نمبر ۱۷

جو شخص بہ نسبت خدا کی یاد اور مناجات کے لوگوں کے ساتھ

بات کرنا بہت پسند کرتا ہو اس کا علم تھوڑا، دل اندھا، عمر برباد۔

نصیحت نمبر ۱۸

جو شخص دنیا کو دوست رکھتا ہے، ادنیٰ بات یہ ہے کہ اس کے دل سے حق تعالیٰ اپنی مناجات اور ذکر کی لذت لے لیتے ہیں۔

نصیحت نمبر ۱۹

جو شخص دنیا میں خواہشِ نفس کا طالب ہوتا ہے۔ شیطان اس کی تلاش سے بے فکر ہو جاتا ہے، کیوں کہ وہ شخص خود بے راہ ہے تو کیا ضرور کہ شیطان اس کی تلاش کرے تاکہ اسے بے راہ بنا دے

نصیحت نمبر ۲۰

حضرت شیخ محمد واسعؒ بہت بڑے اولیاء میں سے گذرے ہیں اُن سے ایک شخص نے نصیحت چاہی، آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں ایسی وصیت کرتا ہوں جس کی بدولت تو دنیا کا بادشاہ بن جاوے اور آخرت میں چین پانے والا وہ وصیت یہ ہے کہ تو دنیا میں زہد کو اختیار کر اور کسی شخص کے ساتھ حرص و طمع نہ کر اور تمام مخلوق کو خدا کا محتاج سمجھ، پھر ضروری ہے کہ تو سب سے بے نیاز اور مستغنی ہو جائے گا، اور یہی بادشاہ بننا ہے۔

نصیحت نمبر ۲۱

آدمی پر خرابی چھ چیزوں سے آتی ہے۔

۱۔ آخرت کے کام میں نیت کی کمزوری۔

۲۔ شیطان کے حکموں کی فرماں برداری۔ و کوشش کرنا۔

۳۔ با وجود موت کی نزدیکی کے اُمید کی درازی کا غالب ہونا۔

۴۔ خدا تعالیٰ کی رضا پر مخلوق کی رضامندی کو اختیار کرنا۔

۵۔ خواہش نفسانی کی پیروی کے سبب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ترک کرنا۔

۶۔ گذشتہ بزرگوں کی بھول چوک کو اپنے لئے حجت قرار دینا اور ان کے ہنروں کو دفن کر دینا۔

نصیحت نمبر ۲۲

خدائے تعالیٰ کی محبت کی علامت یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کے محبوب کی پیروی، اخلاق، افعال، احکام اور سنتوں میں کرے۔

نصیحت نمبر ۲۳

یہ دس خصلتیں ایسی ہیں کہ جو دنیا میں آخرت میں کام بنائیں۔ با حق بصدق۔ با خلق بانصاف۔ با نفس بقہر۔ با بزرگان بخدمت با خوردان بشفقت۔ با درویشاں بسخاوت۔ با دوستاں بہ نصیحت با دشمنان بحلم۔ با جاہلاں بخموشی۔ با عالماں بتواضع۔

نصیحت نمبر ۲۴

مخلوق میں رہو اور جُدا رہو۔ ظاہر میں مخلوق کے ساتھ اور دل خالق کے ساتھ تاکہ غفلت نہ ہو جائے کہ جس کے سبب مخلوق کی موافقت اس طرح کر بیٹھو کہ جس میں مخالفت و ناراضی خالق کی ہو جائے۔

نصیحت نمبر ۲۵

حق تعالیٰ کی قربت و محبت کی پہچان یہ ہے کہ جس قدر چیزیں اللہ تعالیٰ کی محبت سے باز رکھنے والی ہوں ان سب کو چھوڑ دے۔

نصیحت نمبر ۲۶

توبہ کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ توبۂ انابت (۲) توبۂ استجابت

توبۂ انابت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے عذاب کے خوف سے گناہوں سے توبہ کرے۔

توبۂ استجابت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی شرم سے توبہ کرے یعنی اس سے شرمندہ ہو کر خدا تعالیٰ بہت بزرگ و برتر ہیں جو عبادات میں کرتا ہوں اُن کی بزرگی کے مقابلے میں ہیچ ہیں۔

نصیحت نمبر ۲۷

ہر عضو کی توبہ ہے، دل کی توبہ یہ ہے کہ حرام کے چھوڑنے کا قصد اور نیت کرنا۔ آنکھ کی توبہ یہ ہے کہ حرام کی ہوئی چیزوں کی طرف نظر اُٹھا کر نہ دیکھنا۔ کان کی توبہ یہ ہے کہ بے ہودہ باتوں کا نہ سُننا، ہاتھ کی توبہ یہ ہے کہ منع کی ہوئی چیزوں کی طرف نہ بڑھانا، پاؤں کی توبہ یہ ہے کہ منع کردہ چیزوں کی طرف نہ چلنا پیٹ کی توبہ یہ ہے کہ حرام چیزوں کا نہ کھانا ان سے دور رہنا شرمگاہ کی توبہ یہ ہے کہ فحش کام زنا و بدکاری سے دُور رہنا۔

نصیحت نمبر ۲۸

کمینہ وہ شخص ہے کہ خدا تعالیٰ کی راہ سے بے خبر ہو اور پھر اس کو دریافت نہ کرے۔

نصیحت نمبر ۲۹

حضرت شیخ بایزید بسطامی قدس سرہٗ العزیز سے لوگوں نے کہا آپ بڑے صاحب کرامت ہیں کہ پانی کی سطح پر چلتے ہیں آپ نے فرمایا کہ یہ کرامت نہیں۔ لکڑی کے ذرا ذرا سے ٹکڑے پانی پر چلتے رہیں، لوگوں نے کہا اچھا یہ تو کرامت ہے کہ آپ ہوا میں اڑتے ہیں آپ نے فرمایا، یہ بھی کچھ کرامت نہیں، ذرا ذرا سے بھنگے ہوا میں اڑتے ہیں۔ لوگوں نے کہا، یہ تو ضرور بڑی کرامت ہے کہ ایک رات میں مکہ معظمہ جاتے رہیں، آپ نے فرمایا یہ بھی کچھ نہیں، کیوں کہ جادوگر ایک رات میں ہندوستان سے کوہ دیانند تک پہنچتے ہیں۔ پھر لوگوں نے کہا اچھا آپ ہی فرمائیں کہ کار مرداں اور کرامت کیا ہے؟ فرمایا کہ کرامت یہ ہے کہ دل سوائے خدائے عز و جل کے کسی میں نہ باندھے۔

نصیحت نمبر ۳۰

اپنے شیخ سے ایسا معاملہ کرو جیسا حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا کہ دین و دنیا میں کچھ مخالفت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نہ ہوئی اور ایسا شیخ چاہیے جیسا کہ حضرت جنیدؒ کا ارشاد ہے کہ خدا تعالیٰ کی کتاب قرآن کریم کو داہنے ہاتھ میں لیوے

اور حضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سنّت کو بائیں ہاتھ میں، اور ان دونوں شمعوں کی روشنی میں چلے تاکہ نہ شبہ کے گڑھے میں گرے اور نہ بدعت کی تاریکی میں پھنسے۔

نصیحت نمبر ۳۱

خدائے تعالیٰ کی نظر میں عزیز ہونے کی علامت یہ ہے کہ بندہ کو اپنا نفس ذلیل و خوار نظر آوے اور خدا تعالیٰ کی نظر میں ناپسندیدہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ بندہ کو اپنا نفس عزیز نظر آوے اور اپنے عیوب پوشیدہ۔

نصائح متفرقہ

دوازدہ کلمات

امیرالمومنین یعسوب الدین امام المشارق والمغارب حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے فرمایا کہ میں نے خدائے تعالیٰ کی کتاب (توریت شریف) سے بارہ کلمات منتخب کئے ہیں، اور ہر روز میں ان میں تین بار غور کرتا ہوں۔

اور وہ کلمات حسب ذیل ہیں۔

نمبر ۱

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے انسان تو ہرگز کسی شیطان اور حاکم سے نہ ڈر جب تک کہ میری بادشاہت باقی ہے۔

نمبر ۲

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے انسان تو کھانے پینے کی فکر نہ کر جب تک میرے خزانے کو تو بھرپور پاتا ہے اور میرا خزانہ ہرگز خالی اور ختم نہ ہوگا۔

نمبر ۳

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے انسان جب تو کسی امر میں عاجز ہو جائے تو مجھے پکار تو البتہ مجھے پائے گا اس لئے کہ تمام چیزوں کا دینے والا اور نیکیوں کا دینے والا میں ہوں۔

نمبر ۴

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے انسان تحقیق کہ میں تجھ کو دوست رکھتا ہوں، پس تو بھی میرا ہی ہو جا اور مجھ ہی کو دوست رکھ۔

نمبر ۵

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے انسان تو مجھ سے بے خوف نہ ہو جب تک کہ تو پل صراط سے نہ گذر جائے۔

نمبر ۶

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے انسان میں نے تجھ کو خاک، نطفہ، علقہ اور مضغہ سے پیدا کیا اور کمال قدرت پیدا کرنے میں عاجز نہیں ہوا۔ تو پھر روزی دینے میں کسطرح عاجز ہوں، پس تو دوسرے سے کیوں مانگتا ہے؟

نمبر ۷

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے انسان میں نے تمام چیزیں تیرے لیئے پیدا کی ہیں اور تجھ کو اپنی عبادت کے لئے لیکن تو اس چیز میں پھنس گیا جو تیرے ہی لئے پیدا کی تھی اور غیر کی وجہ سے مجھ سے

دوری اختیار کرلی۔

نمبر ۸

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے انسان تمام چیزیں اور ہر شخص اپنے لئے کوئی چیز طلب کرتا ہے اور میں تجھ کو تیرے لئے چاہتا ہوں اور تو مجھ سے بھاگتا ہے۔

نمبر ۹

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے انسان تو خواہشاتِ نفسانی کی وجہ سے مجھ سے ناراض ہو جاتا ہے اور کبھی میری وجہ سے اپنے نفس پر ناراض نہیں ہوتا

نمبر ۱۰

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے انسان تجھ پر میری عبادت ضروری ہے اور مجھ پر تجھے روزی دینا مگر تو اپنے فریضے میں کوتاہی کرتا ہے اور میں تجھے روزی دینے میں کبھی کمی نہیں کرتا۔

نمبر ۱۱

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے انسان تو آئندہ کی روزی بھی آج ہی طلب کرتا ہے اور میں تجھ سے آئندہ کی عبادت نہیں چاہتا۔

نمبر ۱۲

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے انسان جو کچھ میں نے تجھ کو دیدیا ہے اگر تو اس پر راضی ہو جائے تو ہمیشہ آرام وراحت میں رہے گا اور اگر تو اس پر راضی نہ ہو تو میں تجھ پر دنیا کی حرص مسلط کردوں گا کہ وہ تجھ کو در بدر پھرانے کتے کی طرح دروازوں پر ذلیل کرائے اور پھر بھی تو شئے مقدر کے علاوہ کچھ نہ پائے گا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ؕ

تتمۂ شریعت و تصوف

محترمان اصحاب سلوک کی خدمت میں باادب گذارش ہے کہ سلوک اپنی ذات میں نہایت لطیف اور نزہت و نزاکت کو لئے ہوئے ہے جس کو میرے مرشد حضرت حکیم الامت مجدد الملۃ مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ العزیز نے فرمایا کہ سلوک نہایت لطیف چیز ہے اور لطیف بھی کیسا؟ روح سے لطیف۔ اور کونسی روح؟ فرمایا فرشتے کی روح۔ اس روح سے بھی لطیف ہے۔ تو ایسی لطیف چیز کے ساتھ کس درجہ حسن سلوک چاہیئے احسن سلوک ہو، اور کیوں نہ ہو کہ اسی کا نام شرع شریف کی اصطلاح میں بلسان جبرئیل علیہ السلام احسان سے تعبیر کیا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مَا الْاِیْمَانُ اور مَا الْاِسْلَامُ سے سوال کرنے پر ایمان و اسلام کی حقیقت و ماہیت ترکیبیہ دریافت ہونے پر ان کے ساتھ حسن سلوک کا سوال کیا کہ مَا الْاِحْسَانُ آپ نے فرمایا اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ کہ آپ نے جو ایمان کی حقیقت سے سوال کیا ہے اور وہ قلبی تصدیقی چیز ہے اور اسلام سے

سوال کیا ہے جو جوارح و اعضاء سے متعلق خارجی عملی چیز ہے ان دونوں عبادتوں کا اس طرح کرنا ہو کہ توجس ذات اللہ کی عبادت کر رہا ہے اس طرح عبادت کر کہ تو اس کو دیکھ رہا ہے۔ اور اگر یہ حال ابھی نہیں ہے جو کہ وہ کَاَنَّکَ تَرَاہُ ہے تو یہ تو ہے کہ وہ تجھ کو دیکھ رہا ہے یعنی تیری یہ عبادتیں گویا مُعَایَنہ اور مُشَاہَدہ کے طریق سے ہوں مُعَایَنہ و مُشَاہَدہ کے کے ساتھ ہوں کہ جس کو سُلوک کی اصطلاح میں فناء کہتے ہیں۔

پس جب یہ مطلوب ہے تو اس کے حصول کے طُرق ضرور ہوں گے اُن طُرق کا اختیار کرنا ضروری ہوگا وہ طُرق اس راہ کے تجربہ کار صاحب علم وحی، صاحب ذوق و وجدان سے تعلیم لیتے ہوں گے یخلوص وصدق و بقناؤ اپنی رائے، اپنا علم، اپنا تجربہ، اپنا ذوق، اپنا شوق، یعنی اپنے سب جذبات خیالات، فنا کرنا ہوں گے۔ پس جب سالک کو بخلوص وصدق سُلوک یعنی خدا کی راہ پر چلنے اس کے صراطِ مستقیم پر گامزن ہونے کی توفیق ہوتی ہے تو منجانب اللہ اس سے سالک کا قلب انوارِ ہدایت سے منور کر دیا جاتا ہے اور ضلالت و گمراہی سے صاف کر دیا جاتا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ یَہْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَاءُ کیوں کہ طالب حق کی اول فہم درست ہوتی ہے تب ہی تو وہ طالب حق ہو کر داخل سُلوک ہوا یہ بصیرت ہے۔ پھر وہ احکام کو قبول کرتا ہے یہ ہدایت ہے پھر ہدایت کا ثمرہ یعنی قرب و قبول عنایت ہوتا ہے یہ رحمت ہے اس کا ذکر اس آیتِ شریفہ میں ہے۔ بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَھُدًی وَّ رَحْمَۃٌ لَّعَلَّھُمْ یَتَذَکَّرُوْنَ

اس نور کا یہ اثر ہوتا ہے کہ اس کے دل میں دنیا کی طرف سے نفرت اور آخرت کی طرف رغبت پیدا ہو جاتی ہے اپنے معاصی کو یاد کر کے عنانِ استغفار ہاتھ میں لے کر غفورِ رحیم و قبلۂ حاجات کی طرف رجوع کرتا ہے۔ پس اس وقت وہ جانتا ہے اس کو اس کی بصیرت رہبری کرتی ہے کہ یہ راہ بلا کسی مرشدِ کامل کی درگاہ کی جبّہ سائی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی اب وہ اس کی تلاش میں بے چین ہوتا ہے اور وہ جامع شریعت و طریقت کی غلامی کو فخر سمجھتا ہے۔ پس وہ توفیق و فضلِ الٰہی سے ایسے مرشد کو پالیتا ہے اور اس کی چوکھٹ پہ جا پڑتا ہے تاکہ شیطانی وساوس اور ہوائے نفسانی سے بتوجہِ شیخ بتوفیق خداوندی محفوظ رہ سکے اور اپنے امراض باطنی کے لئے اسی حکیم صادق کے تعلیم کئے ہوئے نسخہ کو استعمال کرے کیوں کہ جب تک اندرونی امراض حسد، بخل، غرور، تکبر، کینہ، ریا، حُبِّ جاہ، حُبِّ مال، حُبِّ دنیا، غصہ، حرص و طمع وغیرہ کا انسداد و ازالہ نہ ہو جائے گا اور ان کی جگہ اخلاص علم، حلم، سخاوت، خاکساری، تحقیرِ نفس، کم خوری، کم آرام طلبی، کم گفتگو، قناعت، صبرِ شکر، توکل، تسلیم و رضا، تفویض، یقین وغیرہ، محبتِ الٰہی، خوفِ الٰہی، شوقِ اتباع سنت، اتباع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہ پیدا ہوں گے اس وقت تک دخول و قبول الی اللہ تعالیٰ نہیں ہو سکتا۔ انہیں فرائض کی خاطر مرشد کے سامنے زانوئے ادب طے کرنا ضروری کیا گیا ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ

الصَّادِقِیْنَ اور دوسری جگہ فرمایا وَ اتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ۔ اے ایمان والو ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور سچوں کے ساتھ رہو یعنی جو صادق العلم صادق القول صادق العمل، صادق الحال ہوں ان کے ساتھ رہو اور فرمایا کہ جس کا میلان میری طرف ہو اس کا اتباع ہو۔

ان دونوں آیتوں میں صیغۂ امر کا ہونے سے معلوم ہوا کہ یہ حکم وجوبی حکم ہے اسی لئے بیعت کرنا اور مرشدِ کامل کی جبہ سائی اور دامن پکڑنا ایسا عمل ہے جو حضرتِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضراتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرف بھی منسوب ہے جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ اور فرمایا اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ نیز پیشوا ایانِ اسلام کا ارشاد ہے کہ جو شخص رب العالمین کی ہم نشینی کرنا چاہتا ہے اس کو حضرات صوفیاء کی خدمت میں حاضر ہونا چاہیے اس کو مولانا رومؒ نے اس طرح فرمایا ہے

ہر کہ خواہد ہمنشینی با خدا ؎ گو نشیند در حضورِ اولیا

اور یہ گویا ترجمہ ہے اس حدیثِ قدسی کا جس میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں اَنَا عِنْدَ الْمُنْکَسِرَۃِ قُلُوْبُھُمْ کہ میں ان لوگوں کے پاس ہوتا ہوں جن کے قلوب منکسر ہوتے ہیں چوں کہ یہ ظاہر ہے کہ یہ حال حضراتِ صوفیا ہی کا ہوتا ہے کہ ہر وقت انکسار افتقار اور فنائیت اور لاشیئیت کی کیفیات ان پر غالب رہتی ہیں اس لئے ان کے دل دنیا

سے افسردگی اور شکستگی لئے ہوئے رہتے ہیں۔ جیسے کوئی دنیوی صدمہ اور نقصان اٹھائے ہوئے ہو تو افسردگی کی کیفیت اس پر ہر وقت غالب رہتی ہے اس لیے اگر کوئی کچھ گرم و سرد کہہ دیتا ہے تو یہ خاموش رہتا ہے کیوں کہ اس کا ہر وقت اسی نقصان و صدمہ کی طرف دھیان لگا رہتا ہے ٹھیک اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ حضراتِ صوفیاء پر ہر وقت حق تعالیٰ کی معرفت کا اثر یعنی رُعب عظمت و جلالت اور ہیبت و دہشت روزِ قیامت ان پر مستولی اور غالب رہتی ہے اس لیئے ان کو کوئی کچھ بھی کہہ لیتا ہے مگر انہیں غصہ نہیں آتا۔ وہ کسی پر غصہ نہیں کرتے اور نہ ہی اپنی طبیعت میں اس کی طرف سے کچھ کھٹاس اور نفرت رکھتے ہیں بلکہ صاف دل رہتے ہیں اور بدستور بُرا کہنے والے سخت الفاظ کہنے والے کے ساتھ وہی خوش اخلاقی اور ملاطفت کا معاملہ فرماتے رہیں۔ غرض حضراتِ صوفیاءِ کرام کے قلوب ہمہ وقت تجلیاتِ الٰہیہ انوارِ ذاتِ سبحانی سے منوّر و متجلی رہتے ہیں۔ ہر وقت خدا نے تعالیٰ کے ساتھ اور خدائے تعالیٰ اُن کے ساتھ ہوتے ہیں۔ اس لیے ان حضرات کی ہمنشینی خُدا ہی کی ہمنشینی ہوتی ہے۔

اور چونکہ ہمارے شیوخ نائبینِ رسول ہیں اس لئے ان کا ادب احترام خدمت ضروری ہے جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے اَلشَّیْخُ فِیْ قَوْمِہٖ کَالنَّبِیِّ فِیْ اُمَّتِہٖ کہ شیخ اپنی جماعت میں ایسا ہوتا ہے جیسا کہ نبی اپنی اُمّت میں ہوتا ہے۔ پس جو شخص اپنے تمام اوقات کو شیخ

کامل کی خدمت میں صرف کر دے گا اور اپنے نفس کا اختیارِ کلی شیخ کو دے دیتا ہے اس کے متعلق قوی اُمید ہے کہ بفضلہٖ تعالیٰ اس کو ضرور مقصود حاصل ہو جائے گا۔

عزیزانِ من! ہر مرض کا علاج جُداگانہ ہے اس وجہ سے امراضِ قلبی میں طبیب روحانی حاذق یعنی شیخ وقت ہر مریض کو علیحدہ علیحدہ دوا، معالجہ، طرق و تدابیر تعلیم فرماتا ہے لیکن اس موقع پر مختصر سا اصولاً و اجمالاً طریقِ سلوک لکھا جاتا ہے یوں تو سلوک کے طریقے لاتعداد ہو گئے ہیں مگر ان سب میں تین راستے بہت قریب کے ہیں اور بیشتر اشخاص ان کے متحمل ہیں۔

پہلا طریقہ صلحاء و اخیار کا ہے وہ یہ ہے کہ تمام شرعی فرائض واجبات اور سنن مؤکدہ نماز روزہ تلاوتِ قرآن پاک اور حسبِ موقع [illegible] اۃ، حسبِ موقع حج، حسبِ موقع جہاد، سب ہی کچھ کرنا ہوتا ہے۔ لیکن اس طریق میں منزلِ مقصود تک رسائی دیر میں ہوتی ہے۔

دوسرا طریق مجاہدات و ریاضات کا ہے وہ یہ ہے کہ ان امورِ مذکورہ طریقۂ اُولیٰ کے علاوہ تمام اخلاقی غلطیوں کو، تاہیوں کو، خوبیوں، اچھائیوں سے تمام غلط کاریوں، بداخلاقیوں کو اخلاقِ حمیدہ، اخلاقِ فاضلہ سے بدل دے یہ وہ طریق ہے جسمیں اکثر فائز المرام ہوتے ہیں۔ واصلِ بحق ہوتے ہیں

اور یہ طریق ابرار کا ہے۔

تیسرا طریقہ شطاریہ کا ہے وہ یہ ہے کہ تمام علائق دنیا سے قطع تعلق کر لیتے ہیں اور انسانی صحبتوں سے جُدا رہتے ہیں ان کا مطمح نظر سوائے ورد و اشتیاق کے ذوق و شوق ذکر و شکر کے کچھ نہیں ہے ان کی نظر میں کشف و کرامات تک کچھ مستحسن نہیں بس اپنے اوقاتِ عزیز کو مُوتُوا قَبْلَ اَنْ تَمُوتُوْا کی استقامت میں صَرف کرتے ہیں۔ یہ طریق پہلے دو طریقوں سے جلد مقصدِ حقیقی قربِ الٰہی، واصل بحق ہونے میں بفضلِ حق اکمل و اتم ہے اس سے سالک جلد تر مقصد تک پہنچ جاتا ہے۔

تنبیہ مُوتُوا قَبْلَ اَنْ تَمُوتُوْا کی تفصیل شریعت و تصوّف کے شروع میں ذکر کی جا چکی ہے ضمناً پھر یہاں بیان کی جاتی ہے۔ اور وہ ذرا لغ اس طریق میں یعنی مُوتُوا قَبْلَ اَنْ تَمُوتُوْا دس ہیں

اوّل : توبہ یعنی کوئی مطلوب سوائے خدائے تعالیٰ کے نہ ہو جیسا کہ موت کے وقت ہوتا ہے۔

دوسرے : زُہد یعنی دنیا و مافیہا سے کچھ تعلق نہ رکھے جیسا کہ بوقتِ موت ہوتا ہے۔

تیسرے : توکل یعنی اسبابِ ظاہری کو ترک کر دے۔ جیسا کہ موت کے وقت ہوتا ہے۔

چوتھے :۔ قناعت یعنی نفسانی و شہوانی خواہشوں کو ترک کر دے جیسا کہ

موت کے وقت ہوتا ہے۔

پانچویں : عزلت یعنی لوگوں سے کنارہ کشی اور انقطاع اختیار کرے جیسا کہ موت کے وقت ہوتا ہے۔

چھٹے : توجہ یعنی خدا ہی کی طرف توجہ کرے اور اغراض کو اسی سے متعلق رکھے۔ جیسا کہ موت کے وقت ہوتا ہے۔

ساتویں : صبر یعنی تمام نفسانی لذات کو چھوڑے جیسا کہ موت کے وقت ہوتا ہے

آٹھویں : رضا یعنی اپنے نفس کی رضا مندی چھوڑ دے اور اللہ کی رضا پر رضا مند رہے اور اس کے ازلی احکام کا پابند ہو جاوے جیسا کہ موت کے وقت ہوتا ہے

نویں : ذکر یعنی اللہ کے ذکر کے سوا تمام اذکار کو ترک کر دے جیسا کہ موت کے وقت ہوتا ہے

دسویں : مراقبہ یعنی اپنی تمام قوت و اختیار کو چھوڑ دے جیسا کہ موت کے وقت ہوتا ہے

پس ہر طالب کو چاہیے کہ پہلے اتباع شیخ سے تمام بداخلاقیوں سے جو کہ لوازم مادیت سے ہیں اپنے کو صاف بنائے اور محفوظ رکھے اور اپنے کو کمالات و محاسن و مکارم اخلاق کا جامع بنائے اور دل میں سوائے خدا کے کسی کے خیال کو جگہ نہ دے حق تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اس کی توفیق عطا فرمائیں صلی اللہ علی خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین ۔

احقر محمد مسیح اللہ عفی عنہ

تمت بالخیر